سلسلہ : رسائلِ فتاوٰی رضویہ

جلد : چوتھی

رسالہ نمبر 1

رسالہ ضمنیہ
قوانین العلماء فی متیمم[عـہ]
علم عند زید ماء ۱۳۳۵ھ

عُلماء کے قوانین اس تیمّم کرنے والے کے بارے میں جسے معلوم ہُوا کہ زید کے پاس پانی ہے (ت)

پیشکش : مجلسِ آئی ٹی (دعوتِ اسلامی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ

قوانین العلماء فی متیمم[عہ] علم عند زید ماء ۱۳۳۵ھ

عُلماء کے قوانین اس تیمّم کرنے والے کے بارے میں جسے معلوم ہُوا کہ زید کے پاس پانی ہے (ت)

شرح تعریف رضوی کے افادہ پنجم میں ضمناً اس مسئلہ کا ذکر آیا کہ اگر دوسرے کے پاس پانی پایا اور نہ مانگا اور تیمّم سے پڑھ لی پھر مانگا اور اُس نے دے دیا تو نماز نہ ہوئی، نہ دیا تو ہو گئی۔ اس مسئلہ کی تفصیل و تحقیق وہاں لکھی کہ بجائے خود ایک رسالہ ہو گئی طول کے سبب اُسے وہاں سے جُدا کیا اور رسالہ کا حوالہ دیا۔ یہ وہ رسالہ ہے **وباللہ التوفیق۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی ارسل من بحرنداہ* ماء ھداہ* مع مصطفاہ* فاعطانا بلا سؤال* وطھرنا بہ من دنس	تمام تعریف خدا کیلئے جس نے اپنے بحرِ سخا سے، آبِ ہدٰی، اپنے مصطفٰی کے ساتھ بھیجا، تو ہمیں بے مانگے عطا کیا اور اس سے ہمیں گمراہی کے میل سے

عہ: **اقول:** جو تیمّم سے ہو اور جو تیمّم کرنا چاہتا ہو متیمم دونوں پر صادق ہے اور ان مسائل میں دونوں کا ذکر ہے پھر علم کہا رای نہ کہا کما قالوا کہ علم شرط ہے دیکھنا ضرور نہیں جیسے پانی اس سے آڑ میں ہے یا یہ اندھا ہے اور اسے علم آیا کہ دوسرے کے پاس پانی ہے اور زید کہا رفیق نہ کہا **کما قالوا** کہ رفیق ہونا کچھ شرط نہیں ۱۲منہ غفرلہ۔ (م)

الضلال* صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم*وبارك وشرف ومجدوکرم*علی التوالی والتواتر والاتصال*الٰی ابد الاٰباد من ازل الاٰزال*وعلٰی اٰلہ وصحبہ خیر صحب واٰل*	پاک کیا۔خدائے برتر ان پر درود وسلام نازل فرمائے اور برکت وشرافت،بزرگی وکرامت بخشے۔پے بہ پے لگاتار اور پیہم،ابدوں کے ابد تک،ازلوں کے ازل سے۔اور ان کی آل واصحاب پر جو بہتر آل واصحاب ہیں۔(ت)

تیمّم کہ دوسرے کے پاس پانی پائے یہ مسئلہ بہت معرکۃ الآراء وطویلۃ الاذیال ہے اکثر کتب میں اُس کے بعض جزئیات مذکور ہیں امام صدر الشریعۃ نے شرح وقایہ پھر محقق ابراہیم حلبی نے غنیہ شرح منیہ میں پھر محقق زین العابدین نے بحر الرائق میں رحمھم اللہ تعالٰی ورحمنا بھم (خدائے برتر ان پر رحمت فرمائے اور ان کی برکت سے ہم پر رحمت فرمائے۔ت) اُس کیلئے قوانین کلیہ وضع فرمانا چاہے کہ جمیع شقوق کو حاوی ہوں۔ فقیر اوّلاً چند مسائل ذکر کرے جن کا لحاظ ہر ضابطہ میں ضروری ہے وہی اپنے اختلافات پر مادہ ہر ضابطہ ہیں پھر قوانین علماء اور مالہا وماعلیہا پھر وہ جو فیض قدیر سے قلبِ فقیر پر فائض ہُوا وللہ الحمد واللہ المستعان وعلیہ التکلان (اور خدا ہی کیلئے ساری حمد ہے اور خدا ہی مستعان ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔ت)

مسئلہ ا: اگر دُوسرے کے پاس اتنا پانی ہو نا کہ اس کی طہارت کو کافی اور اس کی حاجت سے زائد ہو معلوم نہ تھا اور تیمّم کرکے نماز پڑھ لی نماز کے بعد معلوم ہوا تو نماز پر اس کا کچھ اثر نہیں نماز ہو گئی اگرچہ بعد نماز وہ اسے پانی خود یا اس کے مانگے سے دے بھی دے۔

لما علمت ان لاقدرۃ الا بالعلم حتی لو وضع فی رحلہ ماء ونسیہ وصلی تمت وان تذکر بعدھا لم یعد کما تقدم مفصلا فی نمرۃ۔	اس کی وجہ وہی ہے جو بیان ہوئی کہ بغیر علم واطلاع کے قدرت نہیں۔یہاں تک کہ اگر اپنے خیمہ میں پانی رکھا اور بھول گیا اور نماز پڑھ لی تو پوری ہو گئی۔اگر بعد نماز یاد آیا تو اعادہ نہیں جیسا کہ نمبر ۱۵۸ میں تفصیل سے گزرا۔(ت)

خانیہ میں ہے:

المصلی بالتیمم اذا وجد الماء بعد الفراغ من الصلاۃ لاتلزمہ الاعادۃ ولووجد فی خلال الصلاۃ فسدت وکذا (۲) لووجد بعد التشھد قبل السلام وان (۳) وجد بعد	تیمّم سے نماز ادا کرنے والے کو جب نماز سے فارغ ہونے کے بعد پانی ملے تو اس پر اعادہ لازم نہیں اور اگر نماز کے درمیان پانی پائے تو نماز فاسد ہو گئی۔اسی طرح اگر تشہد کے بعد سلام سے پہلے پائے۔اگر ایک سلام

ماسلم تسلیمة واحدة لم تفسد [1]۔	پھیرنے کے بعد پائے تو نماز فاسد نہ ہُوئی۔(ت)

مسئلہ ۲: اگر نماز پڑھتے میں اس نے پانی لاکر رکھا کہ یہ لے لے یا مطلق کہا کہ جس کے جی میں آئے اس سے وضو کرے تو تیمّم ٹوٹ گیا نماز جاتی رہی اس کا ذکر ضمناً نمبر ۱۶۱ میں گزرا مگر یہاں ایک استثناء نفیس ہے امام فقیہ النفس نے فرمایا[۲] اگر وہ کہنے والا نصرانی ہو نیت نہ توڑے کہ اس کے کہنے کا کیا اعتبار شاید مسخرہ پن سے کہتا ہو، ہاں نماز کے بعد اس سے مانگے دے دے تو نماز پھیرے ورنہ ہو گئی۔ خانیہ میں ہے:

المصلی بالتیمم اذا قال له نصرانی خذ الماء فانه یمضی علی صلاته ولایقطع لان کلامه قد یکون علی وجه الاستهزاء فلایقطع بالشك فاذافرغ من الصلاة سأله ان اعطاه اعاد الصلاة والافلا [2]۔	تیمّم سے نماز ادا کرنے والے سے جب کوئی نصرانی کہے پانی لے تو نماز پڑھتا رہے قطع نہ کرے اس لئے کہ اس کا کلام بطور استہزاء بھی ہوتا ہے تو شک کی بنیاد پر قطع نہ کرے۔ جب نماز سے فارغ ہو جائے تو اس سے طلب کرے اگر دے دے تو نماز کا اعادہ کرے ورنہ نہیں۔(ت)

اسی طرح خلاصہ میں زیادات وفتاوٰی رزین سے ہے **اقول:** علمائے[۳] کرام اکثر بجائے مناط ذکر مظنہ پر اکتفاء فرماتے اور مثال سے مقصود کی راہ دکھاتے ہیں یہاں نہ نصرانی کی تخصیص نہ کافر کی خصوصیت بلکہ مدار ظن استہزا ہے اگر نصرانی[۴] یا کوئی کافر اس کا نوکر یا ماتحت یا رعیت یا اس کی شاگردی میں ہے یا اس سے کسی حاجت کی طمع رکھتا ہے یا خوف کرتا ہے تو ان صورتوں میں اُس پر گمان استہزا نہ ہوگا نیت توڑنی ہوگی ہاں اگر پھر مانگے پر نہ دے تو تیمّم باقی ہے **وذلك لظهور القدرة علی الماء ظنامع عدم مایعارضه** (وہ اس لئے کہ ظنی طور پر پانی پر قدرت ظاہر ہو گئی اور اس کا کوئی معارض موجود نہیں۔ت) اور اگر کوئی[۵] فاسق بیباک تمسخر کا عادی ہے لوگوں سے یونہی کہا کرتا پھر نہیں دیتا ہے تو اُس کے کہنے پر نیت توڑنے کی اجازت نہ ہوگی۔

لان ابطال العمل حرام ولم یحصل الظن علی القدرة بقول مثله من المستهزئین اللئام۔	اس لئے کہ عمل کا باطل کرنا حرام ہے اور اس جیسے کمینے تمسخر کرنے والے کی بات سے قدرت کا ظن حاصل نہ ہوا۔(ت)

ہاں بعد نماز دے دے تو اعادہ کرنی ہوگی ورنہ نماز بھی ہو گئی اور تیمّم بھی باقی **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] فتاوٰی قاضی خان　فصل فیما یجوز له التیمم　مطبع نولکشور لکھنؤ　۱/۲۷

[2] فتاوٰی قاضی خان، فصل فیما به التیمم، مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۰

مسئلہ ۳: اگر اس نے اس سے پانی لینے کو نہ کہا مگر عین نماز میں اسے اس کے پاس کافی پانی ہونے کا علم ہوا **اقول:** اگرچہ تذکّر سے کہ پہلے اس کے پاس پانی ہونا معلوم تھا یاد نہ رہا تیمّم کرکے نماز شروع کی نماز میں یاد آیا کہ فلاں کے پاس پانی ہے وھذا ظاھر جدا (اور یہ بہت ظاہر ہے۔ت) تو دو صورتیں ہیں اگر اسے گمان غالب ہو کہ مانگے سے دے دے گا۔ تو نیت توڑے اور مانگے اور اگر گمان غالب ہو کہ نہ دے گا یا کسی طرف غلبہ ظن نہ ہو شک کی حالت ہو تو نیت توڑنے کی اجازت نہیں ہوسکتی۔ صدر الشریعۃ میں زیادات سے ہے:

المتیمم المسافر اذا رأی مع رجل ماء کثیرا وھو فی الصلاۃ وغلب علی ظنہ انہ لایعطیہ اوشك مضی علی صلاتہ لانہ صح شروعہ فلایقطع بالشك وان غلب علی ظنہ انہ یعطیہ قطع الصلاۃ وطلب منہ الماء [1]۔	تیمّم والا مسافر حالتِ نماز میں جب کسی کے پاس کثیر پانی دیکھے اور غالب گمان ہو کہ وہ اسے پانی نہ دے گا یا شک ہو تو نماز پڑھتا رہے اس لئے کہ اس کا شروع کرنا صحیح ہے تو شک کی وجہ سے نیت نہ توڑے گا اور اگر غالب گمان ہو کہ پانی دے دے گا تو نماز توڑ دے اور اس سے پانی طلب کرے۔ (ت)

بعینہٖ اسی طرح بدائع وحلیہ میں جامع کرخی سے ہے:

غیرانہ لیس فیہ ذکر ظن العطاء صریحا و انمادل علی القطع فیہ بالمفھوم۔	مگر اس میں دینے کا گمان ہونے والی صورت صراحۃً مذکور نہیں۔ مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں نماز توڑ دینے کا حکم ہے۔ (ت)

بزازیہ میں ہے:

ان علم انہ یعطیہ قطع وان اشکل لا [2]۔	اگر یہ جانتا ہو کہ وہ دے دے گا تو نماز توڑ دے اور اگر اشکال واشتباہ کی صورت ہو تو نہ توڑے (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

المصلی (۲) بالتیمم اذا رأی سرابًا ان کان	تیمّم سے نماز ادا کرتے ہوئے اگر سراب (پانی کی شکل

[1] شرح الوقایہ فصل فیما یجوزلہ التیمم مطبع رشیدیہ دہلی ۱/۱۰۱

[2] فتاوٰی بزازیۃ مع عالمگیری، فصل الخامس فی التیمم، مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۶

اکبر رأیه انه ماء یباح له ان ینصرف وان استوی الظنان لایحل له قطع الصلاۃ واذافرغ من الصلاۃ ان ظهر انه کان ماء یلزمه الاعادۃ والافلا[1]۔	میں ریت) دکھائی دے تو اگر اس کا غالب گمان ہو کہ یہ پانی ہے تو اس کیلئے نماز توڑنا جائز ہے اور اگر دونوں گمان برابر ہوں تو نماز توڑنا جائز نہیں، اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد ظاہر ہو جائے کہ پانی ہی ہے تو اعادہ لازم ہے ورنہ نہیں۔(ت)

تنبیہ۔اقول: ظاہر [۱] عبارات بحالت ظن غالب عطاوجوب قطع ہے،

لان (۲) صیغة الاخبار اکد من صیغة الامر ولان بظن العطاء وان لم یقدر علی الماء حتی یبطل تیممه لکن اورث شبهة قویة فی بقائه فلایحل المضی علیه حتی یظهر بطلانهاولان الصلاۃ بالتیمم (۳)کاملة عندنا کالصلاۃ بالوضوء ولذا (۴) صح اقتداء المتوضیء بالمتیمم بل جاز بلاکراهة وان کان العکس افضل فهذا القطع لیس عـه للاکمال بل للابطال و	اس کی چند وجہیں ہیں (۱) اس لئے کہ صیغہ خبر صیغہ امر سے زیادہ مؤکد ہے (۲) اس لئے کہ دینے کا اسے گمان ہے تو اتنے سے پانی پر اسے قدرت نہیں حاصل ہو گئی کہ اس کا تیمّم باطل ہو جائے لیکن اس گمان سے تیمّم باقی رہ جانے میں ایک قوی شبہ ضرور پیدا ہو گیا تو اس تیمّم پر برقرار رہنا حلال نہ ہوگا جب تک کہ اس شبہ کا بطلان ظاہر نہ ہو جائے (۳) اس لئے کہ ہمارے نزدیک تیمّم سے نماز کی ادائیگی کامل ہے جیسے وضو سے نماز کامل ہے اسی لئے یہ درست بلکہ بلا کراہت جائز ہے کہ وضو والا

عـه فان قلت الیس قدقالواندب لراجی الماء تأخیرالصلاۃ الی اٰخر الوقت المستحب لیقع الاداء باکمل الطهارتین اقول الاکمل فوق الکامل والقطع انما جاء للاکمال لاللزیادۃ بعد الکمال قال فی البنایة علی قول

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا علما نے یہ نہیں فرمایا کہ پانی ملنے کی امید ہو تو آخر وقت مستحب تک نماز مؤخر کرنا مندوب ہے تاکہ نماز کی ادائیگی دونوں طہارتوں میں سے اس طہارت سے ہو جو زیادہ کامل ہے **اقول:** (جواب یہ ہے کہ) زیادہ کامل کا درجہ کامل سے اوپر ہے اور نماز توڑنا کامل کرنے ہی کیلئے ہے کامل ہو جانے کے بعد زیادتی کمال کیلئے نہیں ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما یجوزلہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۲۸/۱

لیس ثمه فی المضی علی الصلاۃ ضرر علیه یزال ومثل القطع لولم یجب لم یجزلقوله تعالٰی ولاتبطلوا اعمالکم واللہ سبحٰنه اعلم۔	تیمّم والے کی اقتدا کرے اگرچہ اس کا عکس افضل ہے۔ تواس گمان کے باعث نماز توڑنا اسے کامل کرنے کیلئے نہیں بلکہ باطل کرنے کیلئے ہے اور وہاں نماز پڑھتے رہنے میں اس کا کوئی نقصان بھی نہیں جسے دُور کرنا ہو۔ اور نماز توڑنا ایسا عمل ہے کہ اگر واجب نہ ہوتا تو اس کا جواز ہی نہ ہوتا اس لئے کہ باری تعالٰی کا فرمان ہے: "اور تم اپنے عملوں کا باطل نہ کرو"۔ اور اللہ تعالٰی خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۴: یہ حکم نماز کے قطع واتمام کا تھا۔ رہایہکہ اس سے پانی مانگنا اس پر واجب ہے یا نہیں **اقول:** بحال ظن عطا تو وجوب میں شبہ نہیں کہ اسی کیلئے نیت توڑنے کا حکم ہوا باقی دو۲ حالتوں میں عبارت خلاصہ یہ ہے بیرون نماز پانی دیکھ کر مانگنا واجب ہونے نہ ہونے کا اختلاف آئندہ اور اور مسائل لکھ کر فرمایا:

ھذا کلہ قبل الشروع فی الصلاۃ ولوشرع بالتیمم فی السفر فرأی رجلا معه ماء کثیران علم انه یعطیه یقطع الصلاۃ وان علم انه لایعطیه یمضی علی صلاته وان اشکل یمضی علی صلاته ثم یسأله ان اعطاہ اعاد الصلاۃ وان ابی فصلاته تامة [1]۔	یہ سارا حکم نماز شروع کرنے سے پہلے ہے اور اگر سفر میں تیمّم سے نماز شروع کردی پھر کسی کو دیکھا کہ اس کے پاس بہت سا پانی ہے تو اگر یہ جانتا ہو کہ وہ اسے پانی دے دے گا تو نماز توڑ دے۔ اور اگر جانتا ہو کہ نہ دے گا تو نماز پڑھتا رہے اور اگر اشتباہ ہو تو بھی نماز پڑھتا رہے پھر فارغ ہو کر اس سے مانگے اگر دے دے تو نماز کا اعادہ کرے اور انکار کرے تو نماز کامل ہو گئی۔ (ت)

اسی طرح ہندیہ میں محیط سرخسی سے ہے غیرانه لم یذکر ظن المنع [2] (مگر انہوں نے منع وانکار کا گمان ہونے والی صورت نہ بیان کی۔ ت) اس کا یہ مفاد کہ بحالِ ظن منع سوال کی اصلاً حاجت نہیں اور بحالِ شک نماز

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) الھدایة باکمل الطھارتین وھو الوضو وصیغة افعل تدل علی ان التیمم طھارۃ کاملة ولکن الوضوء اکمل منھا [3] اھ منه غفرله (م)	ہدایہ کی عبارت "باکمل الطہارتین" (دونوں سے اکمل طہارت کے ذریعہ) پر بنایہ کے الفاظ یہ ہیں: وہ وضو ہے اور افعل کا صیغہ یہ بتارہا ہے کہ تیمّم بھی طہارت کاملہ ہے لیکن وضو اس سے زیادہ کامل ہے اھ۔ ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس فی التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۳

[2] فتاوٰی ہندیہ آخر فصل اول مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۹

[3] البنایہ فی شرح الھدایہ باب التیمم المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمہ ۱/۳۲۶

پُوری کرکے مانگے یہ صاف نہ فرمایا کہ مانگنا واجب ہے یا مستحب اقول مگر مسئلہ (۱) ظن قرب آب میں تصریح ہے کہ اگر قُرب مشکوک ہو طلب واجب نہیں صرف مستحب ہے، درمختار میں ہے:

الا یغلب علی ظنه قربه لایجب بل یندب ان رجاوالالا[1]۔	اگر قرب آب کا غالب گمان نہ ہو تو طلب واجب نہیں بب لکہ مندوب ہے اگر امید رکھتا ہو ورنہ مندوب بھی نہیں۔(ت)

شرح تعریف رضوی کے افادہ پنجم میں اور بعض عبارات بھی اس کے مفید گزریں اور جوہرہ نیّرہ میں ہے: اذاشك یستحب له الطلب[2] (شک کی صورت میں طلب مستحب ہے۔ت)

اسی طرح ہندیہ میں سراج وہاج سے ہے، بحر میں بدائع سے ہے:

اذالم یغلب علی ظنه قربه لایجب بل یستحب اذاکان علی طمع من وجود الماء[3]۔	قربِ آب کا غالب گمان نہ ہو تو طلب واجب نہیں بلکہ مستحب ہے جب کہ پانی موجود ہونے کی اسے کچھ امید ہو۔(ت)

اس کے بکثرت مؤیدات عنقریب آتے ہیں اِن شاء اللہ تعالٰی تو حاصلِ حکم یہ نکلا کہ بحالِ ظن عطا مانگنا واجب اور بحال شک مستحب اور بحالِ ظن منع مستحب بھی نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵: صحیح و معتمد وظاہر الروایۃ یہ ہے کہ نماز میں بحالِ غلبہ ظن عطا اگرچہ نیت توڑنے کا حکم ہے مگر فقط اس غلبہ ظن سے نہ تیمّم ٹوٹے نہ نماز جائے یہاں تک کہ اگر پُوری کرلی اور پھر مانگا اور اُس نے نہ دیا تو نماز بھی صحیح اور تیمّم بھی باقی کہ ظاہر ہُوا کہ وہ ظن غلط تھا۔ **اقول:** یہ حکم خود انہیں عبارات مذکورہ زیادات وجامع کرخی ومحیط سرخسی وخلاصہ وبزازیہ وصدر الشریعۃ وحلیہ وہندیہ سے ظاہر کہ قطع نماز کو فرمایا اور قطع وہی کی جائے گی کہ ہنوز باقی ہے باطل خود ہی معدوم ہوگئی قطع کیا ہو بحر میں ہے:

اذاکان فی الصلاۃ وغلب علی ظنه الاعطاء لاتبطل بل اذااتمهاسأله ولم یعطه تمت صلاته لانه ظهر ان ظنه کان خطاء کذافی شرح الوقایۃ	جب اندرونِ نماز ہو اور اسے غالب گمان ہوا کہ دے دے گا تو اس سے نماز باطل نہیں ہوجاتی بلکہ اس صورت میں جب نماز پُوری کرلے پھر مانگے اور وہ نہ دے تو نماز پُوری ہوگئی اس لئے کہ ظاہر ہوگیا

[1] درمختار باب التیمم مطبوعہ مجتبائی دہلی ۴۴/۱

[2] الجوہرۃالنیرۃ باب التیمم، مکتبہ امدادیہ ملتان، ۲۸/۱

[3] البحرالرائق باب التیمم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۶۱/۱

فعلم منه ان مافی فتح القدیر من بطلانها بمجرد غلبة ظن الاعطاء لیس بظاهر الا ان قاضیخان فی فتاواه ذکر البطلان فی هذه الصورة بمجرد الظن عن محمد [1]۔	کہ اس کا گمان غلط تھا۔ایسا ہی شرح وقایہ میں ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ محض غلبہ ظن عطا سے بطلانِ نماز کی بات جو فتح القدیر میں ہے وہ ظاہر نہیں مگر قاضی خان نے اس صورت میں محض گمان کی وجہ سے بطلانِ نماز امام محمد سے اپنے فتاوٰی میں نقل فرمایا ہے۔(ت)

اسی طرح ردالمحتار میں نہر سے ہے:

قال لاتبطل کماجزم به الزیلعی وغیره فما فی الفتح فیه نظر نعم فی الخانیة عن محمد انها تبطل بمجرد الظن فمع غلبته اولی وعلیه یحمل مافی الفتح [2] اھ **اقول:**(۱)عبارة الخانیة المسافراذاشرع فی الصلاة بالتیمم ثم جاء انسان معه ماء فانه یمضی فی صلاته فاذاسلم فسأله ان منع جازت صلاته وان اعطاه بطلت وعن محمد رحمه الله تعالٰی اذارأی فی الصلاة مع غیره ماء وفی غالب ظنه انه یعطیه بطلت صلاته [3] اھ فلیس فیها عن محمد بطلانها	انہوں نے کہا: نماز باطل نہیں ہوجاتی جیسا کہ اس پر امام زیلعی وغیرہ نے جزم کیا ہے تو فتح القدیر میں جو لکھا ہے وہ محلِ نظر ہے۔ہاں خانیہ میں امام محمد سے ایک روایت ہے کہ محض گمان سے نماز باطل ہوجاتی ہے تو غلبہ ظن سے بدرجہ اولٰی باطل ہوجائے گی اور اسی پر محمول ہے وہ جو فتح القدیر میں ہے۔(ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں) خانیہ کی عبارت یہ ہے: "مسافر جب تیمّم سے نماز شروع کردے پھر کوئی آدمی آئے جس کے پاس پانی ہو تو وہ نماز پڑھتا رہے جب سلام پھیرلے تو اس سے پانی مانگے اگر نہ دے تو اس کی نماز ہوگئی اور اگر دے دے تو باطل ہوگئی۔اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ "جب اندرون نماز دوسرے کے پاس پانی دیکھے اور اس کا غالب گمان یہ ہے کہ وہ اسے دے دے گا تو اس کی نماز باطل ہوگئی"۔اس عبارت کے اندر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے

[1] البحرالرائق باب التیمم مطبع سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵۴

[2] ردالمحتار باب التیمم، مطبع مصطفٰی البابی مصر، ۱/۸۵

[3] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما یجوزلہ التیمم مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۲۷

بمجرد الظن بالمعنی الذی ارادالنهر بل قدقید صریحاً بغلبة الظن ولولم یقید لکان هوالمراد اذالظن الضعیف ملتحق بالشك کماصرحوا به فکیف تبطل بالشك صلاة صح الشروع فیها بیقین وکأنه لم یراجع الخانیة واعتمد قول اخیه ذکر البطلان بمجرد الظن فحمله علی تجرید الظن عن الغلبة ولیس کذلك وانما مراده بمجرد الظن ای قبل ان یسأل فیظهر تحقیق ظنه اوخیبته۔

اُس معنی میں مجرد ظن سے بطلان نماز کا ذکر نہیں جو صاحبِ النہر الفائق نے مراد لیا بلکہ اس میں تو صاف غلبہ ظن کی قید موجود ہے اور اگر یہ قید نہ ہوتی تو بھی ظن سے غلبہ ظن ہی مراد ہوتا اس لئے کہ ظنِ ضعیف تو شک میں شامل ہے جیسا کہ علما نے اس کی صراحت فرمائی ہے تو شک سے ایسی نماز کیسے باطل ہوجائے گی جسے شروع کرنا یقینی طور پر درست بھی ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب نہر نے خود خانیہ کی مراجعت نہ فرمائی اور اپنے برادر (صاحبِ بحر) کی عبارت "ذکر البطلان بمجرد الظن" (مجرد ظن سے بطلان کا ذکر کیا ہے) پر اعتماد کرتے ہوئے اس کا معنی یہ لے لیا کہ گمان غلبہ سے خالی ہو حالانکہ ایسا نہیں۔ مجرد ظن سے ان کی مراد یہ ہے کہ محض گمان ہو۔ یعنی ابھی مانگا نہیں کہ گمان کی درستی وکامیابی یا ناکامی منکشف ہو۔ (ت)

ثمّ اقول: ماروی عن محمد رحمه الله تعالٰی یحتمل تأویلین الاول ان بطلت(۱) بمعنی ستبطل کماهو معروف فی کلماتهم فی غیرمامقام وقد بیناه فی رسالتنا فصل القضاء فی رسم الافتاء الثانی ان المعنی ان حکم نفس هذه الصورة هوالبطلان حتی لولم یزد علی هذا ومضی علٰی صلاته ولم یسأل بعدهاحکم ببطلانهاسواء اعطاه صاحب الماء بدون سؤال اولاوعبارة الفتح هکذا جماعة (۲)من المتیممین وهب لهم صاحب الماء فقبضوه لاینتقض تیمم احد منهم لانه لایصیب کلامنهم مایکفیه علی قولهما وعلی قول ابی حنیفة رضی الله

ثم اقول: امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے جو روایت آئی ہے اس میں دو۲ تاویلیں ہوسکتی ہیں: اول یہ کہ "باطل ہوئی" کا معنٰی یہ ہے کہ ابھی باطل ہوجائے گی جیسا کہ ان حضرات کی عبارتوں اور متعدد جگہوں میں یہ معنی معلوم ومعروف ہے۔ اور ہم نے اسے اپنے رسالہ "فصل القضاء فی رسم الافتاء" میں بیان کیا ہے۔ دوم یہ کہ خود اس صورت کا حکم یہ ہے کہ نماز باطل ہوگئی یہاں تک کہ اگر اس نے اس سے زیادہ کچھ نہ کیا اور نماز پڑھ لی، بعد میں مانگا بھی نہیں تو اس نماز کے باطل ہونے کا حکم ہوگا خواہ پانی والا بغیر مانگے اسے دے یا نہ دے۔ اور فتح القدیر کی عبارت اس طرح ہے: تیمّم والوں کی جماعت ہورہی ہے انہیں پانی کے مالک نے پانی ہبہ کردیا جس پر وہ قابض

تعالٰی عنہم لاتصح ھذہ الھبة للشیوع ولو(۱) عین الواھب واحدا منھم یبطل تیممه دونھم حتی لوکان امامابطلت صلاة الکل وکذا(۲) لوکان غیرامام الا انه لمافرغ القوم سأله الامام فاعطاہ تفسد علی قول الکل لتبین انه صلی قادرا علی الماء واعلم انھم فرعو الوصلی بتیمم فطلع علیه رجل معه ماء فان غلب علی ظنه انه یعطیه بطلت قبل السؤال وان غلب ان لایعطیه یمضی علی صلاته وان اشکل علیه یمضی ثم یسأله فان اعطاہ ولو بیعا بثمن المثل ونحوہ اعاد والافھی تامة وکذالواعطاہ بعد المنع الا انه یتوضّأ ھنالصلاة اخری وعلی ھذافاطلاق فسادالصلاة فی صورة سؤال الامام امان یکون محمولا علی حالة الاشکال اوان عدم الفساد عند غلبة ظن عدم الاعطاء مقید بمااذالم یظھر له بعدُ اعطاؤہ[1] اھ وانت تعلم ان(۳)ھذہ العبارة بعیدة عن ذینك التأویلین اماالاول فظاھرواما الثانی فلان مفاد ماحکاہ عندہ ان عند ظن العطاء اوالمنع لاتوقف علی السؤال بل صحت فی ظن المنع وبطلت فی ظن العطاء سأل اولم یسأل انما یتوقف الامر علی السؤال عند الشك والاشکال ولذا فھم

بھی ہوگئے تو ان میں سے کسی کا تیمّم نہ ٹوٹے گا اس لئے کہ ہر ایک کو اتنا نہ پہنچے گا جو اس کیلئے کافی ہو یہ حکم بر قول صاحبین ہے۔اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے قول پر یہ ہبہ ہی شیوع کی وجہ سے صحیح نہیں،اور اگر ہبہ کرنے والے نے ان میں سے کسی ایک کو معین کردیا تو اس کا تیمّم باطل ہوجائے گا باقی لوگوں کا نہیں یہاں تک کہ وہ شخص معین اگر امام تھا تو سب کی نماز باطل ہوگئی۔اسی طرح اگر غیر امام ہو۔مگر یہ کہ جب لوگ نماز سے فارغ ہوگئے تو امام نے اس سے پانی مانگا اس نے دے دیا تو سب کے قول پر نماز فاسد ہوگی اس لئے کہ ظاہر ہوگیا کہ اس نے پانی پر قدرت ہوتے ہوئے نماز ادا کی۔جاننا چاہئے کہ مشائخ نے یہ تفریع فرمائی ہے کہ اگر کسی نے تیمّم سے نماز شروع کی پھر اس کے سامنے ایسا شخص نمودار ہوا جس کے پاس پانی ہے تو اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ پانی دے دے گا تو مانگنے سے پہلے ہی نماز باطل ہوگئی اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ نہ دے گا تو نماز پُوری کرے اور اگر اشتباہ کی صورت ہو تو نماز پوری کرے پھر اس سے مانگے اگر دے دے خواہ ثمن مثل کے بدلے بیع وغیرہ سے ہی دے تو نماز کا اعادہ کرے ورنہ نماز کامل ہوگئی۔اسی طرح اگر انکار کرنے کے بعد دے مگر اِس صورت میں وہ یہاں کسی دوسری نماز کیلئے وضو کرے گا۔تو امام کے مانگنے کی صورت میں فساد نماز کو مطلقًا کہنا یا تو حالت اشتباہ پر محمول ہوگا یا اس پر کہ نہ دینے کا غلبہ ظن ہونے کی صورت میں عدم فساد اس سے مقید ہے کہ ابھی اس کے دینے کا حال ظاہر نہ ہُوا ہو اھ، ناظر کو

[1] فتح القدیر، باب التیمم مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۱۹

المخالفة بينه وبين فرع سؤال الامام حيث حكموا فيه ببطلان صلاتهم اذا اعطاه وهو باطلاقه يشمل ماإذاكان الامام ظن فى صلاته عطاء اومنعا اوشك فتوقفت الصحة فى ظن المنع ايضا على مايتبين من الحال بعد السؤال ولذا ردد التوفيق بين حملين اما ان يخص الفرع بصورة الشك فيصح التوقف على السؤال اويقال ان فى ظن المنع ايضا يزول حكم الصحة بظهور خطائه بعد الصلاة فهذا مافهمه ورامه رحمه الله تعالٰى وهو غيرمنسوج على منوال ماروى عن الامام الربانى رحمه الله تعالٰى كيف وقد نسبه الى المشايخ انهم هم الذين فرعوه(۱) وانت تعلم ان ماحكاه عين مافى الخلاصة سوى ان فيهاان علم انه يعطيه يقطع الصلاة ووقع بدله فى الفتح بطلت قبل السؤال وليس مفادها البطلان بمجرد ظن العطاء ولا الجزم بالصحة مطلقا فى ظن المنع حتى لاتعادو ان اعطى ولا تخصيص احالة الحكم على مايتبين بعد السؤال*بصورة الاشكال*بل هو عام يشمل جميع الاشكال*كما يتجلى فى كل ذلك حقيقة الحال*بعون المولى ذى الجلال*والظاهر (۲) والله تعالٰى اعلم انه رحمه الله تعالٰى اعتمد

معلوم ہے کہ یہ عبارت صاحب فتح القدیر کی ان دونوں تاویلوں سے بعید ہے۔ پہلی تاویل کا بعد توظاہر ہے دوسری اس طرح کہ اپنے طور پر انہوں نے جو حکایت فرمائی اس کا مفاد یہ ہے کہ دینے یا نہ دینے کا ظن ہونے کی صورت میں مانگنے پر کچھ موقوف نہیں بلاالکہ حکم یہ ہے کہ نہ دینے کا ظن ہو تو نماز صحیح اور دینے کا ظن ہو تو باطل ہوگئ مانگے یا نہ مانگے۔ صرف شک واشکال کی صورت میں مانگنے پر معاملہ موقوف رہتا ہے۔ اس لئے انہوں نے اس مسئلہ میں اور امام کے مانگنے کے مسئلہ میں اختلاف سمجھا کیوں کہ اس میں علما نے سبھی کی نماز باطل ہونے کا حکم کیا ہے جب امام کو مانگنے پر پانی والا پانی دے دے۔ اور یہ حکم اپنے اطلاق کی وجہ سے دورانِ نماز امام کے ظن عطا، ظن منع اور شک تمام صورتوں کو شامل ہے تو ظن منع کی صورت میں بھی مانگنے کے بعد ظاہر ہونے والے حال پر نماز کی صحت موقوف رہی اور اسی لئے انہوں نے دو حمل کے درمیان تطبیق دائر فرمائی کہ یا تو جزئیہ کو صورت شک سے خاص کیا جائے تو صحتِ نماز مانگنے پر موقوف رہے گی یا یہ کہا جائے کہ بعد نماز گمان کی خطا ظاہر ہوجانے سے صحتِ نماز کا حکم ظن منع کی صورت میں بھی ختم ہوجاتا ہے۔ یہ وہ ہے جو صاحبِ فتح القدیر رحمہ اللہ تعالٰی نے سمجھا اور مراد لیا۔ ان کا یہ سارا کلام امام ربانی رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل شدہ روایت کے طریقہ پر وارد نہیں اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے جبکہ وہ صاف اس کی نسبت مشائخ کی طرف فرمارہے ہیں کہ ان ہی حضرات نے یہ تفریع کی ہے۔ یہ بھی معلوم ہے

ھھنا علی مافی صدرہ ولم یراجع کلماتھم ولذاردد فی التوفیق مع ان الشق الاول لامساغ له والاخیر(ا) ھو المنصوص علیه فی کتب المذھب کماسیاتی ان شاء اللہ تعالٰی۔	کہ صاحبِ فتح القدیر نے جو حکایت فرمائی بعینہٖ وہی ہے جو خلاصہ میں تحریر ہوئی۔فرق یہ ہے کہ خلاصہ میں ہے"اگر جانتا ہو کہ دے دے گا تو نماز توڑدے"۔اس کے بدلہ فتح القدیر میں یہ ہے کہ "مانگنے سے پہلے ہی نماز باطل ہو گئی۔حالانکہ اس عبارت کا مفادیہ نہیں کہ محض ظن عطاسے نماز باطل ہو گئی،نہ ہی ظن منع کی صورت میں مطلقًا صحت نماز کاجزم ہے یہاں تک کہ دے دینے پر بھی اعادہ نماز نہ ہو،نہ ہی یہ کہ مانگنے کے بعد ظاہر ہونے والی حالت پر حکم کا حوالہ صرف صورت شک کے ساتھ خاص ہے بلکہ یہ حکم عام اور تمام صورتوں کو شامل ہے جیسا کہ اس سلسلہ میں حقیقتِ حال بعونِ مولائے ذی الجلال روشن ہو گی۔ظاہر یہ ہے اور خدائے برتر ہی جاننے والا ہے کہ صاحب فتح القدیر رحمہ اللہ تعالٰی نے یہاں اپنی یاد پر اعتماد فرمایا ہے کلمات علماء کی مراجعت نہ فرمائی اسی لئے تطبیق میں تردید کی صورت اختیار کی حالانکہ شق اول کی تو کوئی گنجایش ہی نہیں اور اخیر پر تو کتب مذہب میں نص موجود ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا اگر خدائے برتر نے چاہا۔(ت)

مسئلہ ۲ ۶: اگر شروع نماز سے پہلے دوسرے کے پاس پانی معلوم ہوا تو آیا اس سے مانگنا واجب ہے یا نہیں یہاں اختلاف روایت تاحدِ اضطراب ہے اور وہ کہ مطالعہ کتب ونظر دلائل سے فقیر کو منقح ہوا یہ کہ یہاں بھی وہی حکم ہے جو مسئلہ ۴ میں گزرا یعنی ظن غالب ہو کہ دے دے گا تو سوال واجب اور بے مانگے تیمّم کرکے نماز پڑھنا حلال نہیں ورنہ واجب نہیں اور بلاسوال نماز حلال ہاں بحال شک سوال مستحب مسئلہ ہر دو ظن میں خود یہی تحقیق وتوفیق ہے اور مسئلہ شک میں یہی قول جمہور وراجح علی التحقیق ہے اس اختلاف روایات کے متعلق بعض عبارات دکھا کر اپنے دونوں دعووں کو دو ۲ مقاموں میں تحقیق کریں **وباللہ التوفیق**۔ہدایہ میں ہے:

(ان کان مع رفیقه ماء طلب منه قبل ان یتیمم)لعدم المنع غالبا(ولوتیمم قبل الطلب اجزأہ عندابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه)لانه لایلزمه الطلب من ملك الغیروقالا لایجزیه لان الماء مبذول عادۃ[1]۔	اگر رفیق سفر کے پاس پانی ہو تو قبل تیمّم اس سے طلب کرے کیونکہ عمومًا اس سے انکار نہیں ہوتا۔اور اگر بغیر مانگے تیمّم کرلیا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہو جائے گا۔اس لئے کہ دوسرے کی ملک سے مانگنا اس پر لازم نہیں۔اور صاحبین نے فرمایا تیمّم نہ ہوگا اس لئے کہ پانی عمومًا خرچ کیا اور دیا جاتا ہے۔(ت)

[1] ہدایہ مع الفتح، باب التیمم، مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۲۵

عنایہ وبنایہ میں ہے:

ذکر الاختلاف فی الایضاح والتقریب وشرح الاقطع بین ابی حنیفة وصاحبیه کماذکر فی الکتاب وقال فی المبسوط ان کان مع رفیقه ماء فعلیه ان یسأله الاعلی قول الحسن بن زیاد فانه کان یقول السؤال ذل وفیه بعض الحرج وماشرع التیمم الالدفع الحرج [1]۔	ایضاح، تقریب اور شرح اقطع میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ذکر کیاہے جیسے کتاب میں بیان کیا ہے۔اور مبسوط میں فرمایا: اگر رفیق کے پاس پانی ہو تو اس پر یہ ہے کہ رفیق سے مانگے مگر حسن بن زیاد کے قول پر ایسا نہیں وہ کہتے تھے کہ مانگنا ذلّت کاکام ہے اور اس میں کچھ حرج بھی ہے جبکہ تیمّم کی مشروعیت دفع حرج ہی کیلئے ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

القدرة علی الماء بملکه اوبملك بدله اذاکان یباع اوبالاباحة امامع ملك الرفیق فلا لان الملك حاجز فثبت العجز [2]۔	پانی پر قدرت یُوں ہوتی ہے کہ خود اس کامالک ہو یافروخت ہورہا ہو تو اس کے بدل کامالک ہو یا اس کے استعمال کی اباحت ہو۔لیکن پانی رفیقِ سفر کی ملک ہو تو ایسا نہیں اس لئے کہ ملک مانع ہے تو عجز ثابت ہوگیا۔(ت)

اس میں نیز ذخیرہ امام برہان الدین سے بنایہ وغیرہ کتب کثیرہ میں ہے:

عن الجصاص لاخلاف بینهم فمراد ابی حنیفة اذاغلب علی ظنه منعه ومرادهما اذاظن عدم المنع لثبوت القدرة بالاباحة فی الماء لافی غیره عنده [3]۔	جصاص سے منقول ہے کہ ائمہ میں کوئی اختلاف نہیں۔امام ابوحنیفہ کی مراد یہ ہے کہ غالب گمان نہ دینے کاہو اور صاحبین کی مراد یہ ہے کہ عدم انکار کا گمان ہو اس لئے کہ امام صاحب کے نزدیک پانی میں اباحت سے قدرت ثابت ہوجاتی ہے دوسری چیزوں میں نہیں۔(ت)

[1] العنایہ مع فتح القدیر باب التیمم مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۲۵
[2] فتح القدیر باب التیمم مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۲۵
[3] فتح القدیر، باب التیمم مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۲۵

نہایہ امام سغناقی پھر بنایہ امام عینی وذخیرہ اخی چلپی میں ہے:

لم یذکر فی عامۃ النسخ قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی ھذا الموضع بل قیل لایجوز التیمم قبل الطلب اذاکان غالب ظنہ ان یعطیہ مطلقامن غیرذکرالخلاف بین علمائناالثلثۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم الافی الایضاح [1] اھ ھذا نقل الذخیرۃ ولم یذکر فی البنایۃ قولہ الا فی الایضاح وذکر مکانہ الاعلی قول الحسن بن زیاد فانہ یقول السؤال ذلۃ وفیہ ضرر [2]۔	اکثر نسخوں میں اس جگہ امام ابی حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول مذکور نہیں بلکہ یہ کہا گیا کہ مانگے بغیر تیمّم جائز نہیں جبکہ غالب گمان یہ ہو کہ دے دے گا۔ یہ ہمارے تینوں علماء رضی اللہ تعالٰی عنہم کے درمیان کوئی اختلاف بتائے بغیر مطلقاً مذکور ہے۔ مگر ایضاح میں ذکر خلاف ہے اھ یہ ذخیرہ کی عبارت ہے اور بنایہ میں "الا فی الایضاح" نہیں اس کی جگہ یہ ہے: مگر حسن بن زیاد کے قول پر ایسا نہیں وہ کہتے ہیں کہ مانگنا ذلت ہے اور اس میں ضرر ہے۔ (ت)

نیز عینی میں ہے:

ذکر الزوزنی وغیرہ لوتیمم قبل الطلب اجزأہ عند ابی حنیفۃ فی روایۃ الحسن عنہ [3]۔	زوزنی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ اگر مانگے بغیر تیمّم کرلیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس میں جو حسن نے ان سے روایت کی، تیمّم ہوجائے گا۔ (ت)

بحر میں ہے:

اعلم ان ظاھر الروایۃ عن اصحابنا الثلثۃ وجوب السؤال من الرفیق کمایفیدہ مافی المبسوط قال واذا کان مع رفیقہ ماء فعلیہ ان یسألہ الا علی قول الحسن بن زیاد فانہ کان یقول السؤال ذل وفیہ بعض الحرج وماشرع التیمم الالدفع الحرج ولکنا نقول ماء الطھارۃ مبذول	معلوم ہو کہ ہمارے تینوں اصحاب سے ظاہر روایت یہ ہے کہ رفیق سے مانگنا واجب ہے جیسا کہ یہ اس سے مستفاد ہوتا ہے جو مبسوط میں ہے، فرماتے ہیں: جب اس کے رفیق سے مانگے مگر حسن بن زیاد کے قول پر ایسا نہیں اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ مانگنا ذلت ہے اور اس میں کچھ حرج ہے جبکہ تیمّم کی مشروعیت دفع حرج

[1] ذخیرۃ العقبٰی باب التیمم مطبع الاسلامیہ لاہور ۱/۱۸۰
[2] عینی شرح الہدایۃ باب التیمم مطبع المکتبۃ الامدادیہ مکہ مکرمہ ۱/۳۳۷
[3] عینی شرح الہدایۃ باب التیمم مطبع المکتبۃ الامدادیہ مکہ مکرمہ ۱/۳۳۷

عادة بين الناس وليس فی سؤال مايحتاج اليه مذلة فقد سأل رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم بعض حوائجه من غيره اھ فاندفع بهذا ماوقع فی الهداية وشرح الاقطع من الخلاف بين ابی حنيفة وصاحبيه فعنده لايلزمه الطلب وعندهما يلزمه واندفع مافی غاية البيان من ان قول الحسن حسن وفی الذخيرة نقلا عن الجصّاص انه لاخلاف بين ابی حنيفة وصاحبيه فمراده فيما اذاغلب علی ظنه منعه اياه ومرادهما عند غلبة الظن بعدم المنع وفی المجتبی الغالب عدم الظنة بالماء حتی لوكان فی موضع تجری الظنة عليه لايجب الطلب منه[1] اھ۔	ہی کیلئے ہوتی ہے۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ طہارت کا پانی لوگوں کے درمیان عادۃً لیا دیا جاتا ہے اور جس چیز کا ضرورت مند ہو اس کے مانگنے میں ذلّت نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھی اپنی ضرورت کی بعض چیزیں دوسرے سے مانگی ہیں۔اھ اس سے وہ دفع ہوگیا جو ہدایہ اور شرح اقطع میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف کا ذکر واقع ہوا کہ امام صاحب کے نزدیک طلب لازم نہیں اور صاحبین کے نزدیک لازم ہے اور وہ بھی دفع ہوگیا جو غایۃ البیان میں ہے کہ حسن کا قول حسن ہے اور وہ بھی جو ذخیرہ میں جصّاص سے منقول ہے کہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین میں کوئی اختلاف نہیں۔امام صاحب کی مراد وہ صورت ہے جب اس کا غالب گمان ہو کہ اسے نہ دے گا اور صاحبین کی مراد وہ صورت ہے جب غالب گمان ہو کہ انکار نہ کرے گا۔ مجتبٰی میں ہے اکثر یہی ہے کہ پانی میں بخل نہیں کیا جاتا یہاں تک کہ اگر کسی ایسی جگہ ہو جہاں پانی میں بخل ہوتا ہے تو اس سے مانگنا واجب نہیں اھ۔(ت)

غنیہ میں ہے:

اذا تيمم وصلی ولم يسأل فعلی قول ابی حنيفة رضی الله تعالٰی عنه صلاته صحيحة فی الوجوه كلها (ای سواء ظن منحا اومنعا اوشك) وقالا لا يجزئه والوجه هو التفصيل كما قال ابونصر الصفار انه انما يجب السؤال فی غيرموضع عزة الماء فانه	جب تیمّم کرکے نماز پڑھ لے اور طلب نہ کرے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر اس کی نماز تمام صورتوں میں صحیح ہے (یعنی خواہ دینے کا گمان ہو یا نہ دینے کا یا شک کی صورت ہو) اور صاحبین فرماتے ہیں: نماز نہ ہوگی۔اور وجہ صواب یہ ہے کہ تفصیل کی جائے، جیسا کہ ابونصر صفار نے فرمایا کہ مانگنا ایسی ہی جگہ واجب ہے جہاں پانی کم یاب نہ ہو کیونکہ اسی صورت میں وہ

[1] البحرالرائق باب التیمم مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۲

حینئذ یتحقق ماقالاہ من انہ مبذول والا فکونہ مبذولا عادۃ فی کل موضع ظاھر المنع علی مایشھد بہ کل من عانی الاسفار فینبغی ان یجب الطلب ولاتصح الصلاۃ بدونہ فیما اذاظن الاعطاء لظھور دلیلھما دون مااذا ظن عدمہ لکونہ فی موضع عزۃ الماء[1] اھ۔

بات متحقق ہوگی جو صاحبین نے فرمائی کہ پانی لیا دیا جاتا ہے ورنہ ہر جگہ پانی کا عادۃً مبذول ہونا (لیا دیا جانا) کھلے طور پر قابلِ رد و منع ہے جس پر سفروں کی زحمت اٹھانے والا ہر شخص شاہد ہے۔ تو حکم یہ ہونا چاہیے کہ مانگنا واجب ہے اور اس کے بغیر نماز صحیح نہیں اس صورت میں جبکہ دینے کا گمان ہو کیونکہ اس صورت میں صاحبین کی دلیل ظاہر ہے مگر اس صورت میں نہیں جبکہ نہ دینے کا گمان ہو اس لئے کہ یہ پانی کی کمیابی کی جگہ ہوگا اھ (ت)۔

اقول: الصفار(۱) لم یحدث قولا خلاف اقوالھم بل ھو کالشرح لھا کما فعل الامام الجصاص فلولاحظ ھذا لما احتاج الی الخروج عن اقوال ائمۃ المذھب جمیعا بالتوزیع والتلفیق قال اما اذا شك فی موضع عزۃ الماء اوظن المنع فی غیرہ فالاحتیاط فی قولھما والتوسعۃ فی قولہ لان فی السؤال ذلا وقول من قال لا ذل فی سؤال مایحتاج الیہ ممنوع[2] اھ۔

اقول: صفار نے اقوالِ ائمہ کے برخلاف کوئی نیا قول ایجاد نہ کیا بلکہ یہ ان ہی اقوال کی شرح کی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ امام جصاص نے کیا ہے۔ صاحبِ غنیہ اگر اس کا خیال فرماتے تو انہیں توزیع و تلفیق کرکے ائمہ مذہب کے سارے اقوال سے خروج کی ضرورت نہ پیش آتی وہ لکھتے ہیں: "لیکن جب ایسی جگہ ہو جہاں پانی کمیاب ہو یا ایسی جگہ نہ ہو لیکن انکار کا گمان ہو تو احتیاط صاحبین کے قول میں ہے اور وسعت امام صاحب کے قول میں ہے اس لئے کہ مانگنے میں ایک ذلّت ضرور ہے اور یہ بات ہمیں تسلیم نہیں کہ ضرورت کی چیز مانگنے میں کوئی ذلت نہیں" اھ (ت)

اقول: فاذن(۲) یؤل الامر الی ترجیح قول الامام مطلقا ویذھب اختیار قولھما عند ظن العطاء لان الذل محترز عنہ مطلقا وقد ثبت فی

اقول: تو معاملہ اس پر آجائے گا کہ امام صاحب کے قول کو مطلقًا ترجیح ہے اور ظن عطا کی صورت میں صاحبین کا قول مختار نہ رہ جائے گا اس لئے کہ ذلّت مطلقًا پرہیز کیے جانے کے لائق ہے

[1] غنیۃ المستملی باب التیمم مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص۶۹
[2] غنیۃ المستملی باب التیمم مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص۶۹

حدیث میں بھی اس بات سے ممانعت آئی ہے کہ مومن اپنے کو ذلت میں ڈالے۔ مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مانگنے سے ذلت وہاں ہوگی جہاں پانی کمیاب ہو اس لئے کہ ایسی صورت میں پانی ایسی چیز ٹھہرے گا جس میں بخل وانکار ہوتا ہے اب جس سے مانگا گیا اگر نہ دے تو اس میں مانگنے والے کی کھلی ہوئی ذلت ہے اور اگر دے دے تو اس کا احسان ہوگا اور احسان لینا بروقت ذلت ہے بخلاف ایسی جگہ کے جہاں پانی کمیاب نہ ہو کیونکہ لوگ وہاں آپس میں پانی لیتے دیتے ہوں گے اور انکار ومنع متوقع نہ ہوگا اور دے دینے میں احسان جتلانے کی صورت بھی نہ ہوگی۔ اسی لئے صاحبِ غنیہ نے اس صورت سے متعلق فرمایا کہ اس میں صاحبین کی دلیل ظاہر ہے۔ مزید لکھتے ہیں: "اور اس بات سے استدلال کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے	الحدیث عـــہ۱ نھی (۱) المؤمن عن ان یذل نفسہ الا ان یقال انما یذل عـــہ۲ بالسؤال حیث یعزلانہ اذن شیئ مضنون بہ فالمسئول منہ ان منع فھذا ذل ظاھر وان دفع من وتحمل المنۃ ذل حاضر بخلاف موضع لایعز فیہ فانھم یتباذلون بہ فیہ ولایتوقع المنع ولا الامتنان فی الدفع وعن ھذاقال فیہ لظھوردلیلھما قال واستدلالہ بانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدسأل بعض حوائجہ من غیرہ مستدرك لانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان بالمؤمنین (۲) اولٰی من انفسھم فلایقاس غیرہ علیہ لانہ اذاسال افترض علی المسؤل البذل ولا کذلك غیرہ[1] اھ۔

امام طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو اپنی ذات کو ذلّت بخوشی بغیر اکراہ کے دے دے وہ ہم میں سے نہیں ۱۲منہ غفرلہ (ت)

یہ کلام میرے ذہن میں آیا تھا پھر میں نے دیکھا کہ علامہ شرنبلالی اس فرق کی طرف اشارہ فرماچکے ہیں جیسا کہ قول سوم کی عبارتوں میں ابھی آئے گا ۱۲منہ غفرلہ (ت)

عـــہ۱ الطبرانی فی المعجم الکبیرعن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اعطی الذلۃ من نفسہ طائعا غیرمکرہ فلیس منا[2] ۱۲منہ غفرلہ (م)

عـــہ۲ ظھرلی ھذا ثم رأیت العلامۃ الشرنبلالی اشار الی ھذا الفرق کمایاتی اٰنفا فی عبارات القول الثالث ۱۲ منہ غفرلہ (م)

[1] غنیۃ المستملی باب التیمم مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۹

[2] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی ۱۰/ ۲۴۸ الترغیب والترہیب بحوالہ طبرانی ۴/ ۱۷۹

اقول: لیس (۱) کمثلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غیرہ فی شیئ من الصفات ومنھا الغیرۃ فھو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اغیر خلق اللہ واللہ تعالٰی اغیر منہ ومحال من نفس کریمۃ غیراء ان تتعرض لشیئ ممایعد ذلافثبت ان من سؤال الحاجۃ مالیس بذل والالماوقع منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولادخل (۲) فی ھذا لافتراض البذل وعدمہ وقد یفترض (۳) فی حق غیرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایضاً کاطعام (۴) ذی مخمصۃ فھذا قد ینتفع بہ لمافی المبسوط۔

وانا اقول: انما (۵) الجواب فی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اولی بالمؤمنین من انفسھم علی منزع اٰخر دقیق وھو ان (۶) املاکھم املاکہ اذھم انفسھم املاکہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولااحتمال لذل فی سؤال المولٰی بعض عبیدہ ممافی یدہ فانہ وما

اپنی ضرورت کی کچھ چیزیں دوسرے سے مانگیں قابل استدراک ہے اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ اختیار ہے تو حضور پر کسی اور کا قیاس نہیں ہوسکتا اس لئے کہ وہ جب طلب کریں تو جس سے طلب فرمایا اس پر دینا فرض ہوگیا۔ یہ حال کسی اور کا نہیں اھ (ت)

اقول: کسی بھی صفت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مثل دوسرا شخص نہیں۔ حضور کی ایک صفت "غیرت" بھی ہے تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خلقِ خدا میں سب سے زیادہ غیرت مند ہیں اور خدائے برتران سے بڑھ کر غیرت والا ہے، اور کسی بھی باعزّت طبیعت سے یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی ایسے فعل سے تعرض کرے جو ذلّت شمار ہوتا ہو۔ اس سے ثابت ہُوا کہ ضرورت کی چیز مانگنا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جس کا ذلّت میں شمار نہیں ہوتا ورنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے واقع ہی نہ ہوتا ــــ اور اس میں دینا فرض ہونے نہ ہونے کا کوئی دخل نہیں فرض تو کبھی غیر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق میں بھی ہوجاتا ہے، جیسے بھُوک کی شدّت والے کو کھانا دینا اس گفتگو سے کلام مبسوط کی حمایت میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ (ت)

اور **میں کہتا ہوں** (اس بات کا جواب کہ "حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مومنوں کے ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہیں" ایک دوسرے دقیق انداز پر ہے۔ وہ یہ کہ مومنوں کی ملکیتیں خود حضور کی مِلک ہیں اس لئے کہ خود مومنین کی جانیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مِلک ہیں اور اس میں کسی ذلّت کا احتمال نہیں کہ آقا اپنے غلام سے اس کے ہاتھ کی کوئی چیز طلب کرے اس لئے کہ خود غلام اور جو کچھ

فی یدہ ملك مولاہ فلیس من السؤال فی شیئ بل استخدام فبھذا یتجه مرامه ویتضح کلامه ثم قال لکن عدم وجوب الطلب من الرفیق نسبه صاحب الھدایة وصاحب الایضاح الی ابی حنیفة کماتقدم واماشمس الائمة فی المبسوط فانه نسبه الی الحسن بن زیاد فانه یقول السؤال ذل وفیه بعض الحرج وربمایوفق بان الحسن رواہ عن ابی حنیفة فی غیرظاھرالروایة واخذھوبه فاعتمد فی المبسوط ظاھرالروایة واعتبرصاحب الھدایة والایضاح روایة الحسن لکونھا انسب بمذھب ابی حنیفة فی عدم اعتبار القدرة بالغیروفی اعتبار العجز للحال واللہ سبحنه تعالٰی اعلم [1] اھ۔	اس کے ہاتھ میں ہے سب اس کے آقا کی ملکیت ہے تو دراصل یہ مانگنا ہے ہی نہیں بلکہ یہ خدمت لینا ہے۔اس بیان سے صاحبِ غنیہ کے مقصد کی توجیہ اور ان کے کلام کی توضیح ہو جاتی ہے۔پھر لکھتے ہیں: "لیکن رفیق سے مانگنا واجب نہ ہونے کو صاحبِ ہدایہ اور صاحبِ ایضاح نے امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔لیکن شمس الائمہ نے مبسوط میں اسے حسن بن زیاد کی طرف منسوب کیا ہے کہ وہی یہ کہتے ہیں کہ مانگنے میں ذلّت ہے اور اس میں کچھ حرج ہے تطبیق یُوں دی جاسکتی ہے کہ حسن نے اسے امام ابو حنیفہ سے غیر ظاہر الروایۃ میں روایت کیااور خود حسن نے اسی کو لیا۔تو مبسوط میں ظاہر الروایۃ پر اعتماد کیااور صاحبِ ہدایہ وصاحبِ ایضاح نے روایت حسن کا اعتبار کیا اس لئے کہ وہ اس بارے میں امام ابو حنیفہ کے مذہب سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے کہ قدرت کا اعتبار دوسرے کے لحاظ سے نہیں ہوتا اور اس بارے میں کہ فی الحال جو عجز ہے اسی کا اعتبار ہے۔اور خدائے پاک ہی خُوب جاننے والا ہے اھ (ت)

اقول: ولی(۱) فیه کلام سیاتی (اس میں مجھے کلام ہے جو عنقریب آرہا ہے۔ت) حلیہ میں ہے:

فی الاختیار جاز(ای التیمم قبل الطلب)عند ابی حنیفة وعند ابی یوسف لایجوز ولم یذکر عہ محمدا وانما ذکران قیاس قوله	اختیار میں ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک (مانگنے سے پہلے تیمّم) جائز ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز نہیں۔امام محمد کا ذکر نہ کیا صرف یہ ذکر کیا کہ ان کے

عہ ای صاحب الاختیار	(یعنی صاحبِ اختیار نے ۱۲۔ت)

[1] غنیۃ المستملی باب التیمم مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۹

ان غلب علی ظنه انه یعطیه لایجوز والا یجوز [1] اھ

قول کے قیاس کا اقتضایہ ہے کہ اگر اسے غالب گمان ہو کہ دے دے گا تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے اھ (ت)

اقول: ھکذاجری القیل والقال* ولاحاجة الی استکثار الاقوال* بل نأتی علی المقامین لفصل المقال* بتوفیق ربنا المھیمن المتعال*

اقول: اسی طرح قیل و قال جاری ہے۔اور زیادہ اقوال لانے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ہم اپنے برتر نگہبان پروردگار کی توفیق سے تفصیل کلام کیلئے اُن دو۲ مقاموں پر آتے ہیں:

المقام الاول: تظافرت ھھنا کلمات العلماء علٰی ثلٰثة مسالک:

مقامِ اوّل: یہاں کلماتِ علماء تین مسالک پر کثرت سے وارد ہوئے ہیں:

اولھا: لایجب الطلب مطلقا وانه قول سیدنا الامام خلافا لصاحبیه اوقول الطرفین خلافا للثانی رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

مسلک اوّل: مطلقًا مانگنا واجب نہیں۔اور یہ ہمارے امام صاحب کا قول ہے۔بخلاف صاحبین۔یا یہ طرفین کا قول ہے۔بخلاف امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

ودخل فی قولی مطلقا من صرح بالاطلاق کما فی جامع الرموز عن التجرید یصح قبل الطلب من الرفیق وان ظن الاعطاء کما قال ابوحنیفة خلافا لابی یوسف [2] اھ۔

میرے "مطلقًا" کہنے میں اطلاق کی تصریح کرنے والے اور اس حکم کو بلاقید ذکر کرنے والے سبھی لوگ داخل ہیں۔اطلاق کی تصریح جیسے جامع الرموز میں تجرید کے حوالہ سے ہے کہ رفیق سے پانی مانگنے سے پہلے تیمّم صحیح ہے اگرچہ دینے کا گمان رکھتا ہو جیسا کہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔بخلاف امام ابویوسف"۔اھ

ویقرب منه قول الاختیار المار حیث اطلق الجواز عند الامام وقابله بالتفصیل علی قیاس قول محمد ومثلھا عبارة الجوھرة الاٰتیة ومن

اس سے قریب "اختیار" کی گزشتہ عبارت ہے کہ اس میں امام صاحب کے جواز کو مطلق ذکر کیا ہے اور اس کے مقابلہ میں قول امام محمد کے قیاس پر تفصیل بیان کی ہے اور اسی کے مثل جوہرہ کی عبارت ہے جو آرہی ہے

[1] الاختیار لتعلیل المختار، باب التیمم، دارفراس للنشر والتوزیع بیروت ۲۲/۱
[2] جامع الرموز باب التیمم مطبع ایران ۷۵/۱

ارسلوا ارسالا وھم الاکثرون ففی الوقایۃ قبل طلبہ جاز خلافالھما[1] اھ وفی النقایۃ یصح قبل الطلب[2] اھ ومرعن الھدایۃ تیمم قبل الطلب اجزأہ عندا بیحنیفۃ[3]، وفی بدائع ملك العلماء لوکان مع رفیقہ ماء ولم یعلم بہ لایجب الطلب عندنا وان علم بہ ولکن لاثمن لہ فکذلك عندا بی حنیفۃ وقال ابویوسف علیہ السؤال وجہ قولہ ان الماء مبذول عادۃ ولابی حنیفۃ ان العجز متحقق والقدرۃ موھومۃ لان الماء من اعزالاشیاء فی السفر[4] اھ

وفی الخانیۃ لورأی مع رفیقہ ماء فتیمم قبل ان یسأل وصلی جاز[5] اھ وفی الخلاصۃ وفی الاصل لوکان مع رفیقہ ماء فانہ یسأل قال فی التجرید السؤال لیس بواجب عندابی حنیفۃ وقال ابویوسف واجب[6] اھ ولفظ البنایۃ عن التجرید لایجب الطلب من الرفیق عندابی حنیفۃ و

بلاقید ذکر کرنے والے حضرات زیادہ ہیں۔وقایہ میں ہے: "مانگنے سے پہلے جائز ہے بخلاف صاحبین اھ"۔نقایہ میں ہے: "قبل طلب صحیح ہے"اھ۔اور ہدایہ کی عبارت گزر چکی: "مانگنے سے پہلے تیمّم کیاتوامام ابوحنیفہ کے نزدیک ہوگیا"۔ بدائع ملک العلماء میں ہے: "اگراس کے رفیق سفر کے پاس پانی تھا اور اسے علم نہ ہوا تو ہمارے نزدیک مانگنا واجب نہیں اور اگراسے علم ہوا لیکن اس کا دام نہیں رکھتا تو بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہی ہے اور امام ابویوسف کا قول ہے کہ اس پر مانگنا ہے۔ان کے قول کی وجہ یہ ہے کہ پانی عادۃً دے دیا جاتا ہے اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ عجز متحقق ہے اور قدرت موہوم ہے اس لئے کہ سفر میں پانی سب سے کم یاب شَے ہے اھ۔

خانیہ میں ہے: "اگر اپنے رفیق کے پاس پانی دیکھا پھر مانگنے سے پہلے تیمّم کیا اور نماز پڑھ لی تو جائز ہے"اھ خلاصہ میں ہے: "اصل (مبسوط) میں ہے: اگر رفیق سفر کے پاس پانی ہو تو مانگے گا۔ تجرید میں ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مانگنا واجب نہیں اور امام ابویوسف کا

[1] شرح الوقایہ باب التیمم مطبع رشیدیہ دہلی ۱/۱۰۱
[2] نقایہ مختصر الوقایہ کتاب الطہارۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ٦
[3] الہدایۃ مع العینی کتاب الطہارۃ المکتبۃ الامدادیہ مکہ مکرمہ ۱/۳۳۷
[4] بدائع الصنائع کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۴۸
[5] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما یجوز لہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۲٦
[6] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس فی التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۲

محمد خلافا لابی یوسف رحمهم الله تعالٰی [1] اھ وفی ملتقی الابحر ان تیمم قبل الطلب اجزأه [2] اھ وفی الاصلاح ویصح قبل طلبه من رفیق له ماء خلافا لهما [3] اھ قال ش وبقول الامام جزم فی المجمع والملتقی والوقایة وابن الکمال اھ وقال العلامة الوزیر فی الایضاح هذا علی وفق مافی الهدایة والایضاح والتقریب وغیرها (ای کشرح الاقطع کما تقدم عن العنایة والبنایة والبحر قال) وفی التجرید ذکر محمدا مع ابی حنیفة [4] اھ ثم ذکر توفیق الجصاص ثم کلام المبسوط المار فی عبارة العنایة والبحر ثم اعقبه بکلام البدائع المار۔

اقول: (۱) وبهذه النصوص ظهر مافی قول النهایة لم یذکر الخلاف الا فی الایضاح وکذلك یقال للعلامة البحر هٰؤلاء المتون والعمائد البدایة و الوقایة والاصلاح والمجمع والتجرید والایضاح والتقریب و

قول ہے کہ واجب ہے"اھ

تجرید کا حوالہ دیتے ہُوئے بنایہ کے الفاظ یہ ہیں: "رفیق سے مانگنا امام ابوحنیفہ وامام محمد کے نزدیک واجب نہیں بخلاف امام ابویوسف۔ رحمہم اللہ تعالٰی اھ۔ ملتقی الابحر میں ہے: "اگر مانگنے سے پہلے تیمّم کرلیا تو ہوگیا"اھ۔ اصلاح میں ہے: "اپنے کسی رفیق سے پانی مانگنے سے پہلے تیمّم کرلینا صحیح ہے بخلاف صاحبین"اھ۔ علّامہ شامی لکھتے ہیں: "امام صاحب ہی کے قول پر مجمع، ملتقی، وقایہ اور ابن الکمال کا جزم ہے"اھ علامہ وزیر ایضاح میں رقمطراز ہیں: "یہ اس کے مطابق ہے جو ہدایہ، ایضاح، تقریب اور ان کے علاوہ (یعنی جیسے شرح اقطع جیسا کہ عنایہ، بنایہ اور بحر کے حوالوں سے گزرا) میں ہے۔ اور تجرید میں امام محمد کو امام ابوحنیفہ کے ساتھ ذکر کیا ہے"اھ پھر امام جصاص کی تطبیق ذکر کی ہے پھر مبسوط کا کلام جو عنایہ وبحر کی عبارتوں میں گزرا اس کے بعد بدائع کی عبارت لکھی ہے جو ابھی گزری۔ (ت)

اقول: ان ہی نصوص سے نہایہ کے اس قول کی خامی ظاہر ہوگئی کہ "صرف ایضاح میں اختلاف کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح علامہ بحر سے بھی عرض کیا جائے گا کہ یہ متون وعمائد بدایہ، وقایہ، اصلاح، مجمع، تجرید، ایضاح، تقریب،

---

[1] عینی شرح الہدایۃ باب التیمم مطبع المکتبۃ الامدادیہ مکہ مکرمہ ۱/ ۳۳۷

[2] ملتقی الابحر باب التیمم مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱/ ۳۲

[3] اصلاح ایضاح

[4] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۸۳

شرح الاقطع والبدائع والخلاصۃ والفتح والاختیار والجوھرۃ کلھم ناصون بالخلاف بین الامام وصاحبیه والامام الاجل ابوبکر الجصاص یوفق بین قول الامام وصاحبیه وقال فی البرھان شرح مواھب الرحمٰن الاظھر قولھما ثم ذکر توفیق الجصاص وایدہ بقوله ولھذا لم یحك الکافی خلافا[1] اھ نقله العلامة الشرنبلالی فی غنیة ذوی الاحکام کیف یرد قولھم جمیعا بمجرد ان فی المبسوط لم ینسب الخلاف الا الی الحسن الیس المثبتون وھم عصبة مقدمین علی ناف واحد الیس ان ظاھر (۱) الروایة ربما (۲) تتعدد فی مسألة واحدۃ وقولی ھذا اولی من توفیق الغنیة المار فی عبارتھا ان ھؤلاء اعتبروا الروایة النادرۃ لکونھا انسب بمذھب الامام فاعتبارھا لھذا شیئ وجعلھا قول الامام ونصب الخلاف بینه وبین صاحبیه فی المذھب شیئ اُخروان(۳) اقرہ فی ردالمحتار ومنحة الخالق واللہ سبحٰنه الموفق۔

شرح اقطع، بدائع، خلاصہ، فتح، اختیار، جوہرہ سب کے سب اس پر نص کررہے ہیں کہ امام اعظم اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔ اور امام اجل ابوبکر جصاص امام صاحب اور صاحبین کے قول میں تطبیق دے رہے۔ اور برہان شرح مواہب الرحمٰن میں فرمایا: زیادہ ظاہر قولِ صاحبین ہے، پھر جصاص کی تطبیق ذکر کی ہے اور اپنے اس قول سے اس کی تائید کی ہے کہ اسی لئے "کافی" نے کسی اختلاف کی حکایت نہ کی اھ، اسے علامہ شرنبلالی نے غنیۃ ذوی الاحکام میں نقل کیا۔ ان تمام حضرات کا قول صرف اس وجہ سے کیسے رد کردیا جائے گا کہ "مبسوط نے محض حسن کی طرف اختلاف کی نسبت کی ہے" کیا اثبات کرنے والے جبکہ وہ طاقتور بھی ہیں ایک نفی کرنے والے پر مقدم نہیں؟ کیا ایسا نہیں کہ بارہا ایک مسئلہ میں ظاہر الروایۃ متعدد بھی ہوتی ہے۔ میرا یہ قول (تعدد ظاہر الروایۃ) غنیہ کی اس تطبیق سے بہتر ہے جو اس کی عبارت میں گزری کہ "ان حضرات نے روایت نادرہ کا اعتبار کیا اس لئے کہ وہ مذہب امام سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے"۔ اس وجہ سے اس کا اعتبار کرنا اور چیز ہے۔ اور اسے امام کا قول قرار دینا اور ان کے اور صاحبین کے درمیان مذہب میں اختلاف قائم کرنا اور چیز ہے۔ اگرچہ غنیہ کی تطبیق کو علامہ شامی نے بھی ردالمحتار اور منحۃ الخالق میں برقرار رکھا ہے، اور خدائے پاک ہی توفیق بخشنے والا ہے۔ (ت)

وثانیھا: یجب مطلقا وانه ظاھر الروایة عن ائمتنا الثلثة رضی اللہ تعالٰی عنھم وذلك مامر عن المبسوط

مسلک دوم: مانگنا مطلقًا واجب ہے اور یہ کہ یہ ہمارے تینوں ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ظاہر الروایۃ ہے۔ اور یہی وہ ہے جو مبسوط کے حوالہ سے

[1] غنیۃ المستملی باب التیمم مطبع احمد کامل الکائنۃ فی دار السعادۃ ۱/۳۲

واعتمدہ تبعا لشیخه فی التنویر فقال قبل طلبه لاتیمم علی الظاهر اھ قال فی المدرای ظاهر الروایة عن اصحابنا لانه مبذول عادة وعلیه الفتوٰی[1] اھ۔

گزرا۔اور تنویر میں اپنے شیخ کا اتباع کرتے ہوئے اسی پر اعتماد کیا تو یہ لکھا کہ "اس سے مانگنے سے پہلے ظاہر کی بنیاد پر تیمم نہیں کرے گا"اھ۔درمختار میں فرمایا: "ظاہر سے مراد ہمارے اصحاب سے ظاہر الروایہ،اس لئے کہ پانی عادۃً دیا جاتا ہے اور اسی پر فتوٰی ہے"اھ (ت)

اقول: ولم ارھذہ اللفظة لغیرہ ولاعزاہ محشوہ لاحد وفی التبیین لوعلم به خارج الصلاة وصلی بالتیمم قبل الطلب لایجزئه[2] اھ ثم ذکر روایة الحسن ثم توفیق الجصاص،و فی جواھر الاخلاطی مع رفیقه ماء وشرع فی الصلاة قبل الطلب لایجوز وقیل یجوز علی قیاس قول الامام خلافا للقاضی[3] اھ۔

اقول: یہ لفظ میں نے کسی اور کے یہاں نہ دیکھا،اور نہ ہی درمختار کے محشٰی حضرات نے اس پر کسی کا حوالہ دیا۔ تبیین میں ہے: اگر خارج نماز اسے اس کا علم ہوگیا پھر بھی مانگنے سے پہلے تیمّم سے نماز پڑھ لی تو یہ اس کیلئے کفایت نہیں کرسکتا"اھ۔پھر انہوں نے حسن کی روایت اور جصاص کی تطبیق ذکر کی۔

جواہر الاخلاطی میں ہے: "اس کے رفیق کے پاس پانی ہے اور مانگنے سے پہلے نماز شروع کردی تو جائز نہیں اور کہا گیا کہ قول امام کے قیاس پر جائز ہے بخلاف قاضی کے۔اھ (ت)

اقول: وھنا عبارات اُخر لیست صرائح کماتقدم عن الخلاصة عن الاصل انه یسأل فان (۱) الصیغة وان کان ظاھرھا الوجوب کثیرا ماتأتی للندب کمالایخفی علی من خدم کلماتھم ویقرب منه قول القدوری ان کان مع رفیقه ماء طلب منه قبل ان یتیمم فان منعه منه تیمم[4] اھ والسراجیة

اقول: یہاں کچھ اور عبارتیں بھی ہیں جو صریح نہیں جیسے خلاصہ سے بحوالہ اصل گزرا کہ "وہ مانگے گا"اس لئے کہ صیغہ خبر اگرچہ وجوب میں ظاہر ہے لیکن ندب واستحباب کے لئے بھی کثرت سے آتا ہے جیسا کہ کلمات علماء کے خدمت گزاروں پر مخفی نہیں۔اس سے قریب یہ عبارتیں بھی ہیں (۱) اگر اس کے رفیق کے پاس پانی ہو تو تیمّم کرنے سے پہلے اس سے

[1] درمختار، باب التیمم ، مطبع دہلی، ۱/۴۴
[2] تبیین الحقائق باب التیمم مطبع الازہریہ مصر ۱/۴۴
[3] جواہر الاخلاطی فصل فی التیمم (قلمی نسخہ) ۱/۱۳
[4] قدوری باب التیمم مطبع کان پور ص ۱۲

اذاوجد مع رفیقه ماء فانه یسأله فان لم یعطه تیمم وصلی [1] اھ،والکنز یطلبه من رفیقه فان منعه تیمم [2]اھ کیف وقد قال مثله فی الملتقی واعتمد مذهب الامام وهذا نصه ان کان مع رفیقه ماء طلبه وان منعه تیمم وان تیمم قبل الطلب اجزأه [3] اھ۔	طلب کرے اگر نہ دے تو تیمّم کرے"اھ قدوری۔(۲) "اپنے رفیق کے پاس پانی پائے تو اس سے مانگے اگر نہ دے تو تیمّم کرے اور نماز پڑھے"اھ سراجیہ۔(۳) "اپنے رفیق سے پانی طلب کرے اگر نہ دے تو تیمّم کرے"اھ کنزالدقائق۔یہ صیغہ ہاں وجوب کیلئے کیسے ہوسکتا ہے جب کہ ملتقی میں بھی اسی کے مثل فرمایا پھر بھی ان کا اعتماد مذہب امام پر ہے،ان کی عبارت یہ ہے: "اگر اس کے رفیق کے پاس پانی ہو تو اس سے طلب کرے،اگر نہ دے تو تیمّم کرے اور اگر مانگنے سے پہلے تیمّم کرلیا تو بھی ہوگیا"۔اھ (ت)
تنبیه: قولی ههنا یجب مطلقا المراد به انهم ذکروها مرسلة ولم یقیدوها بمایاتی فی القول الثالث اذ هذا هو الواقع فی کلام المبسوط واتباعه نعم حمله الامام صدر الشریعة علی صریح التعمیم کماسیاتی فی ذکر قانونه مع تضعیفه ان شاء الله تعالٰی ویقرب منه مامرعن الغنیة من حمل کل من قولی الامام وصاحبیه علی التعمیم حتی تأتی له التلفیق وقد تقدم انه لیس بتحقیق۔	**تنبیہ:** میرے "مطلقًا واجب" کہنے سے مراد یہ ہے کہ علما نے اسے مرسل ذکر کیا ہے اور وہ قید نہیں لگائی ہے جو تیسرے قول میں آرہی ہے۔اس لئے کہ مبسوط اور اس کے اتباع کے کلام میں یہی صورت واقع ہے (یعنی ارسال ہے تقیید نہیں)۔ہاں امام صدر الشریعۃ نے اسے صریح تعمیم پر محمول کیا ہے جیساکہ ان کے قانون کے ذکر میں تضعیف کے ساتھ اس کا ذکر آرہا ہے اِن شاء اللہ تعالٰی۔اور اس سے قریب وہ بھی ہے جو غنیہ سے گزرا کہ انہوں نے امام اور صاحبین کے دونوں قولوں کو تعمیم پر رکھا یہاں تک کہ ان کیلئے تلفیق کی گنجائش نکل آئی وہاں گزر چکا کہ یہ تحقیق نہیں۔(ت)
وثالثها: ادارة الامر علی ظنه فان ظن العطاء وجب الطلب ولم یجز	**مسلک سوم:** معاملہ اس کے گمان پر دائر رکھنا کہ اگر اسے دینے کا گمان ہو تو مانگنا واجب ہے

[1] فتاوٰی سراجیہ باب التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۱۲

[2] کنزالدقائق مع التبیین باب التیمم المطبعۃ الازہریہ بولاق مصر ۱/۴۴

[3] ملتقی الابحر مع مجمع الانہر باب التیمم داراحیاء التراث العربی ۱/۴۴

التیمم قبله تقدم فیه نص النهایة وستأتی نصوص البحر المحیط والمنیة والخزانة والبرجندی وفی الخانیة وخزانة المفتین رأی مع رفیقه ماء ان کان غالب ظنه انه یطیه لایجوزله ان یتیمم بل یسأله[1] اھ وفی الکافی مع رفیقه ماء وظن انه ان سأله اعطاہ لم یجز التیمم وان کان عندہ انه لایعطیه تیمم وان شك وتیمم وصلی فسأل فاعطی یعید[2] اھ وفی الهندیه بعد نقله وهکذا فی شرح الزیادات للعتابی[3] اھ.وفی البرجندی نقل عن القاضی الامام ابی زید رحمه الله تعالٰی انه یجب الطلب فی موضع لایعز الماء فیه لافی موضع یعز[4] اھ.وفی المنیة وشرح مسکین للکنز وعن ابی نصر الصفار رحمه الله تعالٰی اذاکان فی موضع یعز فیه الماء فالافضل ان یسأل من رفیقه وان لم یسأل اجزأہ فان کان فی موضع لایعز الماء فیه لایجزئه قبل الطلب[5] اھ زاد فی المنیة کمافی عمرانات[6]۔ واعتمدہ الشرنبلالی فی متنه وشرحه فقال یجب طلبه ممن هو معه

اور اس سے پہلے تیمّم جائز نہیں۔اس بارے میں نہایہ کی عبارت گزرچکی اور بحر محیط،منیہ،خزانہ اور برجندی کی عبارتیں آرہی ہیں۔خانیہ اور خزانۃ المفتین میں ہے: "اپنے رفیق کے پاس پانی دیکھا اور گمان کیا کہ اگر اس سے مانگے تو دے دے گا تو تیمّم جائز نہیں بلکہ اس سے طلب کرے" اھ اور کافی میں ہے اگر اس کے رفیق کے پاس پانی ہو اور اسے گمان ہو کہ اگر طلب کرے تو دے دے گا تو تیمّم جائز نہیں اور اگر اس کے گمان میں یہ ہو کہ نہیں دے گا تو تیمّم کرے اور اگر شک رکھتا ہو اور تیمّم کرکے نماز پڑھ لے پھر مانگے اور وہ دے دے تو اعادہ کرے" اھ ہندیہ میں مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "اسی طرح عتابی کی شرح زیادات میں ہے" اھ۔برجندی میں قاضی امام ابوزید رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل ہے کہ "مانگنا ایسی جگہ واجب ہے جہاں پانی کمیاب نہ ہو ایسی جگہ نہیں جہاں کمیاب ہو" اھ۔منیہ اور شرح مسکین للکنز میں ہے کہ ابو نصر صفار سے ہے کہ جب ایسی جگہ ہو جہاں پانی کم یاب ہو تو بہتر یہ ہے کہ اپنے رفیق سے طلب کرے اور اگر طلب نہ کیا تو یہ اس کو کفایت کرے گا اور اگر وہ ایسی جگہ ہو جہاں پانی کمیاب نہیں ہوتا تو طلب سے پہلے اسے کفایت نہیں کرے گا اھ منیہ میں یہ اضافہ کیا:

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما یجوزلہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۲۶
[2] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الکافی الفصل الاول من التیمم مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۹
[3] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الکافی الفصل الاول من التیمم مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۹
[4] شرح النقایۃ للبرجندی فصل فی التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۴۸
[5] شرح مسکین للکنز علٰی حاشیۃ فتح المعین فصل فی التیمم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۷
[6] منیۃ المصلی فصل فی التیمم مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ۵۰

لانہ مبذول عادۃ فلاذل فی طلبہ انکان فی محل لاتشح بہ النفوس[1] اھ ومنھا العبارات التی قدمنا فی المسألۃ الثالثۃ والرابعۃ عن الزیادات ومحیط السرخسی والخانیۃ والخلاصۃ والبزازیۃ وصدر الشریعۃ والبحر والھندیۃ تصریحا وجامع الکرخی والبدائع والحلیۃ مفھوما من الامر بقطع الصلاۃ عندظن الاعطاء فانہ یوجب الوجوب اذ لولاہ عـہ لماحل القطع ویقابلھا اطلاق نص الخانیۃ وخزانۃ المفتین شرع بالتیمم ثم جاء انسان معہ ماء فانہ یمضی فی صلاتہ[2] اھ

اقول: وقدعلمت انھم یرمون عن قوس واحدۃ وھو وجوب الطلب فی مظنۃ الاعطاء لا غیرھا وانما نشأ الخلاف من الاختلاف فی ان الماء ھل ھو مبذول عادۃ فی السفر کالحضر اولا فمن قال نعم قال یجب مطلقا ومن قال لاقال لاومن فصل فصل فلم یبق فی الوصول

"جیسے آبادیوں میں" اھ۔اور شرنبلالی نے اپنے متن وشرح میں اسی پر اعتماد کرتے ہوئے فرمایا: "اسے اپنے ساتھی سے مانگنا واجب ہے اس لئے کہ پانی عادۃً دیا جاتا ہے تو اسے مانگنے میں کوئی ذلت نہیں اگر ایسی جگہ ہو جہاں پانی کے معاملہ میں طبیعتوں میں بخل نہیں پایا جاتا"۔اھ ان ہی میں سے وہ عبارتیں بھی ہیں جو پہلے ہم نے تیسرے اور چوتھے مسئلہ میں زیادات، محیط سرخسی، خانیہ، خلاصہ ،بزازیہ، صدر الشریعۃ، بحر اور ہندیہ کے حوالوں سے صراحۃً اور جامع کرخی، بدائع اور حلیہ کے حوالوں سے مفہومًا بیان کیں کہ ظنِّ عطاکے وقت نماز توڑنے کا حکم ہے،اس لئے کہ یہ حکم مانگنے کا وجوب لازم کرتا ہے کیونکہ اگر وجوب نہ ہوتا تو نماز توڑنا جائز نہ ہوتا۔ان عبارتوں کے مقابلہ میں خانیہ اور خزانۃ المفتین کی یہ عبارت ہے: "تیمّم سے نماز شروع کی پھر کوئی آدمی آیا جس کے پاس پانی ہے تو وہ نماز پڑھتا رہے" اھ (ت)

اقول: معلوم ہوچکا کہ سبھی حضرات ایک ہی کمان سے تیر چلارہے ہیں۔وہ یہ ظنِ عطا کی جگہ مانگنا واجب ہے دوسری جگہ نہیں۔خلاف صرف اس بارے میں اختلاف سے پیدا ہُوا کہ کیا پانی سفر میں بھی حضر کی طرح عادۃً لیا دیا جاتا ہے یا ایسا نہیں؟ جنہوں نے کہا ہاں، وہ مطلقًا وجوب کے قائل ہوئے۔اور جنہوں نے کہا نہیں، وہ وجوب کے قائل نہیں، اور

عـہ کما یستفاد ماقدمنا عن تقریر وجوب القطع فی المسألۃ الثالثۃ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

جیسا کہ وجوب قطع کی اس تقریر سے مستفاد ہوتا ہے جو ہم نے مسئلہ سوم میں پیش کی ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی مطبعۃ الازہریۃ مصر ص ۷۱

[2] فتاوٰی خانیہ فصل فیما یجوزلہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۲۷

الی الصواب الا انحلال عقدۃ ھذا المبنی فاما المفصلون فقد اعتمدوا المظان وھی الجادۃ الواضحۃ واما المثبتون فنظروا الی حال الحضر والسفر فی منازل ذات مناھل وماء الشرب واما النافون فالی حال السفر فی منازل قلیلۃ المیاہ وماء الطھر۔

جنھوں نے اُس میں تفصیل کی،اس میں بھی تفصیل کی تو صواب ودرستی تک رسائی کی راہ میں صرف اس مبنی کی گرہ کشائی حاصل رہی۔ تفصیل کرنے والوں نے ظن کی جگہوں پر اعتماد کیا۔یہ صاف راستہ ہے۔اور اثبات کرنے والوں نے حضر اور پنگھٹ اور پینے کے پانی والی جگہوں میں سفر کی حالت پر نظر کی۔اور نفی کرنے والوں نے کم پانی والی اور آبِ طہارت کی قلّت والی جگہوں میں سفر کی حالت پر نظر کی۔(ت)

وانا اقول: وباللہ التوفیق انما(۱) المبذول عادۃ ماء الشرب لاسیما فی الحضر واما(۲) ماء الطھر خصوصا الغسل فکثیر من الناس یضنون بہ فی الحضر علی الاجانب حذاران ینفدما عندھم فیتحرجوا الٰی ان یاتی السقاء اویحتاجوا الی کلفۃ الاستقاء بل ان کان احدھم علی رأس رکیۃ وسأله غریب اوعابر سبیل ماعندہ من الماء للغسل بل للوضوء یقول امالك یدان الست علی البئر فکیف بالسفر۔

اور **میں کہتا ہوں**: اور خدا ہی سے توفیق ہے۔جو عادۃً دیا جاتا ہے وہ صرف پینے کا پانی ہے، خصوصًا حضر میں رہا طہارت خصوصًا غسل کا پانی تو اس میں بہت سے لوگ حضر میں بھی اجنبی لوگوں پر بخل کرتے ہیں اس اندیشہ سے کہ ان کا پانی ختم ہوجائے گا تو انہیں بہشتی کے آنے تک زحمت ومشقت ہوگی یا خود پانی کھینچنے کی زحمت اٹھانے کی ضرورت ہوگی بلکہ اگر کوئی شخص کسی کنویں ہی پر ہو اور اس سے کوئی مسافر یا راہ گیر اس کا پانی غسل بلکہ وضو کیلئے بھی مانگے تو وہ کہے گا کیا تمہارے پاس ہاتھ نہیں؟ کیا تمہارے سامنے کنواں نہیں؟ یہ تو حضر کا حال ہے پھر سفر کا کیا حال ہوگا؟ (ت)

ثمّ (۳)لایحل التیمم الا اذا بعد الماء میلا ونعلم قطعا ان المقیم فی مصرہ یتحفظ علی الماء تحفظه علی الطعام اذا بعد الماء عنه بھذا القدر فکیف بمن فی السفر فالغالب ھی الضنۃ وما

پھر یہ دیکھئے کہ تیمّم کا جواز کب ہوتا ہے؟ جب پانی ایک میل دُوری پر ہو اور یہ ہمیں قطعًا معلوم ہے کہ جب پانی اس قدر دُور ہوگا تو مقیم اپنے شہر میں پانی کی ویسے ہی حفاظت رکھے گا جیسے کھانے کی حفاظت رکھتا ہے پھر اس کا کیا ہوگا جو سفر میں

لکونه مبذولا فیه من مظنة الافی خصوص صور(۱) عدیدة کأن(۱) یکون من له الماء ولم هذا او(۲) شقیقه او(۳) صدیقه او(۴) اجیره او(۵) رعیته او(۶) یهاً به او(۷) له فیه طمع یریده او(۸) یعلم هذا ان الرجل غیر شحیح و لالئیم ولامناوٍ له وان عنده من الماء ماان اعطانی منه فضل له مایبلغه المنزل وافیاً بحاجاته من دون تقصیرولاتقتیراو(۹) یکون هذا مریضاً مقعدا اشل مثلا وھو علی رأس البئر او(۱۰) یعلم انه کریم النفس یستحیی ان یرد السائل لاسیما انکان ممن یؤثرون علی انفسھم ولوکان بھم خصاصة ففی مثل ھذہ الصوریصح له الظن الاعطاء المعتبر فی الشرع وھو اکبر الرأی الملتحق فی العمل بالیقین دون الظن الضعیف الملحق بالشك ولاشك ان ھذہ الصور اقل بکثیرمن غیرھا فکیف یقال ان ماء الطھر مبذول عادة بل مظنون به غالبًا نعم لم تبلغ قلة ھذہ الصورحد ندرة توجب طرحھا عن النظر ونوط الحکم بالمظنة فوجب ادارة الامر علی ظنه وھو اعلم بنفسه فلا(۲) یقید بموضع فیه الماء عزیز اوغزیر فلاشك ان الوجه ھو التفصیل ھذا فی الحکم۔

ہو؟ تو سفر میں زیادہ تر بخل ہی ہوگا۔اور سفر میں پانی کے مبذول ہونے کی کوئی جگہ نہیں مگر چند گنی چنی صورتوں میں مثلًا یہ کہ (۱) پانی کا مالک اس کی اولاد سے ہو، (۲) یا اس کا سگا بھائی ہو (۳) یا دوست ہو، (۴) یا ملازم ہو (۵) یا رعیت ہو (۶) یا اس سے ڈرتا ہو (۷) یا اسے اس سے کوئی طمع ہو جسے وہ بروئے کار لانا چاہتا ہو (۸) یا جانتا ہو کہ یہ آدمی بخیل، پست ہمت اور میرا مخالف نہیں اور اس کے پاس پانی بھی اتنا ہے کہ اگر مجھے اس میں سے دے دے تو اتنا بچ رہے گا جس سے وہ اپنی ضروریات بغیر کوتاہی و کمی کے پُورا کرتا ہوا گھر پہنچ جائے گا (۹) یا یہ اپاہج ہو یا مثلًا ہاتھ شل ہو اور وہ کنویں پر ہے (۱۰) یا جانتا ہو کہ وہ کریم النفس ہے سائل کو رد کرنے سے حیا رکھتا ہے خصوصًا جب کہ ان لوگوں میں سے ہو جو اپنے اوپر دوسرے کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں سخت احتیاج ہی کیوں نہ ہو۔تو ایسی صورتوں میں اس کا ظنِّ عطا جس کا شریعت میں اعتبار ہے درست ہوگا اور یہ غالب گمان ہے جو عمل میں یقین سے ملحق ہے، ضعیف گمان نہیں جو شک میں شامل ہے بلاشبہہ یہ صورتیں دوسری صورتوں سے بہت زیادہ قلیل وکمتر ہیں۔پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ آب طہارت عادةً لیا دیا جاتا ہے۔بلکہ اس میں تو اکثر بُخل ہی ہوتا ہے۔ہاں ان صورتوں کی قلّت حدِّ ندرت تک نہ پہنچی کہ انہیں بالکل نظر انداز کردینا اور حکم کو جائے گمان سے متعلق کرنا لازم ہو تو خود اسی کے گمان پر معاملہ کو دائر رکھنا ضروری ہوا اور وہ خود اپنی حالت زیادہ جانتا ہے تو پانی کے کمیاب

اما التوفیق **فاقول:** وباللّٰہ التوفیق لاغرو فی اطلاق الحکم بالنظر الی الغالب الکثیر* وکم لہ فی الفقہ من نظیر* فکان سیدنا الامام* رضی اللہ تعالٰی عنہ اطلق الحکم بعدم وجوب الطلب* نظرا الماغلب* ورواہ الحسن کماسمع* وتداولتہ المتون والعامۃ کماوقع * وذھب اجتھاد الحسن الی اجزائہ علی اطلاقہ فقال بہ وکذلک ظن بعض ففسروا الاطلاق بالعموم وقلیل ماھم ورواہ الصاحبان عن شیخھما وقد عرفا المراد ففسراہ وقالا بہ فمنھم من نظر الاطلاق عن الامام والتفصیل عنھما فنصب بینھم الخلاف وھو مسلک الھدایۃ و کثیرین ومنھم من نظر المرام وان التفصیل ھو المراد بالاطلاق فصرح بالوفاق اولم یؤم الی خلاف وھو مسلک المبسوط والکافی ومن حکی عنھم فی النھایۃ وھم الاکثرون علی مافیھا، ومنھم من نظر الی جانبی اللفظ والمقصود فاثبت الخلاف لفظا ونفاہ معنی فذھب الی التوفیق وھو مسلک الامام الجصاص وھو التحقیق الناصع ولذا تری الخانیۃ مشی علی کلا القولین جازمًا بہ غیر مؤم الی الخلاف فی شیئ من الموضعین کما نقلنا نصوصھا فی المسلکین الاول و

یا وافر ہونے کی جگہ سے حکم مقید نہ ہوگا۔ تواس میں شک نہ رہا کہ وجہِ صواب تفصیل ہی ہے یہ تو حکم سے متعلق کلام ہوا۔

رہ گئی تطبیق **تو میں کہتا ہوں** اور خدا ہی سے توفیق ہے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ غالب وکثیر پر نظر کرتے ہوئے حکم مطلق بیان کردیا جائے۔ فقہ میں اس کی بہت سی نظیریں ہیں۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے غالب وکثیر پر نظر کرتے ہوئے مانگنے کے عدمِ وجوب کا حکم مطلق بیان فرمایا دیا اور حسن نے اسے جیسا سنا روایت کردیا اور متون وعامہ کتب نے جیسا وقوع میں آیا ویسا ہی پیش کردیا۔ اور حسن کا اجتہاد اس طرف گیا کہ اسے اطلاق ہی پر جاری رکھا جائے تو وہ اسی کے قائل ہُوئے۔ ایسے ہی کچھ اور حضرات کا بھی گمان ہوا تو انہوں نے اطلاق کی تفسیر عموم سے کردی۔ اور ایسے حضرات کم ہی ہیں۔ اور صاحبیننے اپنے شیخ سے مراد سمجھ کر اس کی روایت کی تو انہوں نے اس کی تفسیر کردی اور خود اسی تفسیر کے قائل ہوئے۔ اب بعض حضرات نے امام کے اطلاق اور صاحبین کی تفصیل پر نظر کی اور ان ائمہ کے درمیان اختلاف پیش کردیا۔ یہ صاحب ہدایہ اور بہت سے حضرات کا مسلک ہے۔ اور بعض حضرات نے مقصد پر نظر کی اور یہ دیکھا کہ اطلاق سے بھی مراد تفصیل ہی ہے تو انہوں نے اتفاق کی تصریح کردی یا کسی خلاف کی جانب اشارہ نہ کیا۔ یہ مبسوط، کافی اور ان حضرات کا مسلک ہے جن سے نہایہ میں حکایت کی۔ اور

الثالث وتبعه فی خزانة المفتین کما علمت وکلهم علی الصواب وبعضهم اولٰی به من بعض الاشرذمة (۱)صرحوا بتعمیم عدم الوجوب مع اتفاقهم جمیعا علی وجوب الطلب فی مظنة القرب واخاف ان یکون هذا فی عبارة التجرید المحکیة فی جامع الرموز من قبل القهستانی نقل بالمعنی علی مافهم فان عبارة التجرید التی اثرها امامان جلیلان فی الخلاصة والبنایة کما مرلا اثر فیها لهذا التعمیم والله تعالٰی بکل شیئ علیم ونظیره فی(۲) جانب الایجاب صنیع صدر الشریعة وفی الجانبین صنیع الغنیة والله تعالٰی اعلم۔

تنبیه: جعل فی الحلیة الاقوال اربعة فافرز قول الصفار عن القول بالظن وانت تعلم انه هو[عـہ] فانما اقام المظنة

یہ لوگ اکثر ہیں جیسا کہ نہایہ میں ہے۔
اور بعض حضرات نے الفاظ اور مقصود دونوں جانب نظر کی تو لفظاً اختلاف ثابت کیا اور معنیً اس کی نفی کی تو وہ تطبیق کی راہ پر گئے۔ یہ امام جصاص کا مسلک ہے اور یہی تحقیق خالص ہے۔ اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ خانیہ میں دونوں ہی قول پر جزم کرتے ہوئے اور دونوں جگہوں میں سے کسی خلاف کا اشارہ کئے بغیر چلے ہیں جیسا کہ ہم نے اس کی عبارتیں مسلک اول اور مسلک سوم میں نقل کیں اور خزانۃ المفتین میں ان ہی کی پیروی کی، جیسا کہ معلوم ہوا۔ اور یہ سبھی حضرات درستی پر ہیں اور بعض، بعض سے اولٰی ہیں مگر وہ گنتی کے لوگ جنہوں نے عدمِ وجوب کی تعمیم کی صراحت کی۔ جبکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پانی قریب ہونے کا گمان ہو تو طلب واجب ہے۔ اور میرا اندیشہ یہ ہے کہ یہ بات جامع الرموز میں تجرید کی حکایت کردہ عبارت میں قہستانی کی طرف سے در آئی ہے اس طرح کہ انہوں نے اپنے فہم کے مطابق اسے معنیً نقل کر دیا اس لئے کہ تجرید کی جو عبارت دو ۲ بزرگ اماموں نے خلاصہ وبنایہ میں نقل فرمائی جیسا کہ گزری اس میں اس تعمیم کا کوئی نشان، پتا نہیں اور خدائے برتر ہی ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اسی کی نظیر جانب ایجاب میں صدر الشریعۃ کا طریقہ بھی ہے اور دونوں ہی جانب میں غنیہ کا عمل اور خدائے برتر ہی خُوب جاننے والا ہے۔ (ت) **تنبیہ:** حلیہ میں اقوال چار کر دئے اس طرح کہ صفّار کا قول، قول بالظن سے جُدا شمار کر دیا جبکہ ناظر کو معلوم ہے کہ یہ وہی ہے۔ بس یہ ہے کہ انہوں نے ظن

عـہ **اقول:** سیعلم(۳) من احاط بنصوص مرت وتأتی ان لکلامهم ههنا وجهتین فمنهم من رددبین نفی اثبات صریحا نحوان

اقول: گزشتہ وآئندہ نصوص وعبارات کا احاطہ کرنے والے کو معلوم ہوگا کہ یہاں کلام علما کے دو ۲ رُخ ہیں۔ بعض حضرات نے صراحۃً نفی واثبات کے درمیان (باقی برصفحہ آئندہ)

مقام الظن کمالایخفی وقد قدمته فی حاشیة نمرة۔	کی جگہ مظنہ رکھا ہے جیساکہ مخفی نہیں۔ میں پہلے نمبر ۱۴۴ کے حاشیہ میں بھی اسے بیان کرچکا ہوں۔ (ت)
المقام الثانی : قد تبیناانه ان ظن العطاء وجب الطلب اوالمنع لابقی الشك فاعتری فیه الشك وجاء ت العبارات علی وجهین فی الحاقه باحد	**مقامِ دوم:** یہ واضح ہوچکاکہ اگر دینے کا گمان ہو تو مانگنا واجب ہے اور نہ دینے کا گمان ہو تو واجب نہیں۔ شک کا حکم رہ گیا تو اس میں شک درآیااور اسے ظن عطاو ظن منع کسی ایک سے ملحق کرنے سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ظن العطاء وجب الطلب والالا کالبحر المحیط والاختیار والمبتغی اومفهوما نحوان ظن العطاء لم یجز التیمم کالنهایة والخانیة وخزانة المفتین والخزانة وغیرهم فافادوا الحاق الشك بظن المنع ومنهم من ذکر حکم الظنین واهمل ذکر الشك کالکافی والمنیة والهندیة عن العتابی والزیادات ایضا بتصریح الحلیة وقدبحث فی الحلیة فی هذا القول عن الحاق الشك باحد الظنین جعل الکل محتملا ورجح الالحاق بالمنع ولایخرج قول الامامین الصفار وابی زید عن هذا فلاوجه لعده علیحدة الابالنظر الی تغایر فی اللفظ ۱۲ منه غفرله (م)

تردید کی ہے مثلاً یہ کہ "اگر عطا کا گمان ہو طلب واجب ہے ورنہ نہیں" جیسے بحر، محیط، اختیار اور مبتغی میں ہے۔ یا مفہوماً تردید کی ہے مثلاً یوں کہ "اگر دینے کا گمان ہو تو تیمّم جائز نہیں" جیسے نہایہ، خانیہ، خزانۃ المفتین اور خزانہ وغیرہا میں ہے تو ان حضرات نے شک کو ظن منع سے ملحق کرنے کاافادہ فرمایااور بعض حضرات نے دونوں ظن (ظنِّ عطاو ظنِّ منع) کاحکم بیان کردیااور شک کاذکر چھوڑدیا، جیسے کافی، منیہ اور ہندیہ میں عتابی سے نقل کرتے ہوئے ہےاور حلیہ کی تصریح کے مطابق زیادات میں بھی ہے۔اور حلیہ کے اندراس قول کے تحت شک کو کسی ایک ظن سے لاحق کرنے سے متعلق بحث کی ہے تو محتمل ہر ایک کو رکھااور منع سے لاحق کرنے کو ترجیح دی اور امام صفار وامام ابوزید کا قول اس سے باہر نہیں تواسے علیحدہ شمار کرنے کی کوئی وجہ نہیں سوائے اس کے کہ لفظوں کے اختلاف پر نظر ہو ۱۲منہ غفرلہ۔(ت)

الظنین۔

احدھما: قال صدرالشریعۃوفی الزیادات اذاکان خارج الصلاۃولم یطلب وتیمم لایحل لہ الشروع بالشك فان القدرۃ والعجزمشکوك فیھا[1]اھ فقدالحقہ بظن العطاء فکما لایجوزالتیمم اذاظن العطاء کذلك اذاشك لکن نص فی الحلیۃ ان حکم صورۃ الشك غیرمنصوص علیہ فی الزیادات [2] اھ والذی ذکرفی البحر وجعلہ حاصل الزیادات وغیرھا یخالف مافی شرح الوقایۃ وعبارتہ وفی الزیادات ان المتیمم المسافر الٰی اٰخر مانقلنا فی المسألۃ الثالثۃ وقال فیھا بعد قولہ فلایقطع بالشك بخلاف مااذاکان خارج الصلاۃ الٰی اٰخر مانقلناھھنافلعل قولہ بخلاف الخ مدرج من عند الامام بین مسألتی الزیادات علی مایقتضیہ کلام الحلیۃ والبحر ولذالم یعزہ فی الحلیۃ الا الیہ واللہ تعالٰی اعلم ھذا ووقع فی الخادمی حکایۃ ان الحاقہ بظن العطاء مصحح قال فی الدرر قبل طلبہ جاز التیمم اختیارہ فی الھدایۃ وقیل لااختارہ فی المبسوط [3] اھ فقال الخادمی

متعلق عبارتیں دو۲ طرح آئیں:

اول: صدر الشریعۃ نے فرمایا: "زیادات میں ہے کہ جب بیرونِ نماز ہو اور طلب نہ کرے اور تیمّم کرے تو شک کے ساتھ شروع کرنااس کے لئے جائز نہیں اس لئے کہ قدرت وعجز دونوں میں شک ہے"اھ اس عبارت میں شک کو ظن عطاسے ملحق کیاہے جیسے ظن عطاکی صورت میں تیمّم جائز نہیں۔اسی طرح شک کی صورت میں لیکن حلیہ میں تصریح ہے کہ "صورت شک کاحکم زیادات میں منصوص نہیں" اھ،اور بحر میں جوذکر کیاہےاسے زیادات وغیرہاکاحاصل قرار دیا ہے وہ اس کے برخلاف ہے جو شرح وقایہ میں ہے شرح وقایہ کی عبارت یہ ہے: "زیادات میں ہے کہ تیمّم والا مسافر اس کے آخر تک جو ہم نے مسئلہ سوم میں نقل کیا۔اس میں "فلایقطع بالشک تو شک کی وجہ سے نماز نہ توڑے گا" کے بعد یہ بھی لکھاہے: "بخلاف اس صورت کے جب بیرونِ نماز ہو اس کے آخر تک جو ہم نے یہاں نقل کیا شاید عبارت "بخلاف الخ" امام صدرالشریعۃ کی طرف سے زیادات کے دونوں مسئلوں کے درمیان درج ہوئی ہے جیساکہ حلیہ اور بحر کے کلام کا اقتضاہے اسی لئے اسے حلیہ میں ان ہی کی طرف منسوب کیا۔اور خدائے برتر ہی خُوب جاننے والا ہے۔یہ ذہن نشین رہے۔خادمی

---

[1] شرح الوقایۃ باب التیمم مطبع المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/۱۰۱

[2] حلیۃ

[3] دررشرح الغرر باب التیمم مطبع دارالسعادت کامل بیروت ۱/۳۲

المصحح ان رجا اعطاءہ اوشك يعيد والالا [1] اھ ولم يعزہ لاحد ولم ارہ لمعتمد فالله تعالٰی اعلم۔	میں حکایۃ آیا ہے کہ شک کو ظن عطا سے لاحق کرنا تصحیح یافتہ ہے۔درر میں فرمایا:"مانگنے سے پہلے تیمّم جائز ہے۔اسی کو ہدایہ میں اختیار کیا اور کہا گیا: جائز نہیں۔اس کو مبسوط میں اختیار کیا"اھ اس پر خادمی نے لکھا کہ:"تصحیح یافتہ یہ ہے کہ اگر دینے کی اُمید یا شک ہو تو اعادہ کرے ورنہ نہیں اھ"۔اور اس پر کسی کا حوالہ نہ دیا۔نہ ہی میں نے کسی معتمد کے کلام میں اسے پایا،تو خدائے برتر ہی خوب جاننے والا ہے۔(ت)
وثانیھما: قال فی المبتغی بالغین مع رفیقه ماء ظن انه یعطیه لایتیمم والاتیمم [2] اھ فقد الحقه بظن المنع وھو قضیة مافی المنیة اذقال ان کان مع رفیقه ماء لایجوزله التیمم قبل ان یسأل عنه اذا کان علی غالب ظنه انه یعطیه [3] اھ وفی البرجندی عن الخزانةان کان غالب ظنه انه یعطیه لایجوزله ان یتیمم قبل الطلب [4] اھ وفی جامع الرموزعن البحرالمحیط ان ظنه وجب الطلب والالا [5] اھ وھذا مارجحه فی الحلیة اذقال احتمال الحاق الشك بظن المنع عـہ ارجح کمایظھر من توجیه ھٰذا	دوم: بتغی(غین معجمہ سے)میں فرمایا:"ہم سفر کے پاس پانی ہے اگر گمان ہو کہ وہ دے دے گا تو تیمّم نہ کرے ورنہ تیمّم کرے"۔اھ انہوں نے شک کو ظن منع سے لاحق کیا۔یہی عبارت منیہ کا بھی مقتضٰی ہے۔اس میں یہ لکھا ہے:"اگر اس کے رفیق کے پاس پانی ہو تو اس کیلئے اس سے مانگنے سے پہلے تیمّم جائز نہیں جب کہ اس کا غالب گمان یہ ہو کہ دے دے گا"۔اھ،برجندی میں خزانہ کے حوالہ سے یہ ہے:"اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ اسے دے دے گا تو مانگنے سے پہلے اس کیلئے تیمّم کرنا جائز نہیں"اھ جامع الرموز میں بحر محیط کے حوالہ سے لکھا ہے:"اگر دینے کا گمان ہو تو مانگنا واجب ہے ورنہ نہیں"اھ۔یہی وہ ہے جسے

عـہ وقع فی نسختی الحلیة بظن العطاء اقول وھو سب قلم اومن خطأ النساخ	حلیہ کے میرے نسخے میں"بظن العطاء"لکھا ہوا ہے **اقول**: یہ سبقتِ قلم ہے یا کاتبوں کی (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] حاشیۃ علی الدرر باب التیمم مطبع عثمانیہ بیروت ص۲۹
[2] المبتغی
[3] منیۃ المصلی فصل فی التیمم مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص۴۹
[4] البرجندی فصل فی التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۴۸
[5] جامع الرموز فصل فی التیمم مکتبہ اسلامیہ ایران ۱/۷۰

التفصیل وان کان فی شرح الوقایة لصدر الشریعة انه لایحل له الشروع بالشك فان القدرة والعجز مشکوك فیهما اھ ثم ذکر التوجیه بقوله ولایبعد القول بان الاول (ای ادارة الامر علٰی ظنه) اوجه لان الماء لیس بمبذول للاستعمال غالبافی الاسفار وخصوصافی مواضع عزته فالعجز متحقق نظرًا الٰی ذلك ولان ملك الغیرحاجزعن التصرف والقدرةموھومة فیصلح التمسك بھٰذاالاصل مبیحاللتیمم مالم یعارضه مایخرجه عن مقتضاہ وھوظن دفعه[1] اھ وھو ماخوذ عن الفتح وقدمنا نصه قبل المقام الاول وعن البدائع وقدمنا نصه فیه۔	حلیہ میں ترجیح دی۔لکھتے ہیں:"شک کو ظن منع سے لاحق کرنے کا احتمال زیادہ راجح ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل کی توجیہ سے ظاہر ہوگا۔اگرچہ صدرالشریعۃ کی شرح وقایہ میں یہ ہے کہ شک کے ساتھ اس کیلئے نماز شروع کرنا جائز نہیں اس لئے کہ قدرت وعجز میں شک ہے اھ"۔پھر توجیہ یوں ذکر کی:"یہ کہنا بعید نہ ہوگا کہ اول (یعنی اس کے گمان پر معاملہ کو دائر رکھنا) زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ سفروں میں زیادہ تر یہی ہوتا ہے کہ پانی استعمال کیلئے نہیں دیا جاتا خصوصًا ایسی جگہوں میں جہاں پانی کم یاب ہو تو اس بات پر نظر کرتے ہوئے عجز متحقق ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ ملک غیر، تصرف سے مانع ہے اور قدرت موہوم ہے۔تو تیمّم کے جواز کیلئے اس قاعدہ سے تمسّک بجاہے جب تک کہ اس کے معارض کوئی ایسی چیز نہ ہو جو اس کے مقتضٰی سے اسے باہر لائے اور وہ یہ ہے کہ دینے کا گمان ہو"اھ۔یہ توجیہ فتح القدیر سے ماخوذ ہے۔اس کی عبارت مقامِ اول سے قبل ہم نقل کر آئے اور بدائع سے ماخوذ ہے۔اس کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وانما صوابه بظن المنع فان الحاقه بظن العطاء ھو الذی فی صدر الشریعة لاخلافه ویتضح الامر بماذکر من التوجیه فانه یثبت الحاقه بظن المنع کماتری ۱۲منه غفرله(م)

خطا صحیح "بظن المنع" ہی ہے کیونکہ ظنِ عطا سے لاحق کرنا یہی تو صدر الشریعۃ کی شرح میں ہے اس کا مقابل نہیں۔آگے صاحبِ حلیہ نے جو توجیہ ذکر کی ہے اس سے معاملہ واضح ہوجاتا ہے اس لئے کہ اس توجیہ سے شک کو ظنِ منع سے ہی لاحق کرنا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ پیشِ نظر ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] حلیہ

اقول: وھذا ھو الراجح امّا اولا فلانہ یشھد بہ نظیرہ مسألۃ الطلب غلوۃ فقد نصوا قاطبۃ فیھا انہ ان غلب علی ظنہ قرب الماء وجب الطلب والالا ففی مختصر الامام القدوری والھدایۃ لیس علی المتیمم اذالم یغلب علی ظنہ ان بقربہ ماء ان یطلب الماء وان غلب علی ظنہ لم یجز تیممہ حتی یطلبہ [1] اھ وفی الوقایۃ والنقایۃ والاصلاح والکنز والوافی والملتقی والغرر والتنویر ونور الایضاح یجب طلبہ غلوۃ لوظنہ قریبا والافلا [2] اھ افھم النقایۃ وافصح الکل واقرھم الشراح والمحشون قاطبۃ عــہ وقد منافی المسألۃ الرابعۃ التنصیص بہ عن البدائع والسراج الوھاج	**اقول:** اور یہی راجح بھی ہے۔اولاً اس لئے کہ اس پر اس کی ایک نظیر شاہد ہے وہ بقدر غلوہ (تیر پھینکنے کی دُوری کے برابر) پانی تلاش کرنے کا مسئلہ ہے۔اس میں سبھی حضرات نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر اسے غالب گمان ہو کہ قریب میں پانی ہے تو تلاش کرنا واجب ہے ورنہ نہیں۔امام قدوری کی مختصر اور ہدایہ میں ہے: "تیمّم والے پر پانی تلاش کرنا لازم نہیں جب اس کا غالب گمان یہ نہ ہو کہ اس کے قریب میں پانی ہے۔اور اگر اس کا غالب گمان یہ ہو تو جب تک تلاش نہ کرلے تیمّم جائز نہیں "اھ۔وقایہ، نقایہ، اصلاح، کنز، وافی، ملتقی، غرر، تنویر اور نور الایضاح میں ہے: "غلوہ (تیر پھینکنے پر جہاں تک پہنچے اتنی دوری) کی مقدار پانی تلاش کرنا واجب ہے اگر وہ پانی قریب گمان کرتا ہو ورنہ نہیں "اھ نقایہ نے اسے مفہوماً

عــہ غیران فی الجوھرۃ عند ابی حنیفۃ اذاشك وجب علیہ الطلب [3] اھ اقول وھو نقل غریب متوغل فی الاغراب لاسیما بلفظۃ عند و الظاھر انھا تصحیف عن من عند الناسخ فلعلھا ان کانت فروایۃ شاذۃ فاذۃ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (م)	سوا اس کے کہ جوہرہ میں ہے: عند ابی حنیفۃ اذاشك وجب علیہا لطلب (امام ابوحنیفہ کے نزدیک شک کی صورت میں پانی تلاش کرنا اس پر واجب ہے "اھ **اقول:** یہ نقل غریب غرابت میں حد سے متجاوز ہے خصوصاً بلفظِ "عند" ظاہر یہ ہے کہ ناقل کے قلم سے یہ "عن" کی تصحیف ہے تو یہ کوئی شاذ سب سے الگ تھلگ روایت ہوگی،اور خدائے برتر ہی خُوب جاننے والا ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔

[1] قدوری باب التیمم مطبع مجتبائی کان پور ص ۱۲

[2] شرح الوقایہ باب التیمم مطبوعہ مکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/۱۰۷

[3] الجوہرۃ النیرۃ باب التیمم مطبع مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۹،۲۸

والجوھرۃ النیرۃ والبحر والدر والھندیۃ ایضاً ومثلہ فی مالایحصی فقد اطبقوا علی الحاق الشك بظن البعد

عبارت ہم نے مقامِ اوّل میں پیش کی۔(ت)
بتایا اور سب لوگوں نے صراحۃً بیان کیا اور تمام شارحین و محشین نے انہیں برقرار رکھا۔اور ہم مسئلہ چہارم میں بدائع، سراج وہاج، جوہرہ نیرہ، بحر، درمختار اور ہندیہ سے بھی اس کی تصریح پیش کر آئے ہیں۔اور اسی کے مثل بے شمار کتابوں میں ہے تو شک کو ظنِ بُعد سے لاحق کرنے پر سب کا اتفاق موجود ہے۔(ت)

واما ثانیا: فلانہ ھو المصرح بہ فی غیرما کتاب جلیل فقد قدمنا نصوص النھایۃ والخانیۃ وخزانۃ المفتین والاختیار شرح المختار سالفا* وذکرنا نصوص المبتغی والمنیۃ والبحر المحیط والخزانۃ اٰنفا* وخلافہ لم یعرف الافی شرح الوقایۃ۔

ثانیا: اس لئے کہ متعدد جلیلہ میں اسی کی تصریح موجود ہے۔ہم نہایہ، خانیہ، خزانۃ المفتین اور اختیار شرح مختار کی عبارتیں پہلے پیش کرچکے اور مبتغی، منیہ، بحر محیط اور خزانہ کی عبارتیں ابھی بیان کیں۔اور اس کے خلاف سے کہیں آشنائی نہ ہُوئی مگر شرح وقایہ میں۔

بلٰی نسب الحاق الشك بظن العطاء فی الجوھرۃ الی الصاحبین علی خلاف قول الامام رضی اللہ تعالٰی عنھم فقال وجوب الطلب قولھما وعند ابی حنیفۃ لایجب لان سؤال ملك الغیر ذل عند المنع وتحمل منۃ عند الدفع وعندھما ان غلب علی ظنہ انہ لایعطیہ لایجب علیہ الطلب ایضا وان شك وجب وتفریع قول ابی حنیفۃ اذالم یجب الطلب وتیمم قبلہ اجزأہ[1] وتفریع قولھما فی وجوب الطلب اذاشك وصلی ثم سألہ

ہاں جوہرہ میں شک کو ظن عطا سے لاحق کرنے کی نسبت صاحبین کی طرف کی ہے برخلافِ قول امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہم۔اس میں لکھا ہے: "مانگنا واجب ہے یہ صاحبین کا قول ہے۔امام ابو حنیفہ کے نزدیک واجب نہیں اس لئے کہ غیر کی ملک مانگنے میں ذلّت ہے اگر وہ انکار کردے اور احسان سے زیر بار ہونا ہے اگر وہ دے دے۔اور صاحبین کے نزدیک بھی اگر اس کا غالب گمان ہو کہ نہیں دے گا تو مانگنا واجب نہیں۔اور شک کی صورت ہو تو واجب ہے امام ابو حنیفہ کے قول پر تفریع یہ ہے کہ جب طلب واجب نہ ہو اور قبلِ طلب تیمّم کرلے تو ہوگیا۔اور وجوب طلب میں قولِ صاحبین پر تفریع یہ ہے کہ جب شک

[1] الجوہرۃ النیرۃ شرح قدوری باب التیمم مکتبہ امدادیہ ملتان ۲۹/۱

واعطاہ وجب علیه الاعادۃ باتفاقھما وان منعه فعند ابی یوسف صلاته جائزۃ وعند محمد یعید وان غلب علی ظنه انه یمنعه فصلی ثم اعطاہ توضأ واعاد وان غلب علی ظنه الدفع الیه فصلی ثم سأله فمنعه اعاد عند محمد وعند ابی یوسف لا[1] اھ۔

کی صورت ہو اور نماز پڑھ لے پھر مانگے اور وہ دے دے تو باتفاق صاحبین اس پر اعادہ واجب ہے اور اگر نہ دے تو امام ابویوسف کے نزدیک اس کی نماز صحیح ہے۔اور امام محمد کے نزدیک اسے اعادہ کرنا ہے۔اور اگر اس کا غالب گمان ہو کہ نہیں دے گا تو اس نے نماز پڑھ لی پھر اس نے دے دیا تو وضو کرے اور نماز لوٹائے۔اور اگر دینے کا غالب گمان رہا ہو اس وقت اس نے نماز (تیمّم سے) پڑھ لی پھر مانگا اس نے نہ دیا تو امام محمد کے نزدیک اسے اعادہ کرنا ہے اور امام ابویوسف کے نزدیک اعادہ نہیں"اھ (ت)

اقول: قوله فی ظن المنع ثم اعطاہ اعاد ای باتفاقھما وان لم یعط لابالاجماع وحاصل قول محمد علی ماحکاہ انه ان ظن العطاء اوشك اعاد مطلقا اعطی بعد الصلاۃ اومنع وان ظن المنع فان اعطی اعاد والالا ومحصوله انه یشترط لجواز التیمم ظن منع لایظھر خلافه وحاصل قول ابی یوسف انه ان اعطی اعاد وان منع لاسواء ظن عطاء اومنع اوشک۔

اقول: ظنِ منع میں ان کی عبارت "پھر اس نے دے دیا تواعادہ کرے"کا معنٰی یہ ہے کہ باتفاقِ صاحبین اس کا حکم اعادہ ہے اور اگر نہ دیا تو بالاجماع اعادہ نہیں۔اور حکایت جوہرہ کے مطابق قول امام محمد کا حاصل یہ ہے کہ اگر اسے عطا کا گمان یا شک ہو تو مطلقًا اعادہ کرنا ہے بعد نماز دے یا نہ دے اور اگر منع کا ظن رہا ہو تو اگر بعد نماز دے دے اعادہ کرے ورنہ نہیں۔اور اس کا محصول یہ ہے کہ وہ جواز تیمّم کیلئے ایسے ظن منع کی شرط لگاتے ہیں جس کے خلاف بعد میں ظاہر نہ ہو۔اور امام ابویوسف کے قول کا حاصل یہ ہے کہ بعد نماز اگر دے دے تو اعادہ کرے اور اگر نہ دے تو نہیں پہلے خواہ دینے کا ظن رہا ہو یا نہ دینے کا، یا شک رہا ہو۔(ت)

[1] الجوہرۃ النیرۃ شرح قدوری باب التیمم مکتبہ امدادیہ ملتان ۲۹/۱

وفیه اولا(۱) قد کان حکم وجوب الطلب ان لایجزئ التیمم قبله کماقال فی تفریع قول الامام انه لمالم یجب اجزأه وقدمنا فی الافادة الخامسة من شرح الحد الرضوی عن سراجه وجوهرته انه حیث وجب الطلب ولم یطلب لم یجزوان لم یجدبعدفعلی هذا انما یظهر وجوب الطلب فی الشك علی ماحکی عن محمد لاعلی قول ابی یوسف۔

الا ان یبنی علی التحقیق الذی نبدیه بتوفیق الله ان الوجوب ههنا علی غیرحد الوجوب ثمه وتکون الثمرة البطلان اذاظن العطاء اوشك ولم یسأل قبل ولابعد والله تعالٰی اعلم۔

وثانیا: لازم(۲)هذاالمحکی عن محمد بل صریحه کماعلمت ان لورأی فی الصلاة وظن العطاء اوشك بطلت صلاته من دون توقف علی منح اومنع بعدلان مامنع(۳)وجوده التیمم نقضه حدوثه کمافی البدائع والبحر والدر وغیرهاوهذه کماعلمت روایة نادرة عن محمد وقداسلفنا البحث علیها وانها

جوہرہ کے بیان پر چند کلام ہے: **اول**: طلب واجب ہونے کا حکم یہ تھا کہ اس سے پہلے تیمّم کفایت نہ کرے جیسا کہ قولِ امام کی تفریع میں لکھا کہ "جب طلب واجب نہ ہو تیمّم ہو جائے گا"۔ ہم تعریف رضوی کی شرح کے افادہ پنجم میں ان کی سراج اور جوہرہ سے نقل کر آئے ہیں کہ جہاں طلب واجب ہو اور طلب نہ کرے تو تیمّم جائز نہیں اگرچہ بعد میں پانی نہ ملے۔ تو اس کے پیشِ نظر صورتِ شک میں وجوب طلب صرف اس قول پر ظاہر ہے جو انہوں نے امام محمد سے حکایت کیا امام ابو یوسف کے قول پر ظاہر نہیں۔

مگر یہ کہ اس تحقیق پر بنیاد رکھیں جس کا ہم بتوفیق خدائے برتر اظہار کریں گے کہ یہاں پر وجوب کا وہ معنی نہیں جو وہاں پر ہے۔ اور اس کا ثمرہ یہ ہوگا کہ تیمّم باطل ہوگا جب دینے کا گمان یا شک رہا ہو اور پانی نہ پہلے طلب کیا ہو نہ بعد میں۔ اور خدائے برتر ہی خُوب جاننے والا ہے۔

دوم: امام محمد سے اس حکایت کا لازم بلکہ صریح جیسا کہ معلوم ہوا، یہ ہے کہ اگر نماز کے اندر دیکھا اور دینے کا گمان یا شک ہوا تو بعد میں دینے، نہ دینے پر کچھ موقوف رہے بغیر ابھی اس کی نماز باطل ہو گئی۔ اس لئے کہ جس چیز کی موجودگی تیمّم سے مانع ہو اس کا حدوث تیمّم کا ناقض ہوگا۔ جیسا کہ بدائع، بحر، در مختار وغیرہا میں ہے۔ اور یہ جیسا کہ معلوم ہوا، امام محمد سے ایک نادر روایت ہے اور ہم پہلے اس پر بحث کر چکے ہیں۔ اس روایت میں یا تو تاویل

مؤولة اومهجورة۔

اقول:(۱) والتاویل لایتمشی ھنا لتصریحه بعدم الالتفات لمایظهر بعد فلم یبق الاالهجر۔

وثالثا: (۲) بل تلك النادرة ایضابمفهومهاان هذااذاظن العطاء لا اذاشك تخالف هذه الحكایة المسویة بین ظن الاعطاء والشک۔

ورابعا:(۳)ینافیه مامر عن الاختیار من قیاس قول محمد المعتبر فیه ظن الاعطاء فقط ویناقضه صریحامامر عن النهایة ان المذهب الغیرالمنقول فیه خلاف بین اصحابنا الثلثة رضی الله تعالٰی عنهم الا فی الایضاح هو قصر الوجوب علی ظن الاعطاء والخلاف الذی فی الایضاح وغیره هو عدم الوجوب عند الامام مطلقا فلیس عند احد من الفریقین تسویة ظن العطاء والشك عند محمد ولاعند ابی یوسف فتبصروالله الحمد۔

وامّا ثالثا: فاقول: وبالله التوفیق وهو الحل علی وجه التحقیق اذا(۴) کان شیئ ظاهرا وخلافه محتملا لاعن

کی جائے یا یہ روایت مہجور ومتروک ہے۔(ت)

اقول: اور یہاں تاویل نہیں چل سکتی اس لئے کہ وہ صراحت کررہے ہیں کہ اس کی طرف کچھ التفات نہیں جو بعد میں ظاہر ہو تو یہی رہ گیا کہ یہاں یہ روایت مہجور ومتروک ہو۔

سوم: بلکہ وہ نادر روایت بھی اپنے مفہوم سے ظنِ عطا اور شک میں برابری بتانے والی اس حکایت کی مخالفت کررہی ہے کہ یہ اس وقت ہے جب عطا کا گمان ہو اس وقت نہیں جب شک ہو۔

چہارم: اس کے منافی وہ بھی ہے جو اختیار کے حوالہ سے قول امام محمد کا قیاس بیان ہوا کہ اس میں صرف ظنِّ عطا کا اعتبار ہے۔اور صراحۃً اس کے مناقض وہ ہے جو نہایہ کے حوالہ سے بیان ہوا کہ مذہب جس میں سوائے ایضاح کے کسی سے بھی ہمارے تینوں اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم کے درمیان کوئی اختلاف منقول نہیں، یہ ہے کہ وجوب طلب صرف ظنِ عطا میں محدود ہے۔اور ایضاح وغیرہ میں جو خلاف منقول ہے وہ یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک مطلقًا وجوب نہیں۔تو فریقین میں سے کسی کے نزدیک بھی ظنِّ عطا اور شک کو نہ امام محمد کے نزدیک برابر بتایا گیا نہ امام ابویوسف کے نزدیک۔تو اسے نگاہِ بصیرت سے دیکھنا چاہئے۔اور خدا ہی کیلئے حمد ہے۔(ت)

ثالثًا: فاقول: وبالله التوفیق،(**میں کہتا ہوں**،اور خدا ہی سے توفیق ہے) اور بطور تحقیق یہی حل بھی ہے۔جب کوئی چیز ظاہر ہو اور اس کے

دلیل لم یعارضه فلایقع الشك فی ذلك الظاھر لعدم استواء الطرفین فقد نصوا فی علم الکلام ان الاحتمال لاعن دلیل لاینافی الیقین بالمعنی الاعم فکیف ینافی الظّن والشك فی العطاء لایکون الا اذالم یترجح جانبه بدلیل فیبقی محتملا لاعن دلیل فلایورث الشك فی العجز المعلوم الظاھر بخلاف ظن العطاء فانه عن دلیل ولابد فیعارض الظاھر ویبقی العجز مشکوکا فلایتحقق شرط التیمم وذلك کمن شك فی قرب الماء فان شکه ھذا لایجعل العجز مشکوکا حتی ساغ له التیمم بلاطلب ولم یسغ لمن ظن القرب کماتقدم فظھر(۱) به الجواب الساطع عن قول صدر الشریعة ان القدرة والعجز مشکوك فیھما [1] وتبین ان مثل الشك لایعارض ظھورالعجز فوجب طرحه والحاقه بظن المنع ولله الحمد ثم بعد بضع لیالی رأیت تصدیق تعلیلی ھذا فی کلام الامام ملك العلماء کمایاتی اواخر المسألة الثامنة ولله الحمد۔

خلاف کا احتمال بلادلیل ہو تو یہ اس ظاہر کے معارض نہ ہوگا تو اس ظاہر میں شک نہ واقع ہوگا اس لئے کہ طرفین برابر نہیں۔ علما نے علم کلام میں تصریح فرمائی ہے کہ "احتمال بلادلیل یقین بمعنی اعم کے منافی نہیں" تو ظن کے منافی کیسے ہوگا۔ اور عطا میں شک نہ ہوگا مگر اسی وقت جب کہ جانب عطا کو کسی دلیل سے ترجیح حاصل نہ ہوسکے تو جانب عطا محتمل بلادلیل رہ جائے گی تو اس سے اُس عجز میں شک نہ پیدا ہوگا جس کا ظاہر معلوم ہے۔ بخلاف اس صورت کے جب عطا کا ظن ہو اس لئے کہ یہ ایک دلیل سے ہے اور یہ لازمی امر ہے تو ظاہر، ظاہر کے معارض ہوجائے گا اور عجز مشکوک رہے گا تو تیمّم کی شرط متحقق نہ ہوسکے گی۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی کو پانی کے قریب ہونے کا شک ہو کہ اس کا یہ شک اس کے عجز کو مشکوک نہیں بنادیتا یہاں تک کہ پانی تلاش کئے بغیر اس کیلئے تیمّم روا ہے اور اس کیلئے روا نہیں جسے پانی کے قریب ہونے کا گمان ہو جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اس تحقیق سے صدر الشریعۃ کے اس کلام کا روشن جواب عیاں ہوگیا کہ "قدرت وعجز دونوں میں شک ہے"۔ اور واضح ہوگیا کہ ایسا شک ظہورِ عجز کے معارض نہیں۔ تو اس شک کو نظر انداز کرنا اور ظنِ منع سے لاحق کرنا لازم ہے۔ اور خدا ہی کیلئے حمد ہے پھر میں نے چند راتوں کے بعد اپنی اس تعلیل کی تصدیق امام ملک العلماء کے کلام میں دیکھی جیسا کہ مسئلہ ہشتم کے اواخر میں آرہا ہے اور خدا ہی کیلئے حمد ہے۔ (ت)

[1] شرح الوقایہ باب التیمم مکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/۱۰۲

مسئلہ ۷ : شرح[۱] تعریف رضوی کے افادہ پنجم میں گزرا کہ یہاں اعتبار واقع کا ہے اگر اسے ظن غالب تھا کہ نہ دے گا (یا شک تھا) اور اس نے تیمّم سے پڑھ لی بعدہ، اس نے پانی دے دیا (بطور خود خواہ) اس کے مانگنے سے تو نماز عـــہ[۱] نہ ہوئی اعادہ کرے اور اگر ظن غالب تھا کہ دے دے گا اور (خلافِ حکم کرکے) اس نے نہ مانگا اور تیمّم سے پڑھ لی بعد کو مانگا اور اس نے نہ دیا تو نماز عـــہ[۲] ہو گئی شرح وقایہ کی عبارت وہیں گزری اور دیگر عبارات قوانین میں آئیں گی اِن شاء اللہ تعالٰی۔ہاں اگر اس نے نہ اول مانگا نہ بعد کو کہ منع وعطا کا حال کھلتا۔

اقول: نہ ظن عطا کی صورت میں اُس نے پانی خرچ کرلیا یا پھینک دیا نہ شک یا ظن منع کی حالت میں اس نے بعد نماز بے انکار سابق دے دیا تو البتہ اس کے ظن کا اعتبار ہے اگر ظن عطا تھا نماز نہ ہوئی ورنہ ہو گئی،

عـــہ۱ ولد عزیز مولوی مصطفٰی رضا خان سلّمہ ذوالجلال ورقاہ الی مدارج الکمال نے یہاں ایک تقیید حسن کا مشورہ دیا کہ صاحب آب کے پاس اس وقت کے بعد نیا پانی اور نہ آگیا ہو ورنہ آبِ کثیر میں سے دے دینا اُس ظن وشک کو کہ قلّتِ آب کی حالت میں تھا دفع نہ کرے گا **وکان ذلك عند تبییض الرسالۃ للطبع فی ۱۶ من المحرم الحرام ۱۳۳۶ھ وللہ الحمد** (اور یہ مشورہ طباعت کیلئے رسالے کی تیاری کے وقت ۱۳۳۶ھ ماہ محرم کی ۱۶ تاریخ کو دیا اور حمد اللہ تعالٰی ہی کیلئے ہے۔ت)

اقول: یہ قید ضرور قابلِ لحاظ ہے اگرچہ کتابوں میں نظر سے نہ گزری کہ علما نے اُسی حالتِ موجودہ پر کلام فرمایا اور یہاں یوں تفصیل مناسب کہ اگر وہ ۲ ظنِ منع بر بنائے قلّت آب تھا تو بعد کثرت دینا اس کا تخطیہ نہ کرے گا اور اگر اور وجوہ سے تھا مثلاً صاحبِ آب سے رنجش یا ناشناسائی یا اس کی نسبت گمانِ بخل تو ضرور اس گمان کی غلطی ظاہر ہو گی **کما لایخفی واللہ تعالٰی اعلم فلیراجع ولیحرر** ۱۲ منہ (جیسا کہ مخفی نہیں اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے تو اس کی مراجعت اور وضاحت کرلی جائے۔ت) (م)

عـــہ۲ آیا اسی مشورہ ولد عزیز کے قیاس پر یہاں بھی کہا جائے کہ اگر یہ نہ دینا اس بنا پر ہو کہ اتنی دیر میں پانی اس کے پاس خرچ ہو کر کم رہ گیا تو یہ منع اس ظنّ عطا کی خطا نہ بتائے گا۔

اقول: یہاں ۲ صورتیں ہیں اگر یہ خرچ ہو جانا اس طور پر ہو کہ اس سے پہلے کسی نے مانگا اسے دے دیا اب کم رہ گیا منع کر دیا تو بے شک اس ظن کی خطا ثابت نہ ہو گی ظاہراً اعادہ نماز چاہئے اور اگر خود اس نے اپنی حاجت میں خرچ کیا تو اب نہ دینا اُس ظن کا رَد کرے گا کہ اتنا تو اُسے خود درکار تھا اور جو باقی رہا اُس سے انکار ہے **فلیراجع ولیحرر** ۱۲ منہ غفرلہ (تو اس کی مراجعت اور وضاحت کرلی جائے۔ت) (م)

لانہ بظن العطاء کان قادرا فی الظاھر علی الماء ولم یتبین غلط ھذا الظن فیعمل بہ لفوت درك الحقیقۃ۔	اس لئے کہ وہ ظنِّ عطا کے باعث پانی پر بظاہر قادر تھا اور اس ظن کی غلطی واضح نہ ہوئی تو اس کو اسی پر عمل کرنا ہے کیوں کہ حقیقت تک رسائی فوت ہوگئی۔(ت)

حلیہ میں ہے:

انما یکون الملحوظ ظناًلیس غیرعند عدم الاستکشاف لہ فاذا وجد وظھر الامر بخلاف کان الحال علی ماظھر [1]اھ واستشھد لہ بعبارات البدائع والکافی ثم اطال رحمہ اللہ تعالٰی بابداء سؤال ودفعہ حاصل السؤال قدیکون ظنہ مصیبا ویتبدل رأی صاحب الماء فلایظھر خطاء ظنہ وحاصل الجواب ان الاصل عدم التبدل والظن ربما یخطئ واستشھد فی السؤال بنصوص فی المذھب انہ ان کان بحضرتہ من یسألہ عن الماء فسألہ فلم یخبرہ فتیمم وصلی ثم اخبرہ بہ لااعادۃ علیہ [2]اھ ای فلم یکن بالاخبار اللاحق عالما فی السابق حین سألہ فلم یخبرہ فکذا الایکون بالعطاء اللاحق قادرا فی السابق حین ظن منعہ وافاد الجواب انہ فعل مافی	ظن ہی ملحوظ ہوتا ہے کچھ اور نہیں جبکہ اس ظن کی حقیقت منکشف نہ کرلی ہو۔ پھر جب تحقیق ہوجائے اور معاملہ اس ظن کے برخلاف ظاہر ہو تو جو ظاہر ہو اسی کے مطابق حال ہوگا اھ اس پر انہوں نے بدائع اور کافی کی عبارتوں سے شہادت پیش کی ہے پھر ایک سوال و جواب لاکر طویل گفتگو کی ہے۔ سوال کا حاصل یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوگا کہ اس کا گمان درست ہو اور پانی والے کی رائے بدل جائے تو اس کے گمان کی خطا ظاہر نہ ہوگی جواب کا حاصل یہ ہے کہ اصل نہ بدلنا ہے اور ظن میں کبھی خطا بھی ہوتی ہے۔ سوال میں کچھ نصوصِ مذہب سے استشہاد کیا ہے کہ "اگر اس کے پاس کوئی ایسا ہو جس سے پانی کے بارے میں دریافت کرسکے تو اس سے دریافت کیا، اس نے نہ بتایا، اس نے تیمّم کیا اور نماز نہ پڑھ لی، پھر اس نے بتایا تو اِس پر اعادہ نہیں" اھ یعنی بعد میں بتانے سے وہ سابق میں جبکہ اس سے پوچھا تھا اور اس نے نہ بتایا، واقف نہ ہوگیا تو اسی طرح بعد میں دینے سے وہ سابق

---

[1] حلیہ

[2] حلیہ

وسعہ قبل الفعل فیقع جائزا دفعا للحرج فلاینقلب غیر جائز قال وبعبارۃ اخری انہ اذا ابی تأکد العجز فلاتعتبر القدرۃ بعد ذلك ذکرہ فی الولوالجیۃ ولانہ متعنت ولاقول للمتعنت بخلاف مانحن فیہ فانہ لم یستفرغ الوسع بالاستکشاف[1] اھ

میں جبکہ اسے نہ دینے کا گمان تھا، قادر نہ ہوگیا۔اور جواب سے یہ مستفاد ہوا کہ اس نے عمل سے پہلے جو کچھ اس کے بس میں تھا کرلیا تو دفع حرج کے پیش نظر وہ جائز ہی واقع ہوگا پھر ناجائز میں تبدیل نہ ہوگا۔فرماتے ہیں: بعبارت دیگر "اس نے جب انکار کردیا تو عجز مؤکد ہوگیا پھر اس کے بعد قدرت ہونے کا اعتبار نہیں۔اسے ولوالجیہ میں ذکر کیا ہے۔اور اس لئے کہ وہ تشدّد برتنے والا ہے اور ایسے شخص کی بات کا اعتبار نہیں،بخلاف ہمارے زیر بحث صورت کے کہ اس نے دریافت کرنے میں اپنی پوری کوشش صرف نہ کی"۔اھ (ت)

اقول: اغفل السؤال نصوصا فی المذھب ثمہ موافقۃ فی الصورۃ لماھنا وھی انہ ان کان(۱) عندہ من یسألہ فلم یسألہ وصلی ثم سألہ فاخبرہ بماء قریب بطلت صلاتہ کماقدمنا فی نمرۃ عن الحلیۃ عن المحیط ومثلہ فی البدائع والتبیین والدر وغیرھا فعلمہ ان ھذا ممن یسأل ھنا عن حال الماء کظنہ العطاء فی ھذہ المسألۃ وترك السؤال کمثلہ فیھا والاخبار اللاحق کالعطاء اللاحق فتبطل صلاتہ کما بطلت ثم ھذا۔

اقول: وہاں کچھ نصوصِ مذہب اور تھے جو یہاں والی صورت کے موافق تھے انہیں سوال میں چھوڑ دیا وہ یہ کہ اگر اس کے پاس ایسا شخص ہو جس سے دریافت کرسکے اور دریافت نہ کیا،نماز پڑھ لی، پھر اس سے پُوچھا۔اس نے قریب میں پانی بتایا تو اس کی نماز باطل ہوگئی۔جیسا کہ ہم نے نمبر ۱۵۹ میں محیط سے نقل کردہ حلیہ کی عبارت پیش کی۔اسی کے مثل بدائع، تبیین،درمختار وغیرہا میں بھی ہے تو اسے یہ علم ہونا کہ یہ شخص ایسا ہے جس سے پانی کے بارے میں یہاں دریافت کیا جاسکتا ہے ایسا ہی ہے جیسے اس مسئلہ میں عطا کا ظن ہے اور سوال نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے یہاں سوال نہ کرنا اور بعد میں بتانا ایسا ہی ہے جیسے یہاں بعد میں دینا تو یہاں بھی اس کی نماز باطل ہوگئی جیسے وہاں باطل ہُوئی۔(ت)

وقولہ اذا ابی ای عن الاخبار **اقول:** یشمل(۲) ما اذا سألہ

صاحبِ حلیہ کی عبارت "اذا ابی" (جب انکار کرے) یعنی بتانے سے انکار کرے۔**اقول:** یہ اس

[1] حلیہ

فسمع وسکت لانه صادق علیه قولهم لم یخبره وانما عبره عنه فی الحلیة بالاباء لان السکوت عند الحاجة اباء عرفا وقد صرحوا بمسألة الاباء ههنا ایضا انه ان سأله قبل الصلاۃ فابی ثم اعطاه بعدها فقد تمت ولاعبرة بالمنح بعد المنع۔ وماقال انه متعنت وقد اخذه عن البدائع **فاقول**: هذا(۱) غیرمتعین ولاثابت فقدینسی ثم یتذکر وحال المسلم تحمل علی الصلاح مهما امکن والله تعالٰی اعلم قال ثم بعد برهة من ظهور هذا للعبد الضعیف وتسطیره رأیت صدر الشریعة قدصرح بماذکرنا من الحکم فی هاتین المسألتین وبعلته فیما لواتم الصلاۃ مع ظن العطاء ثم سأله فاعطاه فتواردنا علی ذلك[1] اھ۔

اقول: (۲)هوسبق قلم بل انما ذکر العلة فیما اذاسأله فابی قال لانه ظهر ان ظنه

صورت کو بھی شامل ہے جب اس سے سوال کرے اور وہ سُن کر خاموش رہے۔ کیونکہ اس پر علماء کا یہ قول صادق ہے کہ "اس نے نہ بتایا" اسے حلیہ میں انکار سے اس لئے تعبیر کیا کہ ضرورت کے وقت سکوت عرفاً انکار ہی ہے۔ اور علما نے یہاں بھی مسئلہ انکار کی صراحت فرمائی ہے کہ اگر اس نے قبل نماز اس سے مانگا، اس نے انکار کیا پھر بعد نماز اسے دے دیا تو اس کی نماز پُوری ہو گئی۔ اور انکار کے بعد دینے کا کوئی اعتبار نہیں۔ (ت) صاحب حلیہ نے فرمایا وہ تشدد برتنے والا ہے اسے انہوں نے بدائع سے لیا ہے۔ اس پر مجھے کلام ہے **فاقول** یہ متعین اور ثابت نہیں۔ ہوسکتا ہے اس وقت بھُول گیا ہو پھر اسے یاد آیا ہو جہاں تک ہوسکے مسلمان کی حالت کو صلاح ودرستی ہی پر محمول کیا جائے گا۔ اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔ صاحبِ حلیہ لکھتے ہیں: بندہ ضعیف کے ذہن میں یہ آیا اور اُسے رقم کیا پھر کچھ عرصہ بعد دیکھا کہ صدر الشریعۃ اس کی تصریح کرچکے ہیں جو ہم نے ان دونوں مسئلوں میں حکم بیان کیا اور اس کی علت بھی بتاچکے ہیں اس صورت میں جب کہ ظنِّ عطا کے باوجود نماز پُوری کرلی پھر مانگا اور اس نے دے دیا۔ تو اِس پر ہمارا ان کا توارد ہو گیا اھ۔ (ت)

اقول: یہ سبقتِ قلم ہے۔ صدر الشریعۃ نے علت صرف اس صورت میں بیان کی ہے جب اس نے مانگا اور اس نے انکار کر دیا۔ فرماتے ہیں: اس لئے

[1] حلیہ

کان خطأ[1] اھ وھذا نظیر ماسبق ان الحاق الشك بغلبة الظن للعطاء ارجح وانما صوابه المنع کمامر۔	کہ ظاہر ہوگیا کہ اس کا گمان غلط تھا اھ (تو عبارت حلیہ میں "ثم سأله فاعطاه" کی جگہ "ثم سأله فابی" ہونا چاہئے) اور یہ اسی کی نظیر ہے جو عبارت حلیہ میں گزرا کہ شک کو "عطا" کے غلبہ ظن سے لاحق کرنا زیادہ راجح ہے۔ صحیح "منع" ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ (ت)

تنبیہ: نماز کے بعد وہ دینا جس سے مطلقًا نماز اعادہ کرنی ہوتی ہے اگرچہ مصلی کو ظن منع ہو کونسا ہے اور وقت نماز گزر جانے کے بعد دینا بھی یہ اثر رکھتا ہے یا نہیں، اس کا بیان مسئلہ نہم میں آتا ہے و باللہ التوفیق۔

مسئلہ ۸: امام[۱] محقق علی الاطلاق سے مسئلہ ششم میں گزرا کہ پانی پر قدرت تین ۳ طرح ہوتی ہے:

اوّل: خود اپنی ملک میں ہو۔ **اقول:** یعنی حاجتِ ضروریہ سے فارغ اور استعمال پر قدرت تو ہر جگہ شرط ہے۔

دوم: اگر بکتا ہے تو قیمت پر قادر ہو۔ اقول: یعنی اُنہیں وجوہ پر کہ گزریں کہ قیمت مثل سے بہت زیادہ نہ مانگے اور قیمت اس کے پاس حاضر نہیں تو اُدھار دینے پر راضی ہو۔

سوم: اباحت۔ **اقول:** یہ مصدر مبنی للمفعول ہے یعنی پانی کا مباح ہونا خواہ باباحتِ اصلیہ جیسے بارش و دریا کا پانی یا کسی کے وقف کیے سے یا بلاوقف عام لوگوں یا کسی خاص قوم کیلئے جن میں یہ داخل ہے مالک نے طہارت کیلئے مباح کیا ہو اگر اسے طہارت درکار ہے یا مالک خاص اس شخص کو مباح کرے۔ **ثمّ اقول:** دو[۲] صورتیں قدرت کی اور ہیں:

چہارم: ہبہ کہ تملیک بلاعوض ہے، بخلاف اباحت کہ شَے ملک مالک ہی پر رہتی ہے اُس کی اجازت سے صرف کی جاتی ہے۔

پنجم: مالک کا وعدہ کرنا کہ میں تجھے پانی دوں گا یہاں تک کہ ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب میں انتظار لازم ہے اگرچہ وقت نکل جائے کہ وعدہ میں ظاہر وفا ہے اور پانی پر قدرت اباحت سے بھی حاصل تو ظاہرًا قادر ہے لہٰذا تیمّم جائز نہیں اس کا ذکر نمبر ۹۰ میں گزرا اور باتباع امام زفر حکم یہ ہے کہ جب وقت جاتا دیکھے تیمّم کرکے پڑھ لے جیسا کہ نمبر ۹۱ میں گزرا۔

---

[1] شرح الوقایہ، باب التیمم ۱/۱۰۳

اب یہاں چند ضروری تنبیہات ہیں:

تنبیہ اوّل: وہ[1] وعدہ کہ پانی نہ رہنے کے بعد ہو معتبر نہیں مثلاً نماز میں اس نے کسی کے پاس پانی دیکھا اور دینے کا ظن غالب نہ ہُوا نماز پُوری کی اس کے بعد مانگا اس نے کہا میرے پاس پانی تھا تو مگر خرچ ہوگیا اگر اُس وقت مانگتے میں ضرور دیتا تو اس وعدہ کا اعتبار نہیں نماز ہو گئی[2] اور اگر نماز سے پہلے دیکھا اور دینے کا ظن غالب نہ ہوا اور تیمّم پہلے کر چکا تھا یا اب کر لیا پھر مانگا تو اس نے وہی جواب دیا کہ اب نہ رہا اُس وقت مانگتے تو دے دیتا اس وعدے سے بھی وہ تیمّم نہ جائے گا اُسی سے نماز پڑھے یہی اصح ہے کہ نہ رہنے کے بعد وعدہ اس پر دلیل نہیں کہ دے بھی دیتا، شے موجود ہوتے وقت وعدہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ دینا منظور ہے اور نہ رہنے کے بعد نہ دینے والا بھی یہ کیوں کہے کہ میں نہ دیتا بلکہ مفت کرم داشتن ہے کہ ہوتا تو ضرور دیتا، بحر الرائق میں ہے:

فی المجتبٰی رأی فی صلاته ماء فی ید غیرہ ثم ذھب منه قبل الفراغ فسأله فقال لوسألتنی لاعطیتك فلااعادة علیه وان کانت العدة قبل الشروع یعید لوقوع الشك فی صحة الشروع والاصح انه لایعید لان العدة بعد الذھاب لاتدل علی الاعطاء قبله[1] اھ **اقول:** ھذا الفرع یحتاج له الشرح وقد تبین ماصورناہ فقوله ثم ذھب منه ای الماء من صاحبه بانفاقه مثلا قبل الفراغ لھذا من صلاته فسأله بعد صلاته فقال نفد ولوسألتنی قبل	مجتبٰی میں ہے: "اپنی نماز کے اندر دوسرے کے ہاتھ میں پانی دیکھا۔ پھر اس کے پاس سے ختم ہوگیا اس سے پہلے کہ فارغ ہو۔ پھر اس سے مانگا۔ تو اس نے کہا: اگر تم نے مجھ سے مانگا ہوتا تو تم کو میں دے دیتا۔ اس صورت میں اس پر اعادہ نہیں۔ اور اگر وعدہ نماز شروع کرنے سے پہلے ہوا تو اعادہ کرے۔ اس لئے کہ صحتِ شروع میں شک واقع ہوگیا اور اصح یہ ہے کہ اسے اعادہ نہیں کرنا ہے اس لئے کہ ختم ہونے کے بعد وعدہ اس کی دلیل نہیں کہ وہ پہلے دے دیتا"۔ اھ (ت) **اقول:** اس جزئیہ کی شرح کرنے کی ضرورت ہے اور ہم نے جس طرح مسئلہ کی صورت میں پیش کی ہے اس سے واضح ہوجاتا ہے۔ شرح اس طرح ہوگی: قولہ پھر اس کے پاس سے ختم ہوگیا یعنی پانی پانی والے کے پاس سے ختم ہوگیا مثلاً اسے خرچ کردیا اس سے پہلے کہ فارغ ہو یعنی اِس کے اپنی نماز سے فارغ ہونے سے پہلے۔ پھر اس سے مانگا۔ یعنی نماز ادا کرنے کے

[1] البحر الرائق باب التیمم مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۶۲/۱

لاعطیتك قوله وان کانت العدة قبل الشروع۔

اقول: تصویرہ بصورتین ذکرناھما انه تیمم ثم رأی اورأی ثم تیمم ثم سأله بعد حین فقال انفقت ولوسألت لاعطیت ولیس المراد انه رأی فسأل فاجاب فتیمم لانه تیمم صحیح قطعا لوقوعه بعد ظھور العجز عن الماء بخلاف تینك الصورتین ففیھما قیل لیس له ان یصلی بذلك التیمم بل یتیمم ثانیا ولوصلی بالاول یعید لوقوع الشك فی صحة الشروع به فی الصلاة لانه ان لم یظھر بوعده القدرة فلایقعد عن ایراث الشك فی العجز فوقع الشك فی بقاء التیمم فلم یصح له الشروع بطھارة مشکوکة بخلاف ما اذا رأی فی الصلاة لان الشروع صح بالیقین فلایزول الابمثله والاصح انه لایعید لان العدة بعد الذھاب والنفاد لاتدل علی الاعطاء قبله۔

اقول: لماقررنا من ان الشحیح ایضا لایثقل علیه مثل ھذا الوعد فاذالم یترجح به جانب العطاء کان وجودہ وعدمه سواء فلم یورث شکافی العجز کماقدمنا تحقیقه اٰخر المسألة السادسة فھٰذا مایتعلق بشرحه ولابأس بالتنبیه علی نکت۔

بعد مانگا۔ تو اس نے کہا: ختم ہو گیا، اور پہلے اگر تم نے مجھ سے مانگا ہوتا، تو تم کو میں دے دیتا۔ قولہ اور اگر وعدہ نماز شروع کرنے سے پہلے ہوا۔ **اقول:** اس کی تصویر دو[۲] صورتوں میں ہے جو ہم نے بیان کیں (۱) اس نے تیمّم کرلیا پھر دیکھا (۲) یا دیکھنے کے بعد تیمّم کرلیا پھر اس سے کچھ دیر بعد مانگا تو اس نے کہا: میں نے خرچ کر دیا اگر تم نے مانگا ہوتا تو دے دیتا۔ یہ مراد نہیں کہ اس نے دیکھتے ہی مانگا، اس نے وہ جواب دیا، اِس نے اب تیمّم کیا۔ اس لئے کہ یہ تیمّم تو قطعًا صحیح ہے اس لئے کہ یہ پانی سے عجز ظاہر ہونے کے بعد ہوا ہے۔ بخلاف اُن دونوں صورتوں کے کہ ان ہی کے بارے میں یہ کہا گیا کہ اس کیلئے اس تیمّم سے نماز پڑھنا جائز نہیں بلکہ دوبارہ تیمّم کرے گا۔ اور اگر پہلے تیمّم سے نماز پڑھ لی تو اعادہ کرے اس لئے کہ اس تیمّم سے نماز شروع کرنے کی صحت میں شک واقع ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنے وعدہ سے قدرت بروئے ظہور نہ لاسکا تو کم از کم عجز میں شک پیدا کرنے سے قاصر نہ رہا اس طرح بقائے تیمّم میں شک واقع ہو گیا تو مشکوک طہارت سے نماز شروع کرنا اس کیلئے جائز نہ ہوا۔ بخلاف اس صورت کے جب اندرونِ نماز پانی دیکھا ہو اس لئے کہ شروع بالیقین صحیح ہوا ہے تو اس کا زوال بھی ویسی ہی چیز سے ہوگا۔ اور اصح یہ ہے کہ اسے اعادہ نہیں کرنا ہے اس لئے کہ ختم ہونے کے بعد وعدہ اس کی دلیل نہیں کہ وہ پہلے دے دیتا

اقول: اس کی وجہ وہ ہے جس کی ہم نے تقریر کی کہ بخیل کے لئے بھی ایسا وعدہ کرنا کوئی مشکل اور گراں نہیں تو جب اس وعدہ سے جانب عطا کو ترجیح نہ ملی تو اس کا ہونا، نہ ہونا

فاقول اولا: کان تسمیته وعد اللمشاکلة والا فالوعد للمستقبل۔

وثانیا :التصویر بذهاب الماء خرج وفاقا والا(۱) فالحکم کذلك لولم یذهب واحتال بهذا الجواب بل بالاولی لانه منع اشنع۔

وثالثا: لابد عندی من التقیید بعدم ظن العطاء فی الوجهین کمافعلت لان ظن العطاء اذالم یظهر خلافه یمنع صحة التیمم والصلاة کمامر ویاتی وبهذا الوعد ان لم یظهر وفاقه لم یظهر خلافه ایضا بالاولی فتجب اعادة الصلاة واللہ تعالٰی اعلم۔

برابر ہے اس لئے یہ عجز میں کوئی شک نہ لاسکا جیسا کہ ہم مسئلہ ششم کے آخر میں اس کی تحقیق کرچکے ہیں۔یہ کلام تو شرح سے متعلق تھا،اب کچھ نکات پر تنبیہ کردی جائے تو کوئی حرج نہیں۔(ت)

فاقول: نکتہ اولٰی: اسے "وعدہ"کے نام سے ذکر کرنا مشاکلہ کی وجہ سے ہے ورنہ وعدہ تو مستقبل کیلئے ہوتا ہے۔

نکتہ دوم: صورتِ مسئلہ میں جو کہا گیا کہ پانی ختم ہوگیا یہ اتفاقاً ہے۔ورنہ اگر پانی واقع میں ختم نہ ہُوا اور اس نے یہ جواب دے کر بہانہ کیا تو بھی حکم یہی ہے بلکہ درجہ اولٰی یہ حکم ہوگا۔اس لئے کہ یہ بدتر انکار و منع ہے۔

نکتہ سوم: میرے نزدیک دونوں صورتوں میں عدمِ ظنِّ عطا کی قید لگانا ضروری ہے جیسا کہ میں نے تصویر مسئلہ میں کہا۔اس لئے کہ جب عطا کا گمان ہو اور اس کے خلاف ظاہر نہ ہو تو یہ تیمّم اور نماز کی صحت سے مانع ہے جیسا کہ گزرا اور آئندہ بھی آئے گا اور اس وعدہ سے اس گمان کی اگر موافقت ظاہر نہ ہوئی تو اس کی مخالفت بھی بدرجہ اولٰی ظاہر نہ ہوئی اس لئے نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔اور خدائے برتر خُوب جاننے والا ہے۔(ت)

تنبیہ دوم: اقول[۲] وعدہ آب کہ ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اجماع سے پانی پر قدرت کا موجب سمجھا گیا ظاہراً یہ حکم وقت کے وقت تک ہے کہ کسی موقت حاجت کیلئے ایک وقت میں وعدہ اُسی وقت کا وعدہ سمجھا جاتا ہے نہ یہ کہ کبھی دے دیں گے اگرچہ سال بھر بعد۔خروج وقت پر خلف وعدہ سمجھا جائے گا کہ دینے کا کہا تھا اور نہ دیا آئندہ اوقات کیلئے بھی وہ وعدہ اور اُس کے سبب اس کا پانی پر قادر ہونا سمجھا جائے تو مہینہ بھر کامل گزر جائے اور اُسے نماز پڑھنے کی اجازت نہ ہو کہ وعدہ باقی ہے تو قدرت باقی ہے تو تیمّم ناجائز ہے اور ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے کہ انتظار کرے اگرچہ وقت نکل جائے تو ہر وقت یہی حکم رہے گا اور

ہفتوں مہینوں نماز سے معطل رہنے کا حکم ہوگا حاشا یہ شریعتِ مطہرہ کا مسئلہ نہیں ہوسکتا لاجرم وعدہ کا اثر اُس ایک ہی وقت تک رہے گا وبس،

وھذا ظاھر جدا ومن خدم الفقه یری تائیدہ فی مسائل کثیرۃ من کتاب الطلاق وکتاب الایمان واللہ تعالٰی اعلم۔	اور یہ بہت واضح ہے جسے فقہ کی خدمت نصیب ہوئی اسے کتاب الطلاق اور کتاب الایمان کے بہت سے مسائل میں اس کی تائید نظر آئے گی۔اور خدائے برتر خُوب جاننے والا ہے۔(ت)

تنبیہ سوم: اقول ظاہراً یہ ہے کہ وعدہ قدرت مقتصرہ ثابت کرے گا یعنی وقت وعد سے نہ مستندہ یعنی وقت علم بہ آب سے وذلك لانه ھو سبب ثبوتھا فلاتثبت قبله لان المسبب لایتقدم السبب (وہ اس لئے کہ یہ وعدہ ہی ثبوت قدرت کا سبب ہے تو قدرت اس سے پہلے ثابت نہ ہوگی،اس لئے کہ مسبَّب،سبب سے مقدّم نہیں ہوتا۔ت) ظاہر ہے کہ وعدہ آئندہ کیلئے ہوتا ہے تو ماضی پر اس کا کیا اثر بلکہ اگر وعدہ اس کے سوال پر ہو تو یہ بھی دلالت نہ کرے گا اس سے پہلے مانگتا تو دے دیتا کہ اب بھی تو مانگے پر نہ دیا نرا وعدہ ہی کیا تو یہ کیونکر مفہوم ہو کہ پہلے دے ہی دیتا بالجملہ وعدہ حقیقۃً عطا نہیں کہ سب احکام عطا نافذ ہوں بلکہ وہ حقیقۃً عدمِ عطا ہے صرف اس اُمید پر کہ مسلمان کے وعدے میں ظاہر وفا ہے اسے ظاہرًا پانی پر قادر مانا گیا ہے،

لما مر فی الظفر لقول زفر عن البحر عن البدائع عن محمد ان الظاھر الوفاء بالوعد فکان قادرا علی الاستعمال ظاھرا[1]۔	اس کی وجہ رسالہ "الظفر لقول زفر" میں بحر کے حوالہ سے بیان ہوئی۔بحر نے بدائع سے انہوں نے امام محمد سے نقل کیا کہ ظاہر وفائے وعدہ ہے تو وہ ظاہرًا استعمال پر قادر ہُوا۔(ت)

تو پیش از وعدہ نہ قدرت ہوگی نہ مانگے پر وعدے سے یہی ظاہر ہو کہ پہلے مانگتا تو دے دیتا۔

ھذا ماظھر فلیراجع ولیحرر والعلم بالحق عند العلی الاکبر۔	یہ وہ ہے جو میرے ذہن میں آیا تو اس کی مراجعت اور وضاحت کرلی جائے۔اور حق کا علم خدائے برتر وبزرگ ہی کو ہے۔(ت)

اقول: مگر اس میں یہ قوی شک ہے کہ علمانے بعد نماز مانگنے پر پانی دے دینے کو اس پر دلیل ٹھہرایا ہے

[1] بدائع الصنائع فصل ماشرائط الرکن فانواع مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۴۹

کہ پہلے مانگتا جب بھی دے دیتا۔

کمایاتی فی المسألة الاٰتیة عن الزیادات وجامع الکرخی والبدائع والحلیة ان البذل بعد الفراغ دلیل البذل قبلہ[1]۔	جیسا کہ اگلے مسئلہ میں زیادات، جامع کرخی، بدائع اور حلیہ کے حوالے سے آرہا ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دے دینا اس کی دلیل ہے کہ پہلے بھی دے دیتا۔ (ت)

تو یوں ہی کیوں نہ کہا جائے کہ بعد نماز مانگنے پر وعدہ اس کی دلیل ہے کہ پہلے مانگتا جب بھی وعدہ کرلیتا اور نفس وعدہ کو موجب قدرت مانا ہے تو جس طرح بعد کو پانی دے دینے سے قدرت سابقہ ثابت ہوئی کہ پہلے مانگتا تو مل جاتا تو پانی زیر قدرت تھا یونہی بعد کے وعدے سے ثابت ہوگی کہ پہلے مانگتا تو وعدہ ہو جاتا اور وعدہ موجبِ قدرت تھا تو قدرت مل جاتی تو پانی زیر قدرت تھا اور جب مانگے پر نرے وعدے سے یہ حکم ہو تو بے مانگے وعدے سے بدرجہ اولٰی کہ یہاں تو یہ احتمال ہے کہ جب بے مانگے وعدہ کرلیا عجب نہیں کہ پہلے مانگے پر دے ہی دیتا اگرچہ اس اولویت میں یہ کلام واضح ہے کہ شاید اور کیا عجب مفید نہیں ظہور درکار ہے کلام امام محمد سے ابھی گزرا **فکان قادرا ظاھرا** (تو ظاہرًا قادر ہوا۔ت)

اقول: مگر بذل و وعدہ میں فرق بیّن ہے بذل حال سے بذل سابق مظنون ہوا اور بذل قطعًا موجب قدرت ہے تو قدرت مظنون ہوئی بخلاف وعدہ کہ قدرت کا موجب قطعی نہیں خلف بھی ممکن ہے دینے والے کو کوئی عذر پیش آنا بھی ممکن ہے **الاتری ان محمدا انما یقول ان الظاھر الوفاء** (یہ دیکھئے امام محمد فرماتے ہیں کہ ظاہر وفائے وعدہ ہے۔ت) تو وعدہ صرف مورث ظن قدرت ہے اور وعدہ حال سے سابقہ بھی یقینی نہیں صرف مظنون ہے تو اس وقت کے وعدے سے سابق میں ظنِّ قدرت نہ ہوا بلکہ ظن ظن ہوا اور ظن ظن شیئ ظن شیئ نہیں تو سابق کیلئے ظنِ قدرت ثابت نہ ہوا تو عجز ظاہر کا معارض نہ پایا گیا اور تیمّم و نماز صحیح رہے اور یہ تقریر اُس صورت کو بھی شامل کہ بعد کو بے مانگے وعدہ کرے **کما لایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) بالجملہ مقام مشکل ہے اور ظاہر وہ ہے جو فقیر نے گزارش کیا **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**۔

ثم اقول: بلکہ حقیقت امر یہ ہے کہ مسئلہ وعدہ خود ہی مشکل ہے بلکہ اُس سے بھی صاف تر مسئلہ رجا اور اُس کا اور مسئلہ ظن قرب کا فرق اکابر محققین امام اجل عبدالعزیز بخاری اور امام قوام کاکی و امام اکمل بابرتی و امام کمال ابن الہمام وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم نے مشکل سمجھا اور لاحل چھوڑ دیا،

[1] بدائع الصنائع فصل ماشرائط الرکن فانواع مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۴۹

واللہ المسئول لحل کل اشکال*ودفع کل اعضال*ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم المتعال*

اور خدا ہی سے ہر اشکال کے حل، اور ہر پیچیدگی کے دفعیہ کا سوال ہے۔ اور کوئی طاقت و قوت نہیں مگر بلند باعظمت برتر خدا ہی سے۔ (ت)

اما مسالۃ الوعد فلم ازل استشکلھا لان الوعد لایورث الارجاء فی المال والرجاء فی القابل لایرفع العجز المتحقق فی الحال فکیف یقال انہ بمجرد الوعد صار قادرا علی الماء قال فی التبیین راجی(ا) الماء یستحب لہ التاخیر ولایجب لان العدم ثابت حقیقۃ فلایزول حکمہ بالشك عـہ [1] اھ وفی الھدایۃ وعن ابی حنیفۃ وابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنھما فی غیر روایۃ الاصول ان التأخیر حتم لان غالب الرأی کالمتحقق وجہ الظاھر ان العجز ثابت حقیقۃ فلایزول حکمہ الابیقین مثلہ [2] اھ

مسئلہ وعدہ کو تو میں ہمیشہ مشکل سمجھتا رہا۔ اس لئے کہ وعدہ صرف زمانہ آئندہ میں امید پیدا کرتا ہے اور مستقبل میں امید حال میں متحقق عجز کو ختم نہیں کرتی پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ محض وعدہ سے پانی پر قادر ہوگیا۔ تبیین میں ہے: پانی کی امید رکھنے والے کیلئے نماز کو مؤخر کرنا مستحب ہے، واجب نہیں۔ اس لئے کہ پانی کا نہ ہونا حقیقۃً ثابت ہے تو شک سے اس کا حکم زائل نہ ہوگا" اھ۔ ہدایہ میں ہے: "امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما سے غیر روایت اصول میں مروی ہے کہ مؤخّر کرنا لازم ہے اس لئے کہ غالب گمان، متحقق کی طرح ہے۔ ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ عجز حقیقۃً ثابت ہے تو اس کا حکم ویسے ہی یقین کے بغیر زائل نہ ہوگا اھ"۔

عـہ **اقول:** اراد بالشك مایقابل الیقین بدلیل مایتلوہ من نص الھدایۃ وقد قال فی البنایۃ وفی الشلبیۃ عن الدرایۃ کلیھما عن الایضاح المراد بالرجاء غلبۃ الظن ای یغلب علی ظنہ انہ یجد الماء فی اٰخر الوقت [3] اھ ومثلہ فی البحر وغیرہ منہ غفرلہ (م)

شک سے وہ مراد لیا ہے جو یقین کا مقابل ہو اس کی دلیل ہدایہ کی عبارت ہے جو اس کے بعد آرہی ہے۔ بنایہ میں ہے اور شلبیہ میں درایہ کے حوالہ سے پھر بنایہ و درایہ دونوں ہی ایضاح سے ناقل ہیں کہ امید سے مراد غلبہ ظن ہے یعنی اس کا غالب گمان یہ ہو کہ آخر وقت میں پانی مل جائے گا اور اسی کے مثل بحر وغیرہ میں ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] تبیین الحقائق باب التیمم مطبعۃ امیریہ بولاق مصر ۱/۴۱

[2] حاشیہ شلبی علی تبیین الحقائق باب التیمم امیریہ بولاق مصر ۱/۴۱

[3] الھدایہ باب التیمم مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۳۶

وعزاہ فی الحلیۃ لھا ولغیرھا والمسألۃ معلومۃ دوّارۃ فی المتون والشروح والفتاوی وھی تعطی قطعا ان رجاء القدرۃ فی الماٰل لایرفع العجز فی الحال باجماع اصحابنا فی روایات الاصول فیجب ان لایعد قادرا بالوعد وانما یؤمر بالانتظار استحبابا ان وقع الوعد قبل الصلاۃ وان وعد بعدھا لم یبطل صلاۃ صحت بیقین کمالوحصل لہ رجاء الوجدان آخر الوقت بعد ماصلی فان مالا یمنع التیمم وجودہ لایرفعہ حدوثہ حین حدث فضلا عماسبق اما الفرق بان القدرۃ علی الماء تثبت بالاباحۃ اجماعا فیجب الانتظار بخلاف غیرہ کثوب ودلو فلاتثبت عند الامام فیستحب وعندھما نعم فیجب **فاقول:** الوعد لیس اباحۃ فی الحال بل ایراث رجائھا فی الماٰل فبون بین بین قولہ اعطیب وقولہ ساعطی۔

حلیہ میں اس پر ہدایہ اور دوسری کتاب کا بھی حوالہ دیا ہے۔اور یہ مسئلہ معلوم ومعروف ہے متون، شروح اور فتاوٰی میں کثرت سے گردش کرنے والا ہے،اور اس سے قطعی طور پر یہ پتا چلتا ہے کہ مستقبل میں قدرت کی امید، حال میں پائے جانے والے عجز کو ختم نہیں کرتی۔اس پر روایات اصول میں ہمارے اصحاب کا اجماع ہے۔تو ضروری ہے کہ وعدہ کی وجہ سے اسے قادر نہ شمار کیا جائے، صرف استحبابًا اسے انتظار کا حکم دیا جائے گا اگر قبل نماز وعدہ ہُوا،اور اگر بعد نماز وعدہ ہُوا تو یہ ایک ایسی نماز کو باطل نہیں کرسکتا جو بالیقین صحیح ادا ہوئی جیسے اس صورت میں جب کہ ادائے نماز کے بعد آخر وقت میں اسے پانی ملنے کی امید پیدا ہوئی اس لئے کہ جس چیز کی موجودگی تیمّم سے مانع نہیں ہوتی اس کا حدوث بوقت حدوث بھی تیمّم کو ختم نہیں کرسکتا بوقت سابق ختم کرنا تو درکنار۔یہ فرق کہ پانی پر قدرت بالاجماع اباحت سے ثابت ہوجاتی ہے تو اس کا انتظار واجب ہے،دوسری چیز جیسے کپڑے اور ڈول کا یہ حال نہیں اس میں امام صاحب کے نزدیک اباحت سے قدرت ثابت نہیں ہوتی تو انتظار صرف مستحب ہے اور صاحبین کے نزدیک اس میں بھی قدرت ثابت ہوتی ہے تو انتظار واجب ہے (اس پر مجھے کلام ہے) **فاقول:** وعدہ فی الحال اباحت نہیں بلکہ اس سے صرف آئندہ زمانہ میں امید پیدا ہوتی ہے۔کسی کے یہ کہنے میں کہ "میں نے دیا" اور یہ کہنے میں کہ "آئندہ دوں گا" کھُلا ہوا فرق ہے۔(ت)

اما ان الظاھر الوفاء فکان قادرا علی استعمال الماء ظاھرا **فاقول:** الماء معدوم عندہ بعد

اب رہی یہ بات کہ ظاہر وفائے وعدہ ہے توظاہرًا پانی کے استعمال پر قادر ہوا فاقول (تو اس پر میں کہتا ہوں کہ) پانی اس کے نزدیک

ولاقدرة علی المعدوم کیف وقد قال فی البحر فی مسألة من نسی الماء فی رحله ھذا لانه لاقدرة بدون العلم لان القادر علی الفعل ھو الذی لواراد تحصیله یتأتی له ذلك ولاتکلیف بدون القدرة [1] اھ ومعلوم ان الموعود له لیس الامر بیده حتی یتأتی له تحصیل الوضؤ بارادته بل ھو بید الواعد فلم تثبت القدرة۔

اب بھی معدوم ہے اور معدوم پر قدرت نہیں۔یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ البحرالرائق میں اپنے خیمہ یا کجاوہ میں رکھاہُوا پانی بھُول جانے والے کے مسئلہ میں یہ لکھا ہے: "یہ اس لئے کہ بغیر علم کے قدرت نہیں اس لئے کہ فعل پر قادر وہی ہے کہ اگر اس فعل کو بروئے ثبوت لاناچاہے تو لاسکے اور قدرت کے بغیر کوئی مکلّف نہیں ہوتا"اھ یہ معلوم ہے کہ جس سے وعدہ کیا گیاہے معاملہ اس کے ہاتھ میں نہیں کہ وہ چاہے تو وضو کرے بلکہ یہ وعدہ کرنے والے کے ہاتھ میں ہے تو قدرت ثابت نہ ہوئی۔(ت)

فان قلت الیس اذا اعطاہ بعد الصلاة بلا اباء بطلت فقد عد بالعطاء اللاحق قادرا فی السابق وسیاق التصریحبه عن الزیادات وجامع الکرخی والبدائع والحلیة انه ظھر انه کان قادرا لان البذل بعد الفراغ دلیل البذل قبله [2] اھ مع ان الماء کان معدوماعنده اذذاك والمعدوم غیرمقدور فلم لایجعل قادرابالوعدوان کان الماء معدوما عنده بعد بل ھذا اولی لانه علی شرف الحصول اماماضی فلایمکن ان یجعل غیرالحاصل فیه حاصلا۔

اگر یہ سوال ہو کہ کیاایسا نہیں کہ جب بعد نماز اسے بلاانکار دے دے تو نماز باطل ہوگئی،اس سے ظاہر ہوا کہ بعد میں دینے سے سابق میں اس کو قادر شمار کیا گیا۔اس کی تصریح زیادات،جامع کرخی،بدائع اور حلیہ کے حوالوں سے آرہی ہے کہ "ظاہر ہوگیا کہ وہ قادر تھا اس لئے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دے دینااس بات کی دلیل ہے کہ پہلے بھی دے دیتا"۔اھ۔باوجودیکہ پانی اس وقت اس کے پاس معدوم تھااور معدوم مقدور نہیں۔تو وعدے کی وجہ سے بھی اس کو قادر کیوں نہ قرار دیا جائے اگرچہ اس کے پاس پانی اب بھی معدوم ہے۔بلکہ یہبدرجہ اَولٰی ہوگا اس لئے کہ وہ آئندہ حصول کی راہ میں ہے اور جو زمانہ گزر چکا اس میں تو غیر حاصل کو حاصل بنانا ممکن ہی نہیں۔(ت)

[1] البحرالرائق باب التیمم مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۶۰

[2] البدائع الصنائع باب التیمم مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۹

اقول: وباللہ التوفیق لیست القدرۃ المانعۃ للتیمم بمعنی الاستطاعۃ فانھا لاتکون قبل الفعل وان کان الماء بکفه بل(۱) بمعنی سلامۃ الاسباب والاٰلات بحیث لایبقی شیئ ممایتوقف علیه تحصیل الماء خارجا عن قبضته فیکون قادرا بمعنی ان تحصیله بیدہ ویشترط مع ذلك عدم الحرج فمن بعد الماء عنه میلا وھو قادر علی المشی فقد سلمت له الاسباب وعد عاجزا للحرج ثم غالب الظن کالیقین الاتری ان من ظن قرب الماء عدقادرا علیه مع انه لایعلمه حقیقۃ والظن ربما یخطی اذاعلمت ھذا فمن اُعطی لاحقا حصل له الظن علی العطاء سابقالو سأل فثبت ظنا وھو کالثبوت یقینااًنه کان قادرا اذذاك علی تحصیل الماء بالسؤال فکان قادرا علی الماء لان القدرۃ الحسیۃ بالعطاء وماکان بینه وبینالعطاء الا السؤال کماظھر بالبذل اللاحق بالسؤال وان کان بدون سؤال فبالاولی وقد کان السؤال بیدہ وترکه عالما بالماء عندہ فکان کمن یکون علی راس البئر وفیھا ماء وبیدہ الدلو والرشاد وھو قادر علی الاستقاء فترك وتیمم وبالجملۃ ظھر بالبذل اللاحق انه لواراد تحصیله سابقا لتأتی

میں اس کے جواب میں کہوں گا اور خدا ہی سے توفیق ہے، وہ قدرت جو تیمّم سے مانع ہے بمعنی استطاعت نہیں۔ اس لئے کہ یہ تو فعل سے پہلے ہوتی ہی نہیں اگرچہ پانی اس کی ہتھیلی میں ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ یہ قدرت بمعنی سلامتِ اسباب وآلات ہے اس طرح کہ جتنی چیزوں پر تحصیل آب موقوف ہے ان میں سے کوئی بھی اس کے قبضہ سے باہر نہ رہ جائے تو وہ قادر ہوگا اس معنی میں کہ اس کی تحصیل اس کے ہاتھ میں ہے۔ اُس کے ساتھ یہ شرط بھی ہوگی کہ حرج نہ ہو کیونکہ پانی جس سے ایک میل دُور ہے اور اسے چلنے کی قدرت بھی ہے تو اس کیلئے سلامت اسباب تو موجود ہے پھر بھی حرج کے باعث اسے عاجز شمار کیا گیا۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ غالب ظن، یقین کی طرح ہے۔ دیکھیے جسے پانی قریب ہونے کا ظن ہو اسے پانی پر قادر شمار کیا گیا ہے حالانکہ حقیقۃً اسے پانی کا علم نہیں۔ اور ظن تو بارہا غلط بھی ہوتا ہے۔ جب یہ سب معلوم ہوگیا تو اب دیکھئے جسے بعد میں پانی دے دیا گیا اسے یہ گمان حاصل ہوا کہ اگر مانگتا تو وہ پہلے بھی دے دیتا تو ظنًّا ثبوت ہوا۔ اور یہ یقینا ثبوت کی طرح ہے۔ کہ وہ اس وقت کے سوال کے ذریعہ تحصیل آب پر قادر تھا۔ تو وہ پانی پر قادر ہوا اس لئے کہ حسّی قدرت تو دینے ہی سے ہوتی ہے۔ اور اس کے اور دینے کے درمیان صرف سوال ہی کا فاصلہ تھا۔ جیسے اس کا قادر ہونا بعد میں سوال پر دینے سے ظاہر ہوتا ہے اور بغیر سوال دینا ہو تو بدرجہ اولٰی۔ اور سوال اس کے

له لعدم توقفه الاعلی سؤاله المقدور له وهذا هو معنی القدرة بخلاف الموعود له فان التوقف ههنا علی الوفاء ولیس الوفاء بیده فقد ظهر الفرق والحمدلله ربّ العٰلمین۔

ہاتھ میں تھا جسے اس نے ترک کر دیا جبکہ جانتا تھا کہ اس کے پاس پانی ہے تو یہ اس شخص کی طرح ہوا جو کسی کُنوئیں پر ہو جس میں پانی بھی ہے اور اس کے ہاتھ میں ڈول رسّی موجود ہے، پانی کھینچنے پر قدرت بھی ہے مگر اس نے پانی نہ نکالا اور تیمّم کر لیا۔ مختصر یہ کہ بعد میں دینے سے ظاہر ہو گیا کہ اگر وہ سابق میں پانی حاصل کرنا چاہتا تو میسر آ جاتا کیونکہ وہ صرف اس کے مانگنے پر موقوف تھا اور مانگنا اس کی قدرت میں ضرور تھا۔ یہی قدرت کا معنٰی بھی ہے۔ بخلاف اس شخص کے جس سے پانی کا وعدہ ہوا اس لئے کہ یہاں موقوفی وفا پر رہے اور وفا اس کے ہاتھ میں نہیں۔ اس بیان سے دونوں میں فرق واضح ہو گیا۔ اور ساری خوبیاں سارے جہانوں کے مالک خدا ہی کیلئے ہیں۔ (ت)

فان قلت الیس قد اوجبوا الطلب وابطلوا الصلاۃ قبله فیما اذاکان فی العمرانات اوقربها مطلقا اوفی الفلاۃ وقد اخبر بقرب الماء اوظنه بوجه اٰخر من رؤیة خضرۃ وغیرها کماقدمته فی خامس افادات شرح الحد الرضوی واثرت ثمه عن الحلیة ان العلم بقرب الماء قطعا اوظاهرا ینزله منزلة کون الماء موجودا بحضرته فلایجوز تیممه کمالایجوز مع وجوده بحضرته [1] اھ فکذلك ههنا وان کان الماء معدوما ینزله ظن الوفاء لانه هو الظاهر من المسلم منزلة الموجود فلایجوزله التیمم۔

اگر یہ سوال ہو کہ کیا ایسا نہیں کہ فقہاء نے پانی تلاش کرنا واجب اور اس سے پہلے ادائے نماز کو باطل قرار دیا ہے جب وہ آبادی یا قربِ آبادی میں ہو تو مطلقًا یا بیابان میں ہو تو اس وقت جب اسے بتایا گیا ہو کہ پانی قریب ہے یا کسی دوسرے طریقہ مثلًا ہریالی وغیرہ دیکھ کر اسے گمان ہوا ہو جیسا کہ شرح تعریف رضوی کے افادہ پنجم میں اس کا بیان ہو چکا ہے اور وہاں حلیہ سے یہ بھی نقل ہوا ہے کہ "پانی قریب ہونے کا قطعًا یا ظاہرًا علم ہو جائے تو یہ پانی اس کے پاس موجود ہونے کی منزل میں لا اتارتا ہے تو اسے تیمّم کرنا جائز نہیں ہوتا جیسے پاس موجود ہونے کی صورت میں جائز نہیں ہوتا" اھ تو اسی طرح یہاں پانی اگرچہ معدوم ہے ظنِّ وفا اس لئے کہ مسلم سے وہی ظاہر ہے اسے موجود کی منزل میں لا اتارے گا تو اس کے لئے تیمّم جائز نہ ہو گا۔ (ت)

[1] حلیہ

اقول: ولربی الحمد علی الخبیر سقطت* وفی القیاس غلطت*فرق عظیم بین المسألتین القرب والعطاء کلاھما مانع عن التیمم لحصول القدرۃ بھما فان الشرع المطھر جعل ماکان دون میل کالذی بیدہ والالجاز لمن بیتہ علی شط البحر التیمم اذالم یجد الماء فی بیتہ کماتقدم فی نمرۃ عن العنایۃ والظن الغالب فی العمل کالعلم ومع علم المانع لامساغ للتیمم بیدان القریب لماکان مقدورا حقیقۃ شرعا فی الحال کماعلمت کان ظن القرب ظن انہ مقدور الاٰن وانہ حاصل بحضرتہ فی اعتبار الشرع المطھر وھھنا ظن الوفاء ظن انہ سیحصل مع العلم القطعی بانہ غیرحاصل فی الحال فذلك علم ان المانع موجود وھذا علم انہ سیحدث ان وفی توقع حدوث المانع لایمنع التیمم۔

وھذا ماقدمت فی الظفر لقول زفر انہ اذا ادرک الوقت فاراد الصلاۃ لاینھی عنھاولاینظر الا الی حالتہ الراھنۃ وقلت قبلہ فیہ ان الطاعۃ بحسب الاستطاعۃ قال ربنا تبارك و

اقول: (جوابًا میں کہوں گا) اور میرے رب ہی کیلئے حمد ہے باخبر سے سوال کیا اور قیاس میں غلطی کی۔دونوں مسئلوں میں عظیم فرق ہے قربِ آب اور عطائے آب دونوں ہی تیمّم سے مانع ہیں کیونکہ دونوں سے قدرت حاصل ہوجاتی ہے۔اس لئے کہ جو پانی ایک میل سے کم دُوری پر ہو شرع مطہر نے اسے اس پانی کی طرح قرار دیا ہے جو ہاتھ میں موجود ہو۔ورنہ سمندر کے کنارے جس کا گھر ہو اس کیلئے یہ جائز ہوتا کہ گھر میں پانی نہ پائے تو تیمّم کرلے جیسا کہ نمبر۹۱ میں عنایہ کے حوالہ سے گزرا۔اور ظنّ غالب حق عمل میں یقین کی حیثیت رکھتا ہے۔اور مانع کا یقین ہوتے ہوئے تیمّم کی کوئی گنجائش نہیں۔مگر یہ ہے کہ آب قریب چونکہ ازرُوئے شرع فی الحال حقیقۃً مقدور ہے جیسا کہ معلوم ہوا تو قرب کا گمان اس امر کا گمان ہے کہ پانی اِس وقت مقدور ہے اور وہ شرع مطہر کے اعتبار میں اس کے پاس حاصل ہے اور یہاں وفائے وعدہ کا گمان اس بات کا گمان ہے کہ پانی آئندہ حاصل ہوگا۔ساتھ ہی اس بات کا قطعی علم ہے کہ وہ فی الحال حاصل نہیں۔تو اس بات کا علم ہے کہ مانع موجود ہے۔اور یہ اس بات کا کہ مانع پیدا ہوگا اگر اس نے وعدہ وفا کردیا اور مانع کے پیدا ہونے کی توقع تیمّم سے مانع نہیں۔(ت)

یہی بات میں رسالہ "الظفر لقول زفر" میں بیان کرچکا ہُوں کہ جب وقت ہوگیا اور اس نے نماز ادا کرنی چاہی تو اسے اس سے روکا نہ جائے گا اور صرف اس کی موجودہ حالت دیکھی جائے گی۔اس سے پہلے اس رسالہ میں مَیں نے لکھا ہے کہ

تعالٰی ··· اللہَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ [1] ولاینظر الا الی الحالة الراھنة واستشھدت علیه بمسألة الراجی ھذہ ان لیس علیه التأخیر وبمسألة الدر امرہ الطبیب بالاستلقاء الخ وستأتی عن البنایة سبع مسائل ومن زیاداتنا سبع أخر تشھد لھذا ومن ذلك مامر فی نمرۃ۹۰ من مسألة عار وُعدثو باله ان یصلی عاریا ولاینتظر ھذا ھو مذھب امام المذھب رضی الله تعالٰی عنه،والاٰن رأیت فی الغنیة فی مسألة الراجی نفسھا (یستحب ان یؤخر) ولولم یفعل وتیمم وصلی جاز لانه اداھا بحسب قدرته لموجودۃ عند انعقاد سببھا وھو مااتصل به الاداء [2]اھ ثم بنعمة ربی وله الحمد رأیت بعد قلیل من الحین لامام الاجل ابالبرکات النسفی رحمه الله تعالٰی فی الکافی فرّق بعین ما وفقنی ربی من انه این الحاصل مما سیحصل کماسأذکر نصه ان شاء الله تعالٰی ولله الحمد فی الاولی والاخری ھذا ماکان یتخالج صدری فی مسألة الوعد۔

"طاعت، حسبِ استطاعت ہوتی ہے۔ ہمارے رب تبارک وتعالٰی کا ارشاد ہے۔ تو تم خدا سے ڈرو جتنی تمہیں استطاعت ہو اور موجودہ حالت ہی دیکھی جائے گی۔ اس پر میں نے پانی کی امید رکھنے والے کے اس مسئلہ سے استشہاد بھی کیا ہے کہ اس پر نماز مؤخر کرنا لازم نہیں۔ اور درمختار کے اس مسئلہ سے کہ طبیب نے اسے چِت لیٹنے کا مشورہ دیا الخ۔ عنقریب بنایہ کے حوالہ سے سات مسائل آرہے ہیں۔ اور ہمارے اضافہ سے سات اور، وہ سب اس پر شاہد ہیں۔ اسی میں سے وہ مسئلہ بھی ہے جو نمبر۹۰ میں گزرا کہ کوئی برہنہ بدن ہے جس سے کپڑے کا وعدہ کیا گیا ہے اس کیلئے برہنہ نماز ادا کرنا اور انتظار نہ کرنا، جائز ہے۔ یہی امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے۔ اور اب میں نے غنیہ میں خود امید آب والے کا مسئلہ دیکھا جو اس طرح ہے: (تاخیر مستحب ہے) اور اگر نہ کی اور تیمّم کرکے نماز پڑھ لی تو جائز ہے اس لئے کہ اس نے اپنی اس قدرت کے مطابق نماز ادا کی جو سبب نماز کے انعقاد کے وقت موجود تھی اور سبب نماز وہ وقت ہے جس سے متصل نماز ادا ہوئی اھ پھر بانعامِ ربانی اور اس کا شکر ہے۔ تھوڑے دنوں بعد میں نے دیکھا کہ امام اجل ابو البرکات نسفی رحمہ اللہ تعالٰی نے کافی میں بعینہٖ وہی فرق بیان کیا ہے جس کی میرے رب نے مجھے توفیق دی کہ کہاں وہ جو حاصل ہے اور کہاں وہ جو آئندہ حاصل ہوگا۔ جیسا کہ ان کی عبارت عنقریب ذکر کروں گا اگر خدائے برتر کی مشیت ہوئی۔ اور خدا ہی کیلئے حمد ہے دنیا وآخرت میں۔ یہ وہ باتیں ہیں جو مسئلہ وعد سے متعلق میرے دل میں خلجان کررہی تھیں۔ (ت)

---

[1] القرآن ۱۶/۶۴

[2] غنیۃ المستملی فصل فی التیمم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۴

واما مسألة الرّجاء وما عللها به فی الهدایة، فاعترضه الامام الاجل الشیخ عبدالعزیز ثم الامام قوام الدین الکاکی ثم الامام اکمل الدین البابرتی ثم الامام المحقق علی الاطلاق بوجهین عـــہ۱ قال فی الفتح علی عبارة الهدایة المذکورة قوله عـــہ۲ لان	اب **مسئلہ امید** اور ہدایہ میں بیان شدہ اس کی تعلیل پر ۱؎ کلام کیا جاتا ہے۔ اس پر امام اجل شیخ عبدالعزیز، پھر امام قوام الدین کاکی، پھر امام اکمل الدین بابرتی، پھر امام محقق علی الاطلاق نے دو وجہوں سے اعتراض کیا ہے۔ فتح القدیر میں ہدایہ کی مذکورہ عبارت پر یہ کلام ہے: "ان کا قول: "اس لئے

عـــہ۱ التعلیل یرد علیه الوجهان وعلی الحکم الوجه الاول فقط کماسیاتی ۱۲ منه غفرله (م)

تعلیل پر دونوں وجہوں سے اعتراض ہوتا ہے اور حکم پر صرف وجہ اوّل سے اعتراض ہوتا ہے جیسا کہ آرہا ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

(عـــہ۲ قوله قوله مبتدء خبره یقتضی وقوله مع انه منظور فیه متعلق بقوله یقتضی **اقول:** والمقصود الایراد علی وجه ظاهر الروایة وانما اشرك معه تعلیل الروایة النادرة لان النظر الاول یبتنی علی ان ظاهر الروایة لم یعتبره فهما نظران حاصل الاول کیف قلتم لایزول الابیقین مثله ولم تجعلوا غالب الرأی کالمحقق مع انکم اعتبرتموه فی مسألتی العمرانات و

ان کی عبارت میں "**قوله**" (ان کا قول) مبتدا ہے۔ اس کی خبر ہے "**یقتضی**" (مقتضی ہے) اور ان کی عبارت "**مع انه منظور فیه**" (باوجودیکہ اس میں کلام ہے) ان کی عبارت "**یقتضی**" سے متعلق ہے **اقول:** مقصد ظاہر الروایۃ کی وجہ پر اعتراض کرنا ہے۔ اس کے ساتھ روایت نادرہ کی تعلیل کو اس لئے شریک کرلیا کہ پہلا اعتراض اس پر مبنی ہے کہ ظاہر الروایہ نے اس کا اعتبار نہ کیا تو یہ دو اعتراض ہوئے۔ پہلے کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے

(باقی برصفحہ آئندہ)

۱؎ امید کی صورت میں روایت نادرہ میں یہ حکم ہے کہ نماز مؤخر کرنا واجب ہے جس کی تعلیل ہدایہ میں یہ ہے کہ "غالب رائے متحقق کی طرح ہے" یعنی غلبہ ظن کو حق عمل میں یقین کی حیثیت حاصل ہے۔ اور ظاہر الروایہ میں اس کا حکم یہ ہے کہ تاخیر صرف مستحب ہے واجب نہیں، ہدایہ میں اس کی تعلیل یہ ہے کہ "عجز حقیقۃً ثابت ہے تو ویسے ہی یقین کے بغیر اس کا حکم زائل نہ ہوگا" مسئلہ وعد پر کلام کے شروع میں یہ باتیں گزرچکی ہیں ۱۲ محمد احمد مصباحی

| غالب الرأی کالمتحقق مع قولہ فی وجہ ظاھر الروایۃ ان العجز ثابت حقیقۃ فلایزول حکمہ الابیقین مثلہ انہ منظور فیہ بان التیمم فی العمرانات وفی الفلاۃ اذااخبر بقرب الماء اوغلب علی ظنہ بغیرذلك لایجوز قبل الطلب اعتبارالغالب الظن کالیقین یقتضی انہ لوتیقن وجود الماء فی اٰخر الوقت لزمہ التأخیرعلی ظاھر الروایۃ لکن المصرح بہ خلافہ علی ماتقدم اول الباب انہ اذاکان بینہ وبین الماء میل جاز التیمم من غیرتفصیل وفی الخلاصۃ المسافر اذاکان علی تیقن من وجود الماء اوغالب ظنہ علی ذلك فی اٰخر الوقت فتیمم فی اول الوقت وصلی ان کان بینہ وبین الماء مقدار میل جاز وان کان اقل ولکن یخاف الفوت لایتیمم[1] اھ وقد فصلہ اتم تفصیل | کہ غالب رائے، متحقق کی طرح ہے،ظاہر الروایہ کی وجہ میں ان کے اس قول کے ساتھ کہ "عجز حقیقۃً ثابت ہے تو اس کا حکم ویسے ہی یقین کے بغیر زائل نہ ہوگا" باوجودیکہ ایک تو اس میں یہی کلام ہے کہ غالب ظن کو یقین کی طرح ماننے کے باعث پانی تلاش کرنے سے پہلے آبادیوں میں تیمّم جائز نہیں اسی طرح بیابانوں میں بھی جبکہ اسے یہ بتایا گیا ہو کہ قریب میں پانی ہے یا کسی اور طرح اسے پانی کا غلبہ ظن ہوا ہو (دوسرے یہ کہ ان کا وہ قول) اس کا مقتضی ہے کہ اگر اسے یقین ہو کہ آخر وقت میں پانی مل جائے گا تو ظاہر الروایہ کے مطابق اسے نماز مؤخر کرنا لازم ہے لیکن اس کے برخلاف جیسا کہ اول باب میں گزرا یہ تصریح موجود کہ جب اس کے اور پانی کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہو تو تیمّم جائز ہے اس میں کوئی تفصیل نہیں اور خلاصہ میں ہے کہ مسافر کو جب آخر وقت میں پانی ملنے کا یقین یا غلبہ ظن ہو پھر بھی وہ اول وقت میں تیمّم |

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

| الفلاۃ وحاصل الثانی ان قولکم ھذا یقتضی ان لوتیقن وجدان الماء فی اٰخر الوقت لم یجزلہ التیمم لانہ معارض اذن بیقین مثلہ مع ان المصرح بہ خلافہ ۱۲منہ غفرلہ (م) | کیسے کہا کہ ویسے ہی یقین کے بغیر زائل نہ ہوگا اور آپ نے غالب رائے متحقق کی طرح کیوں نہ قرار دیا جب کہ آبادیوں اور بیابانوں کے دونوں مسئلوں میں آپ نے اس کو مانا ہے اور دوسرے اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ آپ کا یہ قول اس کا مقتضی ہے کہ اگر اسے آخر وقت میں پانی ملنے کا یقین ہو تو اس کیلئے تیمّم جائز نہ ہو کیونکہ ایسی صورت میں ویسا ہی یقین اس کے معارض مل گیا حالانکہ تصریح اس کے برخلاف موجود ہے۔(ت) |

[1] فتح القدیر باب التیمم نوریہ رضویہ سکھّر ۱/۱۲۰

الامام الاجل البخاری ونقل کلامه فی العنایة والدرایة وھذا لفظ الاکمل قال قوله لان غالب الرأی کالمتحقق قال الشیخ عبدالعزیز ھذا التعلیل مشکل لانه یقتضی ان یجب التأخیرعند التحقق فی اٰخر الوقت مع بعد المسافة فی الروایات الظاھرة لیصح مقیسا علیه ولیس کذلك فانه ذکر فی اول الباب ان من کان خارج المصر یجوزله التیمم اذاکان بینه وبین الماء میل اواکثر، وفی الخلاصة وعامة النسخ المسافر اذاکان علی تیقن من وجود الماء فی اٰخر الوقت اوغالب ظنه ذلك جاز له التیمم اذاکان بینه وبین الماء میل اواکثر وان کان اقل لایجوز وان خاف فوت الصلاۃ فلوحمل ھذا یعنی التعلیل علی ان المراد ان التیمم لایجوز فی المتحقق فی غیرروایة الاصول فالحق به غالب الظن فی ھذه الروایة لم یستقم ایضالانه علل وجه ظاھر الروایة بان العجز ثابت حقیقة فلایزول حکمه الابیقین مثله وذلك یقتضی ان حکم العجزوھوجوازالتیمم یزول عندالتیقن بوجود الماء فی ظاھرالروایة ولیس کذلك علی مابیناولوحمل علی ان ھذا فیما اذاکان بینه وبین ذلك الموضع اقل من میل لم یستقم ایضا لانه لافرق	کرکے نماز پڑھ لے تو اگر اس کے اور پانی کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہو تو جائز ہے۔اور اگر کم ہو لیکن نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمّم نہ کرے"اھ امام اجل عبدالعزیز بخاری نے اس کی بھرپور تفصیل فرمائی ہے اور ان کا کلام عنایہ اور درایہ میں نقل ہوا ہے۔عنایہ اکمل الدین بابرتی کے الفاظ یہ ہیں: ان کا قول"اس لئے کہ غالب رائے متحقق کی طرح ہے"۔اس پر شیخ عبدالعزیز نے فرمایا:اس تعلیل میں اشکال ہے اس لئے کہ اس کا اقتضایہ ہے کہ آخر وقت میں یقین کی صورت میں بُعد مسافت کے باوجود ظاہر روایات میں مؤخر کرنا واجب ہوتا کہ وہ مقیس علیہ ہوسکے حالانکہ ایسا حکم نہیں۔اس لئے کہ شروع باب میں وہ بتاچکے ہیں کہ"جو بیرونِ شہر ہو اس کیلئے تیمّم جائز ہے جب کہ اس کے اور پانی کے درمیان ایک میل یا زیادہ کا فاصلہ ہو"اور خلاصہ وعامہ کتب میں ہے کہ"مسافر کو جب آخر وقت میں پانی ملنے کا یقین یا غالب گمان ہو تو اس کیلئے تیمّم جائز ہے جبکہ اس کے اور پانی کے درمیان ایک میل یا زیادہ کا فاصلہ ہو اور اگر اس سے کم فاصلہ ہو تو تیمّم جائز نہیں اگرچہ نماز فوت ہوجانے کا اندیشہ ہو"۔تو اگر اس کا یعنی تعلیل کا محمل یہ ہو کہ"مراد یہ ہے کہ غیر روایت اصول میں چونکہ بصورت تحقق بھی تیمّم جائز نہیں اس لئے اس روایت میں غالب ظن کو بھی اس سے ملحق کردیا گاے"تو بھی بات نہیں بنتی۔اس لئے کہ ظاہر روایت کی انہوں نے علت یہ بتائی ہے کہ"عجز حقیقۃً ثابت ہے تو ویسے ہی یقین کے

فی تعلیل ظاھر الروایۃ بین غلبۃ الظن والیقین فیما اذاکانت المسافۃ اقل من میل فی عدم جواز التیمم کما انہ لافرق بینھما فیما اذاکانت المسافۃ اکثر من میل فی جواز التیمم ،وقدصرح فی اٰخر ھذا الباب انہ اذاغلب علی ظنہ ان بقربہ ماء لایجوز التیمم کمالوتیقن بذلك فعلم انہ مشکل بقی وجہ اٰخر وھو ان یحمل ھذا علٰی مااذالم یعلم ان المسافۃ قریبۃ اوبعیدۃ فلوثبت انہ تیقن بوجود الماء فی اٰخر الوقت فقدامن الفوات ولمالم یثبت بعد المسافۃ لتشکیك فیہ لم یثبت جواز التیمم فیجب التاخیراما لوغلب علی ظنہ ذلك وکذلك عندھما فی غیرروایۃ الاصول لان الغالب کالمتحقق وفی ظاھر الروایۃ لایجب التاخیرلان العجز ثابت لعدم الماء حقیقۃ وحکم ھذاالعجز وھو جواز التیمم لایزول الابیقین مثلہ وھو التیقن بوجود الماء فی اٰخر الوقت ولم یوجد فلایجب التاخیرولکن ھذا الوجہ لایخلوعن تمحل ویلزم علیہ انہ فرق ھھنابین غلبۃ الظن والیقین فی ظاھر الروایۃ ولم یفرق بینھما فیما اذاغلب علی ظنہ ان بقربہ ماء فی عدم جواز التیمم ولافیما اذاکانت المسافۃ بعیدۃ فی جواز التیمم کمابینافالاظھر

بغیر زائل نہ ہوگا"۔ یہ تعلیل اس کی مقتضی ہے کہ ظاہر الروایۃ میں حکم عجز جواز تیمّم پانی ملنے کے یقین کے وقت زائل ہوجائے۔ حالانکہ ایسا نہیں جیسا کہ ہم بتاچکے۔ اور اگر اس کا محمل یہ ہو کہ "یہ اس صورت میں ہے جب اس کے اور اس جگہ کے درمیان ایک میل سے کم فاصلہ ہو" تو بھی بات نہیں بنتی۔ اس لئے کہ تعلیل ظاہر الروایۃ میں ایک میل سے کم فاصلہ ہونے کی صورت میں، تیمّم ناجائز ہونے کے معاملہ میں غلبہ ظن اور یقین کے درمیان کوئی فرق نہیں جیسے کہ ان دونوں کے درمیان ایک میل سے زیادہ مسافت ہونے کی صورت میں تیمّم جائز ہونے کے معاملہ میں کوئی فرق نہیں۔ وہ خود اس باب کے آخر میں صراحت کرچکے ہیں کہ جب اسے قریب میں پانی ہونے کا غلبہ ظن ہو تو تیمّم جائز نہیں جیسے اگر اس کا یقین ہو تو تیمّم جائز نہیں معلوم ہوا کہ یہ تعلیل اشکال رکھتی ہے۔ ایک صورت اور رہ گئی وہ یہ کہ اس کا محمل وہ صورت ہو جب اسے یہ معلوم نہ ہو کہ مسافت قریب ہے یا بعید تو اگر یہ ثابت ہو کہ اسے آخر وقت میں پانی ملنے کا یقین ہے تو نماز کے فوت ہونے سے اس کو بے خوفی حاصل ہوگئی اور شک کی وجہ سے جب بُعدِ مسافت ثابت نہیں تو جواز تیمّم بھی ثابت نہیں، تو نماز مؤخر کرنا واجب ہے۔ لیکن اگر اُس کو اِس کا غلبہ ظن ہو تو بھی غیر روایت اصول میں شیخین کے نزدیک یہی حکم ہے اس لئے کہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے عجز حقیقۃً ثابت ہے اور اِس عجز کا

بقاء الاشکال[1] اھ ضمیر قال الی الامام البخاری وقد اقرہ العلامتان الکاکی والبابرتی رحم اللہ الجمیع ورحمنا بھم اٰمین۔

واقول: انما وجه الکلام الٰی ظاھر الروایة وتعلیلھا وصرفه الشیخ اجلالالھا الی الروایة النادرة ودلیلھا وجعل لھا اربعة محامل وردالکل وانا ارید تلخیصه مع الایضاح فقد خفی علی بعض اجلة الکبراء۔

فاقول: وباللہ التوفیق جعل محمله الاول تقدیران وجوب التاخیر عند تیقن الوجدان فی اٰخر الوقت متفق علیه بین الروایات الظاھرة والنادرة انما الخلاف عندالظن فقاسته النادرة علی الوفاقیة وردہ ببطلان ھذا التقدیر للتنصیص المتواتر علی جواز التیمم اذا بعد الماء میلا۔

اقول؛ ای وربما یتیقن فیه الوجدان فی اٰخر الوقت

حکم جواز تیمّم ویسے ہی یقین کے بغیر زائل نہ ہوگا۔اور وہ یہ ہے کہ آخر وقت میں پانی ملنے کا یقین ہو اور یقین نہ پایا گیا تو تاخیر واجب نہیں لیکن یہ صورت تکلّف سے خالی نہیں اور اس پر یہ اعتراض لازم آئے گا کہ ظاہر الروایہ میں انہوں نے یہاں غلبہ ظن اور یقین کے درمیان فرق کیا اور ان دونوں کے درمیان عدم جواز تیمّم میں اس صورت میں فرق نہ کیا جب اسے قریب میں پانی ہونے کا غلبہ ظن ہو نہ ہی جواز تیمّم میں اُس صورت میں فرق کیا جب مسافت بعید ہو جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔فرمایا: "تو اظہر یہی ہے کہ اشکال باقی ہے"اھ "فرمایا" کی ضمیر امام بخاری کیلئے ہے۔اس کلام کو علّامہ کاکی اور علامہ بابرتی نے بھی برقرار رکھا۔خدا ان سب حضرات پر رحمت فرمائے اور ان کی برکت سے ہم پر بھی رحمت فرمائے۔الٰہی! قبول فرما۔(ت) **واقول:** کلام کا رخ ظاہر الروایۃ اور اس کی تعلیل کی جانب ہی ہے مگر شیخ نے اس کی عظمت کے پیش نظر رخ روایت نادرہ اور اس کی دلیل کی طرف پھیر دیا ہے۔اور اس کے چار محمل نکالے ساتھ ہی ہر ایک کو رد بھی کر دیا میں اس کلام کی تلخیص کرنا چاہتا ہوں، ساتھ ہی توضیح بھی، کیونکہ یہ بعض جلیل بزرگوں پر واضح نہ ہو سکا۔(ت) **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) اور خدا ہی سے توفیق ہے: محمل اول: پہلا محمل اس تقدیر کو قرار دیا کہ آخر وقت میں پانی ملنے کا یقین ہو تو تاخیر نماز کے وجوب پر ظاہر ونادر سبھی روایات متفق ہیں۔اختلاف صرف ظن کی صورت میں ہے تو روایت نادرہ میں صورت ظن کا قیاس اُس صورت پر ہے جو متفق علیہ ہے۔اور اس کا رد یوں کیا کہ یہ ماننا ہی غلط ہے (کہ جب بھی آخر وقت میں پانی ملنے کا یقین ہو تو بالاتفاق تاخیر واجب ہے) اس لئے کہ اس کی متواتر تصریح آئی ہے کہ پانی

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر　باب التیمم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۲۰

فان المیل یقطع بسیر الوسط فی اقل من نصف ساعۃ ووقت الصبح والمغرب اوسع من ضعف ذلك فضلا عن سائر الاوقات۔

والثانی: ان فی کلیھما الاختلاف والحقت النادرۃ احد المختلفین بالاٰخر اقول وھو من ابعد المحامل اذلایبقی علی ھذا تعلیلا بل ایضاحا لخلافیۃ باخرٰی کعادۃ(۱)الامام الربانی محمد فی کتبہ وردہ بان جواب الظاھر اذن بالفرق بین الظن فلایجوز فیہ التیمم والیقین فیجوز وقد علم بطلانہ

اقول: ویمکن ان یجعل ردا للالحاق فقط وان کان بعیدا کذلك المحمل۔

والثالث: ان النادرۃ انما توجب التاخیر عند ظن الوجدان فیما اذاکان الفصل اقل من میل **اقول:** معناہ ان علم الماء قریبا لایجوزلہ التیمم ان ظن وجدانہ والاباَن ضاق الوقت جاز کما ھو قول زفر وردہ بان المذھب انما فرق بالقرب والبعد دون غلبۃ ظن الوجدان والیقین کمایعطیہ ماذکرہ

ایک میل دُور ہونے کی صورت میں تیمّم جائز ہے۔

اقول: کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اس صورت میں بارہاایسا بھی ہوگا کہ اسے آخر وقت میں پانی مل جانے کا یقین ہے اس لئے کہ ایک میل کا فاصلہ متوسط رفتار سے آدھ گھنٹہ سے کم میں طے ہوجاتا ہے جبکہ فجر ومغرب کا بھی وقت اس کے دوگنا سے زیادہ ہے دیگر اوقات کاتو اور بھی زیادہ ہوگا۔(ت)

محمل دوم: دونوں ہی میں اختلاف ہے اور روایت نادرہ نے ایک اختلافی کو دوسرے اختلافی سے لاحق کردیا **اقول:** یہ سب سے بعید تر محمل ہے اس لئے کہ پھر یہ تعلیل نہ رہ جائے گی بلکہ ایک اختلافی مسئلہ کی دوسرے اختلافی مسئلہ سے توضیح ہوگی جیسا کہ امام ربانی محمد بن الحسن کا اپنی تصانیف میں طریقہ ہے۔اس پر رد یہ ہے کہ پھر ظاہر الروایہ کا جواب یہ ہوگا کہ ظن ویقین میں فرق ہے۔ ظن کی صورت میں تیمّم جائز نہیں اور یقین کی صورت میں جائز ہے حالانکہ اس فرق کا بطلان معلوم ہوچکا ہے۔**اقول:** اسے صرف الحاق کارد بھی قرار دیا جاسکتا ہے اگرچہ یہ بھی اسی محمل کی طرح بعید ہے۔(ت)

محمل سوم: پانی ملنے کا گمان ہونے کی صورت میں روایت نادرہ تاخیر نماز کو اس وقت لازم کرتی ہے جب ایک میل سے کم فاصلہ ہو۔**اقول:** اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اسے علم ہو کہ پانی قریب ہے تو اگر اسے یہ گمان ہو کہ وقتِ نماز کے اندر پانی مل جائے گا۔ تو تیمّم جائز نہیں اور اگر یہ گمان نہ ہو اس طرح کہ وقت تنگ ہوچکا ہو تو تیمّم جائز ہے جیسا کہ یہ امام زفر کا قول ہے۔اس پر رد یہ ہے کہ مذہب میں صرف

فی وجه الظاھر فان کان الفصل میلا او اکثر جاز مطلقا والا لا مطلقا وبان المذھب بطلان التیمم عند ظن القرب کماصرح به اٰخر ھذا الباب فکیف یجیزہ مع العلم بالقرب لعدم التیقن بالوجدان ولیس معناہ ان یظن الوجدان لظنه الماء اقرب من میل فان کونه اقرب مفروض علی ھذا المحمل وسیاتی ایضاحه۔

والرابع: ان النادرۃ فیما اذاجھل الفصل وتقریرہ دلیلھا ان للتیمم مبیحا ومانعا اماالمبیح فالعلم ببعد المسافة واما المانع فالعلم بانه یجد الماء فی اٰخر الوقت والمبیح ھھنا غیر معلوم بالفرض والمانع لوکان متیقنا لم یجز له التیمم قطعا للامن من الفوات وھھنا ھو مظنون والمظنون کالمتیقن فلایجوز ایضا وجب التاخیر وحاصل جواب الظاھر ان للتیمم مصححا ومانعا فالمصحح العجز عن الماء وھو حاصل قطعا لان الماء معدوم حقیقة والمانع العلم بوجدانه فی اٰخر الوقت وھو غیر متیقن وان کان مظنونا فلایعارض المتیقن وردہ بان فیه تمحلا لتقیید

قُرب وبعد کی تفریق ہے پانی ملنے کے غلبہ ظن ویقین میں تفریق نہیں جیسا کہ یہ اس سے معلوم ہورہا ہے جو ظاہر الروایہ کی وجہ میں ذکر کیا کہ اگر فاصلہ ایک میل یا زیادہ ہو تو مطلقًا تیمّم جائز ہے ورنہ مطلقًا جائز نہیں۔ دُوسرا رد یہ ہے کہ مذہب یہ ہے کہ پانی قریب ہونے کا گمان ہو تو تیمّم باطل ہے جیسا کہ اس باب کے آخر میں اس کی تصریح فرمائی ہے پھر قریب ہونے کا علم ہونے کے باوجود اس وجہ سے تیمّم کیسے جائز کہہ دیں گے کہ وقت میں پانی ملنے کا یقین نہیں۔ یہ معنی نہیں کہ ایک میل سے کم ہونے کے گمان کی وجہ سے اسے پانی مل جانے کا گمان ہو اس لئے کہ اس محمل میں ایک میل سے کم ہونا تو فرض ہی کیا گیا ہے اس کی مزید توضیح بھی آرہی ہے۔ (ت)

محمل چہارم: روایت نادرہ اس صورت سے متعلق ہے جب اسے فاصلہ معلوم نہ ہو۔ اس کی دلیل کی تقریر یہ ہے کہ تیمّم کو ایک چیز مباح کرنے والی ہے اور ایک چیز ممنوع کرنے والی ہے۔ مبیح یہ ہے کہ بُعد مسافت کا علم ہو۔ مانع یہ ہے کہ اس بات کا علم ہو کہ آخر وقت میں پانی مل جائے گا اور فرض کیا گیا ہے کہ مبیح (یعنی بعد مسافت) یہاں نامعلوم ہے۔ اور مانع اگر متیقن ہو تو قطعًا اس کیلئے تیمّم جائز نہ ہوگا اس لئے کہ فوت نماز کا اندیشہ نہیں اور یہاں مانع متیقن نہیں مظنون ہے۔ مظنون بھی متیقن ہی کی طرح ہے تو بھی تیمّم کا جواز نہیں اور نماز مؤخر کرنا واجب ہے۔ اور ظاہر الروایۃ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ ایک چیز تیمّم کو صحیح قرار دینے والی ہے اور ایک چیز تیمّم کو ممنوع کرنے والی ہے۔ مصحح یہ ہے

اطلاق الروایات بقید لا اشارت الیہ فی کلام احد من الفریقین وھو الجھل بحال المسافۃ قربا وبعدا ولانہ بعید الانفھام من العبارۃ وبانہ یلزم ان ظاھر الروایۃ فرقت ھھنا بین الظن والیقین مع انھا سوت بینھما فی مسألتی القرب والبعد فلایجوز مع ظن القرب ویجوز مع ظن البعد کالعلم فی الفصلین فبقی الاشکال علی کل حال ھذا توضیح کلامہ رحمہ اللہ تعالٰی وقد علمت ان الکلام رحمہ اللہ تعالٰی وقد علمت ان الکلام علی کل وجہ انمایتوجہ الٰی تعلیل ظاھر الروایۃ ففیہ الاشکال یتوجہ الٰی تعلیل ظاھر الروایۃ ففیہ الاشکال کماسلکہ الامام الکمال*

وذکرالامام العینی فی البنایۃ کلام العنایۃ ھذا برمتہ عہ غیرانہ غیر قول الامام البخاری اما لوغلب علی ظنہ ذلک فکذٰلک عندھما بقولہ اما لوغلب علی ظنہ عدم بعد المسافۃ فذلک عندھما[1] اھ فجعل المشار الیہ قرب المسافۃ۔

کہ پانی سے عاجز ہو۔اور یہ قطعًا حاصل ہے اس لئے کہ پانی حقیقۃً معدوم ہے۔اور مانع یہ ہے کہ آخر وقت میں پانی ملنے کا علم ہو اور یہ یقینی نہیں اگرچہ مظنون ہے تو یہ متیقن کے معارض نہ ہوگا۔اس پر رَد یہ ہے کہ اس میں تلف ہے اس لئے کہ اس میں اطلاق روایات کی ایسی قید سے تقیید ہے جسکا فریقین میں سے کسی کے کلام میں کوئی اشارہ بھی نہیں۔اور وہ یہ قید ہے کہ مسافت کے قرب وبُعد کی حالت کا پتانہ ہو۔اور اس لئے بھی کہ عبارت سے یہ سمجھ میں آنا بہت بعید ہے۔اس پر دوسرا رَد یہ بھی ہے کہ یہ اعتراض لازم آئے گا کہ ظاہر الروایہ نے یہاں تو ظن ویقین کے درمیان فرق رکھا باوجودیکہ ان دونوں کے درمیان قرب وبُعد کے مسئلوں میں برادری رکھی کہ قُرب کا ظن ہو تو جائز نہیں اور بعد کا ظن ہو تو جائز ہے ویسے ہی جیسے کہ دونوں صورتوں میں علم ویقین کا حکم ہے۔تو اشکال بہرحال باقی رہا۔یہ شیخ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالٰی کے کلام کی توضیح ہے۔اور یہ معلوم ہوچکاکہ ہر وجہ پر کلام ظاہر الروایہ کی تعلیل کی جانب ہی متوجہ ہے کیونکہ اشکال اسی میں ہے۔جیساکہ اسی راہ پر امام کمال الدین ابن الہمام چلے ہیں۔امام عینی نے بنایہ میں عنایہ کا یہ کلام مکمل ذکر کیا۔صرف یہ فرق ہے کہ امام عبدالعزیز بخاری کی عبارت "امالوغلب علی ظنہ ذلك فکذلك عندھما (اگر اسے اس پر غلبہ ظن ہو تو بھی شیخین کے نزدیک یہی حکم ہے) کو بدل کر یہ لکھ دیا" اما

عــہ وجعلہ ملخصہ مع انہ لم یخرم منہ شیأا وکأنہ رحمہ اللہ تعالٰی اراد تلخیصہ ثم بدالہ الاستیفاء ۱۲ منہ غفرلہ۔(م)

اور انہوں نے اسے اس کا ملخص قرار دیا باوجودیکہ اس میں سے کچھ بھی کم نہ کیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام عینی رحمہ اللہ تعالٰی کا پہلے تلخیص کا ارادہ تھا پھر یہ خیال ہوا کہ پورا کلام ہی بیان کردیں۔(ت)

[1] البنایہ المعروف عینی شرح ہدایہ باب التیمم المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمہ ۱/ ۳۲۷

اقول: وھو(۱) باطل قطعاً فان عند ظن القرب یجب التاخیر اجماعا طفحت بذلك کتب المذھب لانھا روایة نادرة والمذھب خلافھا بل الاشارة الی وجود الماء فی اٰخر الوقت انه ان غلب ھذا علی ظنه فکذلك عندھما کمالایخفی وقد(۲) اوضحه بقوله فی جواب الظاھر لایزول الابیقین مثله وھو التیقن بوجود الماء فی اٰخر الوقت[1] اھ فھذا ھو الذی شرط الظاھر تیقنه علی مایقتضیه تعلیل الھدایة واکتفت النادرة بغلبته علی الظن فکان ھو المشار الیه بقوله ان غلب علی ظنه ذلك فاعلم ذلك ثم قال اعنی الامام العینی وقد ذکر ھذا کله صاحب الدرایة ایضاً ناقلا عن شیخه والعجب من الشیخ (یرید الامام البخاری) حیث لم یذکر وجه التخلص منه مع کونه من المحققین الکبار وکذا صاحب الدرایة والاکمل ذکرا ھذا وسکتا علیه فنقول وباللّٰه التوفیق نذکر وجهً ینحل منه ھذا الاشکال وھو انه یعتبر

لوغلب علی ظنه عدم بعد المسافة فذلك عندھما" (اگر اسے مسافت بعید نہ ہونے کا غلبہ ظن ہو تو بھی شیخین کے یہاں یہی حکم ہے۔ت) اس تبدیلی سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے امام بخاری کی عبارت میں لفظ "ذلك کا اشارہ "قرب مسافت" کی جانب سمجھا۔(ت)

اقول: جبکہ یہ خیال قطعاً باطل ہے اس لئے کہ اگر قُرب مسافت کا گمان ہو تو بالاجماع نماز مؤخر کرنا واجب ہے اس بیان سے کتبِ مذہب بھری ہُوئی ہیں ایسا نہیں کہ یہ کوئی نادر روایت ہے اور اصل مذہب اس کے برخلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ "ذٰلک" کا اشارہ وجود الماء فی اٰخر الوقت (آخر وقت میں پانی کی دستیابی) کی طرف ہے کہ اگر اسے اس کا غلبہ ظن ہو تو بھی شیخین کے نزدیک یہی حکم ہے یہ کچھ پوشیدہ نہیں۔اور اسے انہوں نے جواب ظاہر الروایہ کے تحت اپنی اس عبارت میں واضح بھی کردیا ہے کہ "ویسے ہی یقین کے بغیر زائل نہ ہوگا اور آخر وقت میں پانی کی دستیابی کا یقین ہے"۔یہی وہ بات ہے جس کا یقین ہونے کی شرط ظاہر الروایہ میں تعلیل ہدایہ کے اقتضاکے مطابق پائی گئی اور روایت نادرہ میں صرف غلبہ ظن پر اکتفاہُوئی تو ان کی عبارت "ان غلب علی ظنه ذلک" (اگر اسے "اس کا" غلبہ ظن ہو) میں اشارہ اسی کی طرف ہوا۔یہ معلوم رہنا چاہے۔پھر امام عینی لکھتے ہیں: "یہ سب صاحب درایہ نے بھی اپنے شیخ سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔اور شیخ یعنی امام بخاری پر تعجب ہے کہ

[1] عینی شرح الہدایہ باب التیمم المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمہ ۱/ ۳۲۷

رجاء الماء وعدم رجائه بأسباب اُخر غير بعد المسافة اوقربها وهو[۱] ان يكون فى السماء غيم رطب وغلب على ظنه انه يمطر ويقدر على الماء فى اٰخر الوقت فانه يستحب له التأخير فى ظاهر الرواية ويجب عليه فى غير رواية الاصول كمالوتحقق بوجود الماء او[۲] يكون الماء بعيدا لكن ارسل من يستقى له وغلب على ظنه حضور من ارسله فى اٰخر الوقت بامارات ظهرت له او[۳] كان الماء فى بئر ولم تكن له اٰلة الاستقاء لكن غلب على ظنه وجدانه فى اٰخر الوقت او[۴] كان الماء بقرب منه ولم يعلم مكانه وجود ثمن يشترى به الماء[1]۔

انہوں نے اس اشکال سے چھٹکارے کی صورت بیان نہ کی، حالانکہ وہ کبار محققین میں شامل ہیں۔اس طرح صاحبِ درایہ اور اکمل الدین نے بھی اسے ذکر کیا اور اس پر سکوت ہی اختیار کیا۔ تو اب ہم کہتے ہیں اور خدا ہی سے توفیق ہے ہم ایسی صورت بیان کرتے ہیں جس سے یہ اشکال حل ہو جائے۔ وہ یہ کہ پانی کی امید اور عدمِ اُمید مسافت کے قُرب وبُعد کے علاوہ کچھ اور اسباب سے بھی ہوتی ہے۔مثلاً: (۱) یہ کہ آسمان میں ابرِ تر ہو اور اسے غالب گمان ہو کہ بارش ہوگی اور آخر وقت میں وہ پانی پر قادر ہو جائے گا۔ تو اس کے لئے ظاہر الروایہ میں نماز مؤخر کرنا مستحب ہے اور غیر روایتِ اصول میں واجب ہے جیسے پانی ملنے کے یقین کی صورت میں واجب ہے۔ (۲) پانی دُور ہو لیکن کسی ایسے شخص کو بھیجا ہے جو اس کیلئے پانی بھر لائے اور اسے غالب گمان ہے کہ جسے بھیجا ہے وہ آخر وقت میں حاضر ہو جائے گا۔اس کی کچھ ایسی علامات ہیں جو اس پر ظاہر ہیں۔ (۳) پانی کنویں کے اندر ہے۔اس کے پاس نکالنے کا سامان نہیں لیکن غالب گمان ہے کہ آخر وقت میں مل جائے گا۔ (۴) پانی قریب ہی ہے مگر اسے اس کی جگہ معلوم نہیں ایسے ثمن کا وجود جس سے پانی خریدے۔ (ت)

اقول: هكذا فى نسخة الطبع السقيمة وفيه سقط وكان العبارة هكذاولم يعلم مكانه لايستطيع طلبه فى كل جهة لما به من ضعف ولوعلم مكانه لامكنه الذهاب الى جهة معينة وقدذهب الى جهة مثلا فلم يجده فرجع وهو حسير وغلب على ظنه

اقول: طباعت کے سقیم نسخہ میں اسی طرح ہے۔اس میں کچھ چھُوٹ گیا ہے۔ خیال ہے کہ عبارت اس طرح ہوگی "اور اسے اس کی جگہ معلوم نہیں۔ اور چونکہ اسے ضعف لاحق ہے اس لئے ہر طرف تلاش نہیں کر سکتا۔ اگر اسے پانی کی جگہ معلوم ہوتی تو ایک معین سمت جا سکتا تھا ایک طرف (مثلاً) گیا بھی مگر اسے ملا نہیں،

[1] عینی شرح الہدایہ باب التیمم المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمہ ۱/۳۲۸

انه یلحقه فی اٰخر الوقت من یخبرہ اویاتیه به او[5] کان الماء یباع ولاثمن عندہ ولاغلب علی ظنه وجود ثمن یشتری به الماء فی اٰخر الوقت اونحو ذلك ممایؤدی ھذا المعنی فلتراجع نسختہ اٰخری قال)او[6] عندہ مایعد للعطش وغلب علی ظنه وجود ماء اٰخر غیر مشغول بالحاجۃ الاصلیۃ او[7] کان الماء عند اللصوص اوالسباع اومن یخاف منه علی نفسه اوماله وغلب علی ظنه زوال المانع اٰخر الوقت وقس علی ھذا اسبابا اُخر[1]۔

تھک کر لَوٹ آیا اور اسے غالب گمان ہے کہ آخر وقت میں ایسا شخص آجائے گا جو پانی کی جگہ بتادے یا پانی لے آئے۔(۵) یا پانی فروخت ہورہا ہے اور اس کے پاس دام نہیں اور غالب گمان ہے کہ آخر وقت میں ثمن مل جائے گا جس سے پانی خریدے گا" یا ایسی ہی کچھ اور عبارت جس سے یہ معنی ادا ہوسکے تو کسی دوسرے نسخہ کی مراجعت کرنی چاہیے آگے فرماتے ہیں) (٦) اس کے پاس پیاس دُور کرنے کیلئے پانی رکھا ہُوا ہے اور غالب گمان ہے کہ آخر وقت میں دوسرا پانی مل جائے گا جو حاجتِ اصلیہ سے زائد ہوگا (۷) پانی ایسی جگہ ہے جہاں چور یا درندے ہیں یا ایسا آدمی ہے جس سے اس کو اپنی جان یا مال کے لئے خطرہ ہے اور غالب گمان ہے کہ آخر وقت میں مانع دُور ہوجائے گا۔اسی پر دُوسرے اسباب کا قیاس کرلو۔(ت)

(**اقول**: کأن[8] تکون ظلمۃ یرجو زوالھااووجود فانوس او[9] ھومریض اواشل اومقعداوشیخ کبیر الی غیرذلك من عوارض یحتاج بھاالٰی من یوضئه اویستقی له وذھب ولدہ اوخادمه لحاجۃ ویرجوعودہ واٰخر الوقت او[10] تعاودہ حمی نافضۃ ساعۃ اوساعتین لایستطیع معھا الوضوء او الغسل اوالاستقاء ورجاذھا بھا فی اواخر الوقت او[11] الماء لغیرہ وھو غائب فی حاجۃ له ویظن عطاءہ وعودہ فی اٰخر الوقت او[12] لایجد الجنب او

(**اقول**:(۸) مثلاً یہ کہ تاریکی ہو جس کے چھٹ جانے یا کوئی فانوس مل جانے کی امید ہو (۹) بیمار ہے یا ہاتھ شل ہے یا لنجھا ہے یا سِن رسیدہ بوڑھا ہے۔ایسے ہی اور عوارض جن کی وجہ سے اس کو ایسے شخص کی ضرورت ہے جو وضو کرادے یا اس کیلئے پانی نکال دے اور اس کا فرزند یا خدمت گار کسی کام سے گیا ہُوا ہے۔آخر وقت میں اس کی واپسی کی امید ہے۔(۱۰) باری سے گھنٹہ دو گھنٹہ جاڑا آتا ہے جس کے ہوتے ہُوئے وضو یا غسل نہیں کرسکتا۔امید ہے کہ اواخر وقت میں جاتا رہے گا (۱۱) پانی دُوسرے کا ہے وہ اپنے

[1] عینی شرح الھدایہ باب التیمم المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمۃ ۱/۳۲۸

المحدثة سترا عن حضار سيغيبون او[۳] لايستطيع الذهاب للاستقاء لاجل مال اوولد ويرجو حضور حافظ او[۴] الماء فی المسجد ويرجو الجنب ان وجد فی اٰخر الوقت من ياتيه به فهی سبعة مع سبعة ويؤيد الكل ماهومنصوص صريحامن امام المذهب ان من وعد بدلوا ورشاء لايجب عليه الانتظار وقدمر فی نمرة۹۰ قال العينی)والمصنف رحمه الله تعالٰی لم يقيدالرجاء وعدمه ببعد المسافة وقربهابل اطلق فوجب حمله علی وجه لايرد عليه الاشكال وليس فی كلامه اشعاربماقيد الشيخ حتی يرد عليه من الاشكال مالامخلص له[1] اھ۔

اقول: رحم الله الامام البدر*ورحمنا به فی كل ورد وصدر*قد انتفعنابماافاد من الفروع فيما قدمنا ان لانظر الا الی الحالة الراهنة وكفٰی به شبهة علی مسألة الوعد اما(ا)ما رام من حل الاشكال فهيهات بيان ذلك انه حيث تكررذكرالمسافة فی كلام الامام البخاری ذهب وهل العلامة الی

کسی کام سے غائب ہے۔ گمان ہے کہ آخر وقت میں واپس آجائے گا اور پانی دے دے گا جنب کو یا بے وضو عورت کو حاضرین سے آڑ نہیں مل رہی ہے اور آخر وقت میں یہ لوگ چلے جائیں گے مال یا اولاد کی وجہ سے پانی لانے کیلئے جا نہیں سکتا اور امید ہے کہ آخر وقت میں کوئی نگہبان آجائے گا پانی مسجد کے اندر ہے اور جنب کو امید ہے کہ آخر وقت میں کوئی لانے والا مل جائے گا اُن سات کے ساتھ یہ مزید سات۷ صورتیں ہیں سبھی کی تائید اس مسئلہ سے ہورہی ہے جو امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صراحۃً منصوص ہے کہ "جس سے ڈول یا رسّی کا وعدہ ہُوا اس پر انتظار واجب نہیں۔ یہ مسئلہ نمبر ۹۰ میں گزر چکا۔ آگے علامہ عینی فرماتے ہیں:) "مصنف رحمہ اللہ تعالٰی نے امید و عدمِ امید کو مسافت کے قُرب وبعد سے مقید نہ کیا بلکہ مطلق رکھا تو اسے ایسی صورت پر محمول کرنا واجب ہے جس پر اشکال نہ وارد ہو۔ شیخ عبدالعزیز نے جو قید لگائی اس کی مصنف کے کلام میں کوئی نشان دہی تو ہے نہیں کہ ان پر وہ اشکال وارد ہو جس سے کوئی راہ خلاص نہ ہو اھ" (ت) **اقول:** خدا امام بدرالدین عینی پر رحمت فرمائے اور ان کی برکت سے ہم پر بھی ہر حاضری وواپسی میں رحمت فرمائے۔ انہوں نے سابقًا جن جزئیات کا افادہ فرمایا اس سے ہمیں یہ فائدہ ملا کہ صرف حالت موجودہ پر نظر کی جائے گی۔ مسئلہ وعد پر شبہہ کیلئے یہی کافی ہے۔ اشکال کا حل جو ان کا مقصود تھا وہ تو بہت دُور ہے۔ اس کا

[1] عینی شرح الہدایہ باب التیمم ملک سنز فیصل آباد ۳۲۸/۱

انہ جعل موضوع الخلافیۃ بین الظاھرۃ والنادرۃ ما اذا کان الرجاء لاجل قرب المسافۃ ولذا وضع مکان اسم الاشارۃ فی کلامہ عدم بعد المسافۃ واذ قد علم ان علی ھذا التقدیر *لامخلص من اشکال الامام النحریر* کما صرح بہ اٰخر التحریر* عطف العنان الی ابداء صور یکون فیھا الرجاء لا لاجل قرب الماء وظن انھا تخلص عن جالاشکال ولا صحۃ لشیئ من ذٰلک

اما الاول اعنی جعل الامام الخلافیۃ ماذکر۔

فاقول اوّلا: ذکر(۱) الامام البخاری لہ اربعۃ محامل لیس فی شیئ منھا مایعطی ان المراد الرجاء لقرب الماء الا الثالث المفروض فیہ القرب فدلّ ان البواقی لیست علی فرضہ فکیف یکون الرجاء لاجل القرب ھو المراد مطلقا۔

وثانیا: بل فی(۲) الرابع التنصیص علی خلافہ حیث فرض الکلام فیما اذا جُھل القرب والبعد ثم جعلہ علی الرجاء بقولہ اما لوغلب علی ظنہ ذلک الخ والعجب(۳) انکم حولتم ھذا الذی ھو ابین مخالفۃ لذلک الحمل الٰی غلبۃ ظن القرب وسبحٰن

بیان یہ ہے کہ امام بخاری کے کلام میں مسافت کا ذکر بار بار آیا اس سے علامہ عینی کا خیال اس طرف چلا گیا کہ انہوں نے روایت ظاہرہ ونادرہ کے درمیان مسئلہ خلافیہ کا موضوع اس صورت کو قرار دیا ہے جب مسافت کے قُرب کی وجہ سے امید پیدا ہوئی ہو۔ اسی لئے امام بخاری کے کلام میں جو اسم اشارہ تھا اس کی جگہ علامہ عینی نے "عدم بعد المسافۃ" (مسافت کا دُور نہ ہونا) رکھ دیا۔ پھر جب انہیں پتا چلا کہ اس تقدیر پر اس امام ماہر کے اشکال سے چھٹکارا نہیں جیسا کہ خود آخر تحریر میں اس کی تصریح کی ہے تو عنانِ کلام کچھ ایسی صورتیں پیش کرنے کی جانب موڑی جن میں امید، قُربِ آب کی وجہ سے نہ ہو اور یہ خیال فرمایا کہ یہ صورتیں اس اشکال سے خلاصی عطا کردیں گی حالانکہ ان دو خیالوں میں سے ایک بھی صحیح نہیں۔(ت) **پہلا خیال** امام موصوف کا امر مذکور کو اختلافی قرار دینا۔ **فاقول:** (اس پر میں کہتا ہوں) **اولا** امام بخاری نے اس کے چار محمل بیان کئے ان میں سے کسی میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ قربِ آب کی وجہ سے امید مراد ہے مگر صرف تیسرا محمل جس میں قرب فرض کیا گیا ہے اس سے پتا چلا کہ باقی محملوں میں یہ مفروض نہیں تو کیوں کر صرف امید بوجہ قرب مطلقاً مراد ہوگی۔(ت)

ثانیا: بلکہ چوتھے محمل میں تو اس کے برخلاف تصریح موجود ہے اس طرح کہ اس میں کلام اس صورت میں فرض کیا گیا ہے جب قُرب وبُعد کچھ معلوم نہ ہو پھر اس کو امید پر اپنی اس عبارت سے منطبق کیا ہے "**اما لوغلب علی ظنہ ذلک الخ**" (لیکن اگر اس کو اِس کا غلبہ ظن ہو الخ) حیرت ہے

اللہ اذاغلب علٰی ظنه القرب کیف یقال لم یعلم ان المسافة قریبة اوبعیدة فان الظن الغالب علم۔

کہ یہ جو اس محمل کے مخالف ہونے پر سب سے زیادہ روشن وواضح ہے اُسے آپ نے قُرب کے غلبہ ظن کی جانب پھیر دیا۔سبحان اللہ ! جب اسے قرب کا غلبہ ظن ہوگا تو یہ کیسے کہا جائے گا کہ اسے علم نہیں کہ مسافت قریب ہے یا بعید۔ ظن غالب تو علم ہے۔(ت)

فان قیل بل العلم ھنا بمعنی الیقین فَرَضَ نفیه واثبت الظن لتکون خلافیة بین النادرة المعتبرة ایاہ والظاھرة الملغیة له الشارطة للیقین القطعی فالحاصل انه اذالم یتیقن القرب والبعد لکن غلب علی ظنه القرب کان کیقین القرب علی النادرة وفرقت الظاھرة فجوزت التیمم فی ظن القرب ومنعته عند الیقین۔

اگر یہ کہا جائے کہ نہیں یہاں علم بمعنی یقین ہے۔یقین کی نفی فرض کی ہے اور ظن کا اثبات تاکہ یہ اختلافی مسئلہ ہوسکے روایت نادرہ کے درمیان جو ظن کا اعتبار کرتی ہے اور روایت ظاہرہ کے درمیان جو ظن کو بیکار قرار دیتی ہے اور یقین قطعی کی شرط لگاتی ہے تو حاصل یہ ہُوا کہ جب قُرب وبُعد کا یقین نہ ہو لیکن قُرب کا غالب گمان ہو تو یہ روایت نادرہ پر یقین قُرب ہی کی طرح ہوگا اور روایتِ ظاہرہ نے دونوں میں فرق رکھا ہے کہ قرب کے ظن کی صورت میں تیمّم کو جائز قرار دیا اور یقین کی صورت میں ممنوع رکھا۔(ت)

اقول: ففیم یقول بقی [عہ] وجه اٰخر فان ھذا ھوالمحمل الاول الذی جعل فیه الیقین وفاقیا والظن خلافیا۔

اقول: (میں کہوں گا) پھر کس کے بارے میں وہ فرمارہے ہیں"بقی وجه اٰخر"(ایک صورت رہ گئی۔یہی تو وہ پہلا محمل ہے جس میں یقین کو اتفاقی اور ظن کو اختلافی قرار دیا ہے۔(ت)

عــہ **فان قلت** فکیف تفرق انت بین المحامل **اقول:** الاولان علی فرض بعد المسافة کمااشار الیه فی الاول والفرق بینھما بجعل الیقین وفاقیاوخلافیاوالثالث بفرض قربھا والرابع بفرض انه لایعلم قرباً ولابعداً ۱۲منه غفرله (م)

اگر یہ سوال ہُوا کہ پھر ان محملوں میں کیسے فرق کیا جائے گا **اقول**: پہلے دونوں محمل بُعد مسافت کے مفروضہ پر ہیں جیسا کہ محمل اول میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔اور ان دونوں میں یقین کو اتفاقی اور اختلافی رکھنے سے فرق ہوگا۔ تیسرا محمل قرب مسافت کے مفروضہ پر ہے اور چوتھا محمل یہ فرض کرکے ہے کہ وہ نہ قریب ہونا جانتا ہے نہ دُور ہونا ۱۲منہ غفرلہ (ت)

وثالثا:(۱) بل قدنص فی الاول ایضا علی خلافہ اذقال یقتضی ان یجب التاخیرعند التحقق فی اٰخر الوقت مع بعدالمسافۃ فی الروایات الظاھرۃ الخ فافصح ان الکلام عند بعد المسافۃ فکیف یکون مبنی الرجاء قربھا وان تنزلنایکن الکلام مطلقایشمل القرب والبعد والالم یکن لقولہ مع بعدالمسافۃ مساغ وعلی الکل یبطل ان المرادخصوص الرجاء لاجل القرب۔

ورابعا: بل(۲)الثانی ایضاشاھد علی بطلانہ فانہ قدّرفیہ ان النادرۃ ھی التی تمنع التیمم فی الظن والیقین والظاھرۃ تخالفھافیھمالوکان ھذا لاجل قرب المسافۃ کان المعنی ان الروایۃ الظاھرۃ تجیزالتیمم وانکان الماء قریبا بالیقین وھذا لایتفوہ بہ عاقل فکیف یجوزلھذا الامام الجلیل الذی قدقلتم انہ من المحققین الکبار ان یدخلہ فی المحامل۔

وخامسا:یا(۳)للعجب لم یقنع بجعلہ محملا بل ردہ بان ذلك یقتضی ان جواز التیمم یزول عند التیقن ولیس

ثالثا: بلکہ محمل اول میں بھی اس کے برخلاف تصریح موجود ہے کہ وہ فرماتے ہیں: "یہ اس کا مقتضی ہے کہ ظاہر روایات پر بُعدِ مسافت کے باوجود آخر وقت میں یقین کی صورت میں تاخیر واجب ہو"۔اس میں صاف بتادیا کہ بُعدِ مسافت کی صورت میں کلام ہے پھر قرب مسافت امید کا مبنی کیسے ہوگا؟ اگر ہم تنزّل اختیار کریں تو کلام مطلق ہو کر قُرب وبُعد دونوں کو شامل ہوگا ورنہ ان کے الفاظ "**مع بعد المسافۃ**" (بُعدِ مسافت کے باوجود) کی کوئی گنجائش نہ نکل سکے گی بہر صورت یہ باطل ہے کہ خاص وہی امید مراد ہے جو قربِ مسافت کے باعث ہو۔(ت) **رابعا**: بلکہ محمل دوم بھی اس کے بطلان پر شاہد ہے۔اس لئے کہ اس میں انہوں نے یہ فرض کیا ہے کہ روایتِ نادرہ ہی ظن ویقین دونوں میں مانع تیمّم ہے اور روایتِ ظاہر دونوں میں اس کے برخلاف ہے اگر یہ قُرب مسافت کی وجہ سے ہوتا تو معنی یہ ہوتا کہ روایت ظاہرہ تیمّم کو جائز قرار دیتی ہے اگرچہ پانی یقیناً قریب ہو۔یہ تو کوئی ہوشمند نہیں بول سکتا پھر امام جلیل کیلئے یہ کیسے ممکن ہوگا جن کے بارے میں آپ فرماچکے کہ وہ کبارِ محققین میں سے ہیں یہ کیسے ممکن ہوگا کہ اسے محملوں میں داخل فرمائیں۔(ت) **خامسا**: یا للعجب!اسے محمل بتانے ہی پر قناعت نہ کی بلکہ اس کی تردید اس طرح فرمائی کہ اس کا اقتضا یہ ہے کہ یقین کی صورت میں جوازِ تیمّم

كذلك فقد ادعى ان التيمم جائز مع تيقن القرب وهل ثم شيئ افسد منه۔

وسادسا: يحيله(۱)على مابين وانما بين الجواز عند البعد فكانت الاحالة*باطلة محالة*

وسابعا: بل(۲)فى الثالث ايضااشعارالى خلافه فانه جعل موضوع المسألة مااذا كان الفصل اقل من ميل لااذاظنه اقل من ميل والموضوع ماخوذ مفروض مفروغ عنه فكيف يختلف فيه بظن ويقين ويجعل عدمه محتملا على احدالوجهين وقدقال لا(۳)فرق فى ظاهر الرواية بين الظن واليقين اذاكانت المسافة اقل من ميل فلوكان المعنى على ظن القرب اٰل الى انه لافرق بين الظن واليقين عند الظن وبالجملة جميع محامله وكل كلامه يرد هذا المعنى الذى ذهب اليه وهل العلامة۔

واما الثانى اعنى زعم المخلص منه على ماا بدى۔

فاقول: لا ولا(۴)نصف مخلص فان الحاصل على هذا ان النادرة توجب التيمم عند ظن وجدان الماء

ختم ہوجائے حالانکہ ایسا نہیں یہ کہہ کر انہوں نے یہ دعوٰی کردیا کہ یقینِ قُرب کے باوجود تیمّم جائز ہے۔ کیا وہاں کوئی چیز فساد میں اس سے بالاتر بھی ہے؟

سادسا: اس پر حوالہ یہ دے رہے ہیں کہ جیسا کہ بیان ہُوا اور بیان یہ کیا ہے کہ دُوری کی صورت میں جواز ہے تو حوالہ باطل ومحال ہوا۔

سابعا: بلکہ محمل سوم میں بھی اس کے خلاف کی نشان دہی موجود ہے اس لئے کہ انہوں نے مسئلہ کا موضوع اس صورت کو بنایا، جب فاصلہ ایک میل سے کم ہو اس صورت کو نہیں جب اس کا گمان ایک میل سے کم کا ہو اور موضوع پُوری گفتگو میں ماخوذ مفروض ہوتا ہے اس پر بحث سے فراغ رہتا ہے پھر اس میں ظن ویقین کا اختلاف کیسے کریں گے اور ایک صورت میں اس کے عدم کو محتمل کیسے بنائیں گے؟۔ جب کہ یہ فرماچکے ہیں کہ مسافت ایک میل سے کم ہونے کی صورت میں ظاہر الروایہ میں ظن ویقین کے درمیان کوئی فرق نہیں تو اگر ظن قرب کی بنیاد پر معنی لیا جائے تو مآل یہ ہوگا کہ ظن کی صورت میں ظن ویقین کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ مختصر یہ کہ امام موصوف کے سبھی محمل اور ان کا پُورا کلام اس معنی کی تردید کررہا ہے جس کی طرف علامہ کا خیال گیا۔(ت)

خیال دوم پیش کردہ صورتوں کے ذریعہ اشکال سے چھٹکارا۔

فاقول: (اس پر میں کہتا ہوں) نہیں آدھا چھٹکارا بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اس طور پر حاصل یہ ہوا کہ روایت نادرہ قرب آب کے علاوہ

فی اٰخر الوقت لاھد من الاسباب المذکورۃ المغایرۃ لقرب الماء والظاھرۃ تقول لاعبرۃ بغلبۃ الظن بوجد انہ بھاانما العبرۃ للیقین بہ وھو مورد کلا الایرادین کماکان فانھم نصوا ان ظن القرب یمنع التیمم فقد اعتبروا الظن ثمہ فکیف الغوہ ھنا ونصوا(۱)ان عندبعدالماء میلا یجوزلہ التیمم من دون تفصیل مع القطع بانہ ربما یتیقن ببلوغہ الماء فی اٰخرالوقت فلم یعتبروا الیقین ثمہ فکیف اعتبروہ ھنا فثبت ان سعیہ رحمہ اللہ تعالٰی ھذالم یرجع الی طائل*وتعجبہ من اولئك الجلۃ الٰی نفسہ الکریمۃ اٰئل*

مذکورہ اسباب میں سے کسی ایک کی وجہ سے آخر وقت میں پانی ملنے کا گمان ہونے کی صورت میں تیمّم واجب کرتی ہےاور روایت ظاہرہ یہ بتاتی ہے کہ ان اسباب کی وجہ سے پانی ملنے کے غلبہ ظن کا کوئی اعتبار نہیں۔اعتبار تو صرف اس یقین کا ہے کہ پانی مل جائے گا اس حاصل پر دونوں اعتراض جیسے پہلے وارد ہورہے تھے اب بھی وارد ہیں (۱) اس لئے کہ ان حضرات نے نص فرمایا ہے کہ قربِ آب کا ظن مانع تیمّم ہے تو انہوں نے وہاں ظن کا اعتبار کیا پھر یہاں اسے کیسے بیکار قرار دیا؟اور ان حضرات نے تصریح فرمائی ہے کہ پانی ایک میل دُور ہو تو تیمّم جائز ہے۔اس میں کوئی تفریق وتفصیل نہ فرمائی۔باوجودیکہ یہ قطعی امر ہے کہ بعض اوقات اسے یقین ہوگا کہ وہ آخر وقت میں پانی تک پہنچ جائے گا۔تو وہاں ان حضرات نے یقین کا اعتبار نہ کیا پھر یہاں کیسے اعتبار کرلیا۔تو ثابت ہوا کہ علامہ رحمہ اللہ تعالٰی کی یہ کاوش کچھ سُود مند نہ ہوسکی اور ان بزرگوں پر انہوں نے جس تعجب کا اظہار فرمایا وہ خود ان کی ذاتِ گرامی پر عائد ہوتا ہے۔(ت)

ثمّ اقول: لعلك قدتفطنت مما القینا علیك ان الایرادالاخیراعنی علی صورۃ الیقین بمسألۃ البعدمیلا انما یرد علی ماعلل بہ فی الھدایۃ ظاھر الروایۃ اما نفس المسألۃ فلاغبار علیھامن جھتہ فان المذھب عدم وجوب التاخیرظاناکان اومستیقنا کماتقدم التصریح بہ عن الخلاصۃ بنقل الائمۃ

ثمّ اقول: ہمارے بیان سے ناظرین نے یہ سمجھ لیاہوگا کہ دوسرا اعتراض یعنی ایک میل دُوری والے مسئلہ سے صورت یقین پر اعتراض صرف اس تعلیل پر وارد ہوتا ہے جو صاحبِ ہدایہ نے ظاہر الروایہ سے متعلق پیش کی۔لیکن نفسِ مسئلہ پر جانب اعتراض سے کوئی غبار نہیں آتا اس لئے کہ مذہب یہی ہے کہ تاخیر نماز واجب نہیں خواہ اسے ظن ہو یا یقین جیسا کہ اس کی تشریح خلاصہ سے

البخاری والکاکی والبابرتی والسیواسی وتقریرھم ایاہ نعم الایراد الاول علی صورۃ الظن بمسألۃ ظن القرب یرد علی التعلیل والمسألۃ معاً للاحتیاج الی الفرق بینھما حیث لم یعتبروا ھھنا الظن بل ولا الیقین وقد منعوا اثمہ لمحض غلبۃ الظن ولاجل ھذا قلت انھم استشکلوا المسألۃ والتعلیل معاوان کانوا انما وجھوا الکلام الی التعلیل ھذا۔

گزر چکی خلاصہ کا کلام امام بخاری، امام کاکی، امام بابرتی اور امام سیواسی نے نقل کیا اور اسے برقرار رکھا ہاں پہلا اعتراض جو صورتِ ظن پر ظنِ قرب کے مسئلہ سے وارد ہوتا ہے وہ تعلیل اور مسئلہ دونوں ہی پر وارد ہوتا ہے اس لئے کہ دونوں میں فرق کرنے کی ضرورت ہے کہ یہاں پر کیوں ظن بلکہ یقین کا بھی اعتبار نہ کیا اور وہاں محض غلبہ ظن کی وجہ سے منع کردیا۔اس لئے میں نے کہا کہ حضرات علماء نے مسئلہ اور تعلیل دونوں ہی میں اشکال قرار دیا اگرچہ کلام کا رُخ صرف اس تعلیل کی جانب کیا۔(ت)

ورأیت الامام ملك العلماء قرر المسألۃ فی البدائع بحیث لایتوجہ الیہ ھذاالاشکال ورفع الخلاف عن الظاھرۃ والنادرۃ فقال قدقال اصحابنا ان المسافر ان کان علی طمع من الماء فی اٰخر الوقت یؤخر التیمم الی اٰخر الوقت وان لم یکن لایؤخر ھکذا روی المعلی عن ابی حنیفۃ وابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنھماوذکر فی الاصل احب الی ان یؤخر الی اٰخر الوقت ولم یفصل بین ما اذاکان یرجو الماء اولا یرجوو ھذا لایوجب اختلاف الروایۃ بل یجعل روایۃ المعلی تفسیرالما اطلقہ فی الاصل ولو تیمم اول الوقت وصلی ان کان عالما ان الماء قریب بان کان بینہ وبین الماء اقل من میل لم تجز صلاتہ بلاخلاف لانہ واجد للماء وان کان میلا فصاعد اجازت

میں نے دیکھا کہ امام ملک العلماء نے بدائع میں مسئلہ کی تقریر اس طرح فرمائی ہے کہ اس پر یہ اشکال پیش نہیں آتا۔اور انہوں نے روایتِ ظاہرہ ونادرہ کا اختلاف بھی دور کردیا ہے، رقمطراز ہیں: "ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ مسافر کو اگر آخر وقت میں پانی کی امید ہو تو تیمّم آخر وقت تک مؤخر کرے۔اور اگر ایسی امید نہ ہو تو مؤخر نہ کرے۔ایسے ہی معلٰی نے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے۔اور اصل (مبسوط) میں ذکر فرمایا ہے کہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ آخر وقت تک مؤخر کرے۔اور پانی کی امید ہونے اور نہ ہونے کا فرق نہ بیان کیا۔اس سے اختلافِ روایت لازم نہیں آتا بلکہ معلٰی کی روایت مبسوط کے اطلاق کی تفسیر قرار پاتی ہے۔اور اگر اوّل وقت میں تیمّم کرکے نماز پڑھ لی تو اگر اسے علم تھا کہ پانی قریب ہے اس طرح کہ اس کے اور

وان(۱) لم یکن عالما بقرب الماء اوبعدہ تجوز صلاتہ سواء کان یرجوا الماء فی اٰخر الوقت اولا سواء کان بعد الطلب اوقبلہ عندنا خلافا للشافعی لمامر ان العدم ثابت ظاھرا واحتمال الوجود احتمال لادلیل علیہ فلایعارض الظاھر [1] اھ

اقول: لکن(۱)للعبدالفقیر*توقف فی التعلیل الاخیر*فان من(۲) علم فی اول وقت الظھر اوالعشاء مثلا ان الماء من ھنا علی مسافۃ اقل من میلین اوثلثۃ امیال وعلم انہ یصل الیہ فی سعۃ الوقت ولم یعلم انہ علی فصل میل او اقل فصادق علیہ انہ لایعلم قرب الماء ولابعدہ وھویرجو الماء لاعن احتمال بلادلیل بل عن دلیل فیعارض الظاھرویمنع التیمم ولیس کذلك انما یمنع التیمم ظن ان الماء قریب* وھو منہ فی شك مریب ھذا۔

ولنعم حل الاشکال عن مسئلۃ الرجاء ماقررہ الامام الجلیل ابو البرکات

پانی کے درمیان ایک میل سے کم فاصلہ ہے تو اس کی نماز جائز نہیں۔اس میں کوئی اختلاف نہیں اس لئے کہ پانی اس کیلئے دستیاب ہے۔اور اگر ایک میل یا زیادہ کا فاصلہ ہو تو اس کی نماز ہو گئی۔اور اگر اسے پانی کے قُرب وبُعد کا علم نہیں تو اس کی نماز جائز ہے خواہ آخر وقت میں پانی کی امید ہو یا نہ ہو خواہ پانی تلاش کرنے کے بعد ہو یا پہلے ہو۔یہ حکم امام شافعی کے برخلاف ہمارے نزدیک ہے اس کی وجہ گزر چکی کہ عدم ظاہرًا ثابت ہے اور پانی ملنے کا احتمال ایسا احتمال ہے جس پر کوئی دلیل نہیں تو وہ ظاہر کے معارض نہ ہوگا"۔(ت)

اقول: لیکن بندہ محتاج کو تعلیل اخیر میں کچھ توقف ہے اس لئے کہ مثلاً جسے وقتِ ظہر یا وقتِ عشا کے شروع میں علم ہوا کہ پانی یہاں سے دو میل یا تین میل سے کم مسافت پر ہے اور اسے یہ بھی علم ہے کہ وقت میں وسعت رہتے ہوئے وہاں تک پہنچ جائے گا اور اسے یہ معلوم نہیں کہ ایک میل کا فاصلہ ہے یا کم تو اس پر یہ صادق ہے کہ پانی کے قُرب وبُعد کا اسے علم نہیں۔اور اس کو پانی کی امید بلادلیل احتمال کے باعث نہیں بلکہ دلیل کے باعث ہے تو یہ احتمال ظاہر کے معارض اور تیمّم سے مانع ہو جائے گا، حالانکہ ایسا نہیں۔ تیمّم سے مانع صرف اس بات کا گمان ہے کہ پانی قریب ہے اور اسی میں تو اسے پریشان کن شک درپیش ہے۔یہ ذہن نشین رہے۔(ت)

مسئلہ امید کے اشکال کا **بہترین حل** وہ ہے جس کی تقریر امام الجلیل ابوالبرکات

[1] بدائع الصنائع فصل واما بیان وقت التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵۴

رحمه الله تعالٰی فی الکافی حیث عدل عن تعلیل الهدایة* وعلل بتعلیل حسن الی الغایة اذقال مسافر غلب علی ظنه ان بقربه ماء وجب الطلب ولایجب بغیرغلبة الظن اواخبار لان العدم ثابت حقیقة وظاهرًا لفوات الدلیل الدال علی الوجود من حیث الظاهر اذالظاهر فی المفاوزعدم الماء بخلاف العمرانات فانه لوتیمم قبل الطلب فیها لم یجز لان العدم وان کان ثابتاحقیقة لم یثبت ظاهرًا لقیام الدلیل علیه وهو العمارة اذقیامها بالماء وکذا لوغلب علٰی ظنه اواخبره مخبرلان غالب الرأی کالمتحقق فی حق وجوب العمل[1] ولهذاوجب العمل باخبارالاٰحاد والاقیسةوالاٰی المؤولة والمخصوصة والبینات فان قیل لوکان غالب الرأی کالمتحقق هنا لوجب التاخیر فیما اذا غلب علی ظنه انه یجد الماء فی اٰخر الوقت قلناعن ابی حنیفة وابی یوسف رضی الله تعالٰی عنهما ان التاخیر ختم ولان غلبة ظنه ثم انه سےصیر بقرب الماء وهذا غلبة ظنه انه بقرب الماء[2] اهکلامه الشریف، وهذا بحمدالله تعالٰی عین ماظهر

نسفی رحمہ اللہ تعالٰی نے کافی میں فرمائی۔انہوں نے ہدایہ کی تعلیل سے ہٹ کر خود ایک انتہائی عمدہ تعلیل پیش کی، فرماتے ہیں: ایک مسافر ہے جس کا غالب گمان یہ ہے کہ اس کے قریب پانی ہے تو تلاش کرنا واجب ہے۔غلبہ ظن یا کسی کے بتائے بغیر تلاش واجب نہیں اس لئے کہ پانی نہ ہونا حقیقۃً اور ظاہرًا ثابت ہے کیونکہ بظاہر ایسی کوئی دلیل نہیں جو پانی ہونے کا پتادے اس لئے کہ بیابانوں میں ظاہر پانی کا نہ ہونا ہی ہے۔آبادیوں کا حال اس کے برخلاف ہے۔اگر آبادیوں کے اندر پانی تلاش کرنے سے پہلے تیمّم کرلے تو جائز نہیں۔اس لئے کہ نہ ہونا اگرچہ حقیقۃً ثابت ہے مگر ظاہرًا ثابت نہیں کیونکہ پانی ہونے کی دلیل آبادی-- موجود ہے وجہ یہ ہے کہ آبادیوں کا قیام پانی سے ہوتا ہے__اسی طرح اگر پانی کا غلبہ ظن ہو یا کوئی مخبر خبر دے (تو بھی پانی تلاش کرنے سے پہلے تیمّم جائز نہیں) کیونکہ غالب رائے وجوبِ عمل کے حق میں یقینی و متحقق کی حیثیت رکھتی ہے۔اسی لئے اخبار آحاد، قیاسات، تاویل و تخصیص یافتہ آیات اور بنیات و گواہان سے وجوبِ عمل ثابت ہوجاتا ہے۔اگر یہ سوال ہو کہ اگر غالب رائے کو یہاں متحقق کی حیثیت حاصل ہوئی تو اس صورت میں نماز کو مؤخر کرنا واجب ہوتا جب اسے اس بات کا غالب

[1] کافی
[2] الکفایہ علی الہدایہ مع الفتح القدیر باب التیمم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۲۵

للعبد الضعیف فیماذکرت ونحوہ فی الکفایۃ فقدظھران مسألۃ الرجاء لیس المراد فیھامن رجا لاجل القرب فانہ لایجوز لہ التیمم اجماعا بل من رجا الوصول فی اٰخر الوقت مع بعدہ الاٰن فھذا لیس بظن القرب بل ظن انہ سیقرب فلایعتبر(ا) ولایعکر علیہ بمسألۃ ظن القرب وقدصرح بکونھاموضوعۃ فی بعد المسافۃ فی غیر ماکتاب معتمد ففی الدرایۃ ثم الشلبیۃ ھذاالاستحباب اذاکان بینہ وبین موضع یرجوہ میل اواکثر فان کان اقل لایجزیہ التیمم وان خاف فوت وقت الصلاۃ[1] اھ ومثلہ فی البحر ونحوہ فی الدروفی البنایۃھذا اذاکان الماء بعیداوان کان قریبا لایتیمم وان خاف خروج الوقت قال الفقیہ ابوجعفراجمع اصحابنا الثلثۃ علی ھذا[2] اھ ثم قال اعنی العینی وقیل اذاکان بینہ وبین موضع یرجوہ[3] الی اٰخر ماقدمناعن الدرایۃ۔

گمان ہوتا کہ آخر وقت میں اسے پانی مل جائے گا۔ تو ہم جوابًا کہیں گے کہ یہ امام ابوحنیفہ وامام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ایک روایت ہے کہ نماز مؤخر کرنا واجب ہے۔ اور وجہ یہ ہے کہ وہاں اس کا غلبہ ظن یہ ہے کہ وہ کچھ دیر بعد پانی کے قریب ہوجائے گا اور یہاں اس کا غلبہ ظن یہ ہے کہ وہ بروقت پانی کے قریب ہے اھ امام نسفی کا مبارک کلام ختم ہوا۔

یہ بحمداللہ تعالٰی بعینہٖ وہی بات ہے جو بندہ ضعیف کے ذہن میں آئی جیسا کہ سابقًا ذکر کیا اسی کے ہم معنٰی کفایہ میں بھی ہے تو یہ واضح ہوگیا کہ مسئلہ امید میں یہ مراد نہیں کہ جسے قُربِ آب کی وجہ سے امید ہو کیونکہ اس کے لئے بالاجماع تیمّم جائز نہیں بلکہ جسے امید ہے کہ آخر وقت میں پانی کے پاس پہنچ جائے گا باوجودیکہ اس وقت پانی سے دُور ہے تو اسے قربِ آب کا گمان ہی نہیں بلکہ یہ گمان ہے کہ وہ آئندہ پانی کے قریب ہوجائے گا تو یہ گمان معتبر نہیں اور اس پر ظنِّ قرب کے مسئلہ سے کوئی گرد نہیں ڈالی جاسکتی۔ متعدد معتمد کتابوں میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ مسئلہ اُمید بُعد مسافت کی صورت میں رکھا گیا ہے۔ درایہ پھر شلبیہ میں ہے: "یہ استحباب اُس وقت ہے جب اس کے درمیان اور اس جگہ کے درمیان جہاں پانی کی امید ہے ایک میل یا زیادہ کا فاصلہ ہو اگر اس سے کم ہو تو اس کیلئے تیمّم جائز نہیں اگرچہ وقتِ نماز نکل جانے کا خطرہ ہو"۔ اسی کے مثل بحر میں اور اس کے

[1] الشلبی علی الکنز مع تبیین الحقائق باب التیمم مطبعۃ امیریہ مصر ۱/۴۱
[2] البنایہ شرح ہدایہ باب التیمم ملک سنز فیصل آباد ۱/۳۲۵
[3] البنایہ شرح ہدایہ باب التیمم مطبعۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمہ ۱/۳۲۵

اقول: (۱)ولاادری ماالفرق بینه وبین ماقال هذا اذاکان الماء بعیدا الخ حتی جزم بذلك ومرّض هذا وجعله قولا اٰخر مع انه لاتفاوت الا فی اللفظ۔

اقول:(۱) وقد تقدم نص الخلاصة وتقریر الائمة الجلة ان الظن والیقین فی ذلك سواء لا یجب علیه التأخیر وان تیقن بوجدان الماء فی اٰخر الوقت وتلك النادرة حیث اوجبت فی الظن فالیقین اولٰی فقد ظهر ان الواقع من المحامل الاربعة هو الثانی وان کان ابعد بالنظر الٰی ظاهر العبارة اما قول النادرة غالب الرأی کالمتحقق قلنا نعم ولوکان متحققا لم یؤثر لانه انما تیقن انه سیقرب لاانه قریب وبهذا یعوزُ الاشکالُ علی تعلیل الهدایة لظاهر الروایة۔

اقول: وایضا یمکن حمله علی المحمل الرابع فان من جهل

ہم معنیٰ دُرمختار میں ہے اور بنایہ میں اس طرح ہے: "یہ اُس وقت ہے جب پانی دُور ہو۔ اگر قریب ہو تو تیمّم نہ کرے اگرچہ اسے وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو، فقیہ ابُو جعفر نے فرمایا: اس پر ہمارے تینوں اصحاب وائمہ کا اجماع ہے" اھ۔ آگے علامہ عینی صاحبِ بنایہ لکھتے ہیں: "اور کہا گیا جب اس کے اور اس جگہ کے درمیان جہاں اُسے پانی کی امید ہے اس کے آخر تک جو ہم نے درایہ کے حوالہ سے پیش کیا۔ (ت)

اقول: پتا نہیں ان کے کلام "یہ اُس وقت ہے جب پانی دُور ہو الخ اور اس کلام میں فرق کیا ہے کہ انہوں نے اُس پر تو جزم کیا اور قیل (کہا گیا) سے اس کی تمریض وتضعیف کی اور اسے ایک الگ قول بنادیا جب کہ دونوں میں سوائے الفاظ کے کوئی تفاوت نہیں۔ (ت)

اقول: خلاصہ کی عبارت اور بزرگ ائمہ کی تقریر پہلے گزر چکی کہ ظن ویقین اس بارے میں یکساں ہیں۔ اس پر نماز مؤخر کرنا واجب نہیں اگرچہ آخر وقت میں پانی ملنے کا یقین ہو اور اس روایت نادرہ نے جب ظن کی صورت میں واجب کیا تو یقین تو اس سے بڑھا ہُوا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ امام بخاری کے پیش کردہ چاروں محملوں میں سے واقع محمل دوم ہے اگرچہ ظاہر عبارت کے لحاظ سے بعید تر معلوم ہوتا ہے اب رہا روایت نادرہ سے متعلق یہ قول کہ غالب رائے متحقق کی طرح ہے۔ ہم کہتے ہیں ہاں اور اگر یہ یقینی و متحقق ہو جب بھی مؤثر نہیں اس لئے کہ اسے صرف اسی بات کا یقین ہُوا کہ آئندہ وہ قریب ہوگا، اس کا نہیں کہ وہ قریب ہے۔ اسی سے ظاہر الروایہ سے متعلق ہدایہ کی تعلیل پر پیش آنے والا اشکال ختم ہو جاتا ہے۔ (ت) **اقول:** اسے محمل چہارم پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ جو مسافت سے

المسافۃجازلہ التیمم فی المفاوز وان کان یرجو الوصول الیہ فی اٰخر الوقت کماقدمناہ اٰنفا عن البدائع وذلك لان المانع عن التیمم ھو قرب الماء یقینا اوظنا غالبا وقد انتفیا والجواب عن دلیل النادرۃ والاشکالُ علی تعلیل الھدایۃ کماکان لان ھھنا ایضا یباح لہ التیمم وان تیقن الوصول الیہ فی اٰخرالوقت کما اسلفنا تقریرہ تحت عبارۃ البدائع المذکورۃ الٰی ھھنا ظھرانحلال الاشکال عن الحکم واستبان الفرق بین مسألتی الرجاء وظن القرب۔

اما تعلیل الھدایۃ **فاقول:** التأویل*خیر من التعطیل*یمکن ان یؤول بان المراد بالیقین ھو الیقین الفقھی الشامل لغلبۃ الظن فلیس المقصود التفرقۃ ھھنا بین الظن والیقن لماعلمت انھما سواء ھھنا علی کلتا الروایتین وانما المعنی انکار ان یکون لہ اثرھھنا وذلك ان العجز ثابت حقیقۃشرعا لانعدام الماء حقیقۃ وظاھرًا لعدم الدلیل علی قربہ ان جھل المسافۃ وقیام الدلیل علی عدمہ ان علم اوظن البعد فلایزول حکمہ الثابت شرعا وھو جواز التیمم الابیقین

ناواقف ہو اس کیلئے بیابانوں میں تیمّم جائز ہے اگرچہ امید رکھتا ہو کہ آخر وقت میں پانی تک پہنچ جائے گا، اسے بدائع کے حوالہ سے ہم ابھی پیش کرآئے اس کی وجہ یہ ہے کہ تیمّم سے مانع پانی کا قریب ہونا ہے بطور یقین یا بطور ظن غالب اور یہ دونوں ہی امر یہاں مفقود ہیں۔اور روایت نادرہ کی دلیل کا جواب اور ہدایہ کی تعلیل پر اشکال جیسے پہلے تھا اب بھی رہے گا۔اس لئے کہ یہاں بھی تیمّم اس کیلئے مباح ہے اگرچہ آخر وقت میں پانی تک پہنچے گا اسے یقین ہے جیسا کہ اس کی تقریر ہم بدائع کی مذکورہ عبارت کے تحت کرآئے یہاں تک دو باتیں طے ہوگئیں ایک تو حکم پر جو اشکال تھا اس کا حل واضح ہوگیا دوسرے مسئلہ امید اور مسئلہ ظنِ قرب کے درمیان فرق روشن ہوگیا۔(ت)

اب رہا تعلیل ہدایہ کا معاملہ **فاقول** (تو میں کہتا ہوں) کسی کلام کی تاویل کرنا اسے لغو وبیکار کرنے سے بہتر ہے اس کی یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ یقین سے مراد یقین فقہی ہے جو غلبہ ظن کو بھی شامل ہوتا ہے کہ یہاں ظن ویقین کے درمیان فرق کرنا مقصود نہیں اس لئے کہ معلوم ہوچکا کہ یہاں دونوں ہی روایتوں پر ظن ویقین یکساں ہیں مقصود صرف اس بات کا انکار ہے کہ یہاں وہ یقین کچھ اثر انداز ہے وہ اس لئے کہ عجز حقیقۃً ثابت ہے، شرعًا اس لئے کہ پانی حقیقت میں معدوم اور ظاہرًا اس لئے کہ مسافت سے ناآشنائی کی صورت میں پانی کے قریب ہونے پر کوئی دلیل نہیں،

فقھی مثلہ بان یحصل لہ ظن القرب واذلیس فلیس فانہ لاعبرۃ بظن انہ سیقرب ولاباستیقانہ وانماھذاھوالحاصل فی رجاء الوصول اوتیقنہ دون ظن القرب المانع عن التیمم المعارض للعجزالظاھرفھذا تقریرہ ولیس فی العبارۃ ماینکرہ فوجب الحمل علیہ فقد انحل الاشکال وللہ الحمد عن مسألۃ الرجاء حکما وتعلیلا*

اور دُوری کا یقین یا ظن غالب ہونے کی صورت میں اس کے عدم پر دلیل موجود ہے۔ تو اس کا حکم جواز تیمّم جو شرعًا ثابت تھا زائل نہ ہوگا مگر ایسے یقین فقہی سے جو اسی کے مثل ہو اس طرح کہ اسے قرب کا ظن ہو جائے اور جب یہ نہیں تو وہ بھی نہیں (قرب کا ظن نہیں تو حکم عجز کا زوال یعنی عدم جوازِ تیمّم بھی نہیں ۱۲م۔الف) اس لئے کہ اس کا یہ گمان کا کہ وہ آئندہ قریب ہو جائے گا، کوئی اعتبار نہیں، نہ ہی اس کے یقین ہی کا کوئی اعتبار ہے اور پانی تک پہنچنے کی اُمید میں یہی گمان یا یقین پایا جاتا ہے۔ ہر وقت پانی قریب ہونے کا گمان جو تیمّم سے مانع اور عجز ظاہر کا معارض ہے یہ نہیں پایا جاتا یہ اس تعلیل سے متعلق تاویل کی تقریر ہوئی اور عبارت میں ایسا کوئی لفظ نہیں جو اس تاویل کی تردید کرتا ہو تو کلام کو اسی پر محمول کرنا لازم ہے۔ خدا ہی کیلئے ساری خُوبیاں ہیں اس سے مسئلہ امید کے حکم اور تعلیل دونوں ہی سے متعلق اشکال حل ہو گیا۔ (ت)

اقول: وتم علی مسألۃ الوعد تفریعا وتاصیلا* فمعلوم قطعا بداھۃ ان الوعد لایحصّل وانما یرجّی وقد نقرر فی المذھب ان راجی الماء یجوز لہ التیمم ولایجب علیہ التأخیر وان زعم الاٰن زاعم ان الوعد محصّل للشیئ فی الحال فقد صادم بداھۃ غیر مکذوبۃ وای وعد مثل وعد اللہ ورسولہ جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وتلك الجنۃ قدوعدھا المتقون افتراھم دخلوھا الاٰن وتنعما بنعیمھا فی الدنیا وحصلوا الحور

اقول: اور تفریع وتاصیل کے لحاظ سے مسئلہ وعدہ یہاں پر تمام ہُوا اس لئے کہ قطعًا بداہۃً معلوم ہے کہ وعدہ پانی حاصل نہیں کرا دیتا۔ پانی حاصل ہونے کی صرف اُمید پیدا کرتا ہے۔ اور مذہب میں یہ طے شدہ ہے کہ پانی کی امید رکھنے والے کیلئے تیمّم کر لینا جائز ہے اور اس پر نماز مؤخر کرنا واجب نہیں اب اگر کوئی یہ خیال کرے کہ وعدہ فی الحال شیئ کو حاصل کرا دیتا ہے تو وہ ناقابل تکذیب بداہت سے تصادم میں مبتلا ہے خدائے بزرگ و برتر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے جیسا کون سا وعدہ ہو سکتا ہے اور متقیوں سے اس

والقصور* والالبان والخمور* والحریر* والسریر* ھذہ سفسطۃ ظاھرۃ فاذا کان ھذا فی مواعید العباد* وبالجملۃ لم یصل فھمی القاصر الی کنہ ھذہ المسألۃ ولم ارمن تکلم فیھا لکشف خافیھا غیر انہ لیس لنامع نص فی المذھب مجال مقال فالمسألۃ مسلمۃ قطعا لکونھا منصوصا علیھا فی الاصل کماعزاہ لہ فی الخلاصۃ لکن لادلالۃ لھا ولالشیئ مماعلمتُ من من فروع المذھب وتعلیلا تھا علی کون الوعد یثبت قدرۃ مستندۃ بل الذی لاح من الدلیل یقضی باقتصارھا کما علمت فانا استخیر اللہ تعالٰی فیہ وحاش للہ لااقطع القول بہ ولااجعلہ حکما وانما اقول کماقلت ھذا ماظھر* فلیراجع ولیحرر* واللہ سبحٰنہ ومولٰنا واٰلہ وصحبہٖ وسلم اٰمین۔	جنت کا وعدہ ہوا ہے تو کیا وہ ابھی جنّت میں داخل ہوگئے اور اس کی آسائشوں کی لذت دنیاہی میں پاگئے اور حُور وقصور، شیر وشراب، ریشم وتخت سب ابھی حاصل کرلئے یہ کھلا ہوا سفسطہ ہے تو جب یہ اس کے وعدہ کا معاملہ ہے جس سے وعدہ خلافی محال ہے تو بندوں کے وعدوں کا کیا حال ہوگا۔ المختصر میرا فہم قاصر اس مسئلہ کی تہ تک نہ پہنچ سکا نہ ہی کوئی ایسا نظر آتا جس نے اس مسئلہ کا راز سربستہ کھولنے کیلئے اس میں کلام کیا ہو مگر یہ نصّ مذہب ہوتے ہوئے ہمیں مجال کلام نہیں۔ مسئلہ تو قطعًا مسلّم ہے کیوں کہ اصل میں اس پر نص موجود ہے جیسا کہ خلاصہ نے اس کا حوالہ دیا لیکن یہ مسئلہ اور مذہب کے جتنے بھی مسائل وجزئیات اور ان کی تعلیلات میرے علم میں آئیں کسی کی کوئی دلالت اس پر نہیں کہ وعدہ سے قدرت مستندہ ثابت ہوتی ہے کہ بلکہ دلیل سے جو کچھ ظاہر ہُوا وہ اسی کا مقتضی ہے کہ اس سے قدرت مقتصرہ ثابت ہوگی جیسا کہ (تنبیہ سوم کے شروع میں) معلوم ہوا۔ تو میں خدا تعالٰی سے اس بارے میں استخارہ کرتا ہُوں اور خدا ہی کیلئے پاکی ہے، میں اس بارے میں قطعی قول نہیں کرتا، نہ ہی اسے کوئی حکم قرار دیتا۔ میں اب بھی وہی کہتا ہوں جو پہلے کہہ چکا کہ یہ وہ ہے کہ جو میرے ذہن میں آیا تو اس کی مراجعت اور تنقیح و تحقیق کی ضرورت ہے اور خدائے پاک وبرتر ہی خُوب جاننے والا ہے۔ اور اللہ تعالٰی درود وسلام نازل فرمائے ہمارے آقا و مولٰی اور ان کی آل واصحاب پر الٰہی! قبول فرما۔ (ت)

تنبیہ چہارم: اقول: ظاہرًا وعدہ کی مثبت قدرت مانا گیا ہے اُس میں شرط ہے کہ یا تو مطلق ہو مثلًا دُوں گا یا وقت حاضر سے مقید مثلًا ابھی دیتاہُوں نہ وہ کہ وقت آئندہ سے مقید ہو مثلًا کل دُوں گا یا

شام کو لینا یا گھنٹہ بھر بعد ملے گا اور وقت میں نصف ہی گھنٹہ ہے ایسا وعدہ اصلاً مثبت قدرت نہ ہوگا قبل نماز ہو یا بعد کہ وہ حقیقۃً دو [۲] چیزوں سے مرکب ہے وقت حاضر میں منع اور وقت آئندہ کیلئے امید دلانا تو وقت حاضر کیلئے منع ہی ہُوا نہ وعدہ ورنہ لازم ہو کہ اگر وہ کہے دس برس بعد دُوں گا تو دس برس تک اسے نماز سے معطل رہنے کا حکم ہو **کما تقدم تقریرہ فی التنبیہ الثانی وھذا ظاھر جدا** (جیسا کہ تنبیہ دوم میں اس کی تقریر پیش ہُوئی اور یہ بہت واضح ہے۔ت)

بالجملہ ایسا وعدہ بنظر وقت حاضر منع ہے تو اگر پہلے ظن عطا تھا اُس کی خطا ثابت ہوگی اور ظن منع تھا تو اس کی تصدیق ہوگی اور شک تھا تو علمِ منع سے بدل جائے گا **واللہ تعالٰی اعلم** اس وعدے کا نام وعدِ ابائی رکھئے اور مطلق یا مقید بوقت حاضر کا نام وعدِ رجائی۔

تنبیہ پنجم: اقول:[۱] وعدہ رجائی اگر قبل نماز ہو ضرور مطلقاً مؤثر ہے اگر تیمّم سے پہلے ہے تیمّم کا مانع ہوگا اور بعد ہے تو اس کا ناقض اور عین نماز میں ہے تو اس کا مبطل اگرچہ وفا ہو یا نہ ہو یعنی وقت گزر جائے اور پانی نہ دے کہ ہمارے ائمہ نے انتظار واجب فرمایا اگرچہ وقت نکل جائے لیکن[۲] اگر یہ وعدہ بعد نماز ہو خواہ یوں کہ اس نے مانگا ہی بعد یا اصلاً نہ مانگا اور اس نے بطورِ خود وعدہ کرلیا یہاں دو [۲] صورتیں ہیں اگر وقت کے اندر دے دیا ضرور اعادہ نماز کرے گا۔

فان العطاء فی الوقت مبطل مطلقا ولو بلا وعد ومازادہ الوعد الا تأییدا۔ **فان قلت** کیف ولایخلو الوعد عن منع فی الحال لان حاصلہ لا اعطیك الاٰن بل بعد حین فان من یجیب من فورہ فیم یعد فھذا عطاء بعد اباء فلایعتبر۔ **اقول:** الوعد لوقت الحاجۃ لایعد منعا عرفا ولا شرعا فمن حلف(۳) لایمنع زیدا کذا فسألہ زید	اس لئے کہ وقت میں دے دینا مطلقاً باطل کردیتا ہے اگرچہ بلا وعدہ ہو۔ وعدہ بھی ہوا تو اس کی اور زیادہ تائید ہی ہُوئی۔(ت) **اگر یہ سوال ہو** کہ یہ کیسے جب کہ وعدہ حال میں منع سے خالی نہیں ہوتا اس لئے کہ اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ تم کو ابھی نہ دُوں گا کچھ بعد میں دُوں گا، کیونکہ جو فوراً کام کردے وہ وعدہ کس بات کا کرے گا۔ تو یہ انکار کے بعد دینا ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہ ہوگا۔(ت) **اقول:** (جواباً میں کہوں گا) ضرورت کے وقت دینے کا وعدہ عرفاً منع نہیں شمار ہوگا، نہ ہی شرعاً۔ اگر کسی نے قسم کھائی زید سے فلاں چیز

فوعدہ لوقت حاجتہ لایحنث قطعا وبہ تبین ان الوعد غیرالعطاء ایضا فلو(ا)حلف لایعطی لایحنث بمجرد الوعد ایضافھوامربین بین فکما لاتثبت ایضا احکام العطأ بل الرجاء کماذکرنا ولکن العبرۃ بالمنقول وان لم یظھر للعقول۔	کا انکار نہ کروں گا۔اب زید نے اس سے وہ چیز طلب کی۔اس نے وعدہ کیا کہ جب ضرورت ہوگی دے دوں گا تو ہرگز اس کی قسم نہ ٹوٹے گی۔اسی سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ وعدہ اور ہے دینا اور۔اگر قسم کھائی کہ فلاں چیز اسے نہ دے گا تو صرف وعدہ کرنے سے اس کی قسم نہ ٹوٹے گی۔وعدہ ایک درمیانی امر ہے تو جیسے اس کیلئے منع کے احکام ثابت نہ ہوں گے ایسے ہی عطا کے احکام بھی نہ ثابت ہوں گے بلکہ رجا کے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔لیکن اعتبار منقول کا ہے اگرچہ عقلوں پر واضح نہ ہو۔(ت)

اور اگر وقت میں نہ دیا تو دو صورتیں ہیں یا تو اس کا خُلف ظاہر ہوگا کہ وقت گزر گیا اور قصداً نہ دیا تو یہ وعدہ موثر نہ ہوگا۔

لانہ لم یعط وماعطاہ الوعد من ظن الاعطاء زال بالخلاف ولاعبرۃ بالظن البین خطؤہ فان کان قبلہ یظن عطاء فقد خاب اومنعا فقدصدق اویشك فتبدل بعلم المنع۔	اس لئے کہ اس نے دیا نہیں اور وعدہ نے جو ظنِ عطا بخشا تھا وہ وعدہ خلافی سے ختم ہوگیا اور ایسے گمان کا اعتبار نہیں جس کی غلطی واضح ہو۔اگر پہلے اسے عطا کا گمان تھا تو وہ ناکام ہوا، یا منع کا گمان تھا تو سچ ہوا، یا شک تھا تو وہ منع کے یقین سے بدل گیا۔(ت)

اور اگر اُس کا خُلف ظاہر نہ ہوا، مثلاً وعدہ یوں تھا کہ دو[1] گھڑی بعد آکر لے جانا یہ نہ گیا وقت کے اندر اسے یا اسے کہیں جانے کی ضرورت لاحق ہوئی یوں افتراق ہوگیا اور نہ دے سکا تو اس صورت میں ظاہر یہ ہے واللہ تعالٰی اعلم کہ مطلقاً اعادہ نماز کا حکم ہو۔

فان الحقیقۃ بقیت فی السترفدارالامر علی الظن فان کان یظن العطاء فقدتضاعف بالوعدوان کان یظن المنع فقد تضعف بل اضمحل بہ لان الوعد یورث ظن العطاء قطعا کماقال الامام محمدان	اس لئے کہ حقیقت توروپوش ہی رہ گئی اس لئے مدار امر ظن پر ہُوا اب اگر اسے عطا کا گمان تھا تو وہ وعدہ سے اور بڑھ گیا اور اگر منع کا گمان تھا تو وہ اس سے ضعیف بلاکہ مضمحل ہوگیا اس لئے کہ وعدہ بلاشبہہ ظنِّ عطا پیدا کرتا ہے، جیسا کہ

الظاھر الوفاء ولاامکان لتعلق الظن الغالب بکلاالطرفین فاذا حدث ظن العطاء فقد زال ظن المنع وکذا الشك لان الرجحان یبطل التساوی فلم یبق ماتبنی علیه صحة صلاته والاصل فی الماء الاباحة وقد تبین ان التقصیر منه لترکه السؤال لاجل ظن منع اوشك ظھر کونھما فی غیر المحل فتعاد الصلاۃ لتقع البراء ۃ بیقین* فان الصلاۃ من اجل مایحتاط له فی الدین* ھذاما ظھر لی والعلم بالحق عند الحق المبین۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ "ظاہر وفا ہے" اور یہ ممکن نہیں کہ ظن غالب کا تعلق دونوں ہی جانب سے ہو۔ تو جب ظن عطا پیدا ہوگا ظنِ منع ختم ہو جائے گا۔ یہی حال شک کا ہے اس لئے کہ جب ایک طرف رجحان پیدا ہوگا تو وہ دونوں جانب کی باہمی مساوات باطل کردے گا۔ اب ایسا کوئی امر باقی نہ رہا جس پر اس کی نماز کی صحت کی بنیاد رکھی جاسکے۔ اور پانی میں اصل اباحت ہے۔ اور واضح ہوگیا کہ کوتاہی اس کی ہے کہ اس نے سوال ہی نہ کیا اس ظن سے یا شک کے باعث جن (دونوں) کا بے جا ہونا عیاں ہوگیا تو نماز کا اعادہ کرنا ہوگا تاکہ یقینی طور پر عہدہ برآ ہو جائے اس لئے کہ دین کے جن کاموں میں احتیاط برتی جاتی ہے ان میں نماز سب سے بزرگ ہے۔ یہ وہ ہے جو میرے ذہن میں آیا اور حق کا علم حق مبین کو ہے۔
وبالجملة لقدطال الکلام فی ھذہ المسألة الثامنة ولعمری لم یخل عن فائدۃ عائدۃ بل اشتمل ولوجه ربی الحمد علی غرر درر لم تنظم ببنان البیان* ونفائس عرائس لم یطمثھن انس قبلی ولاجان* وحاصل ماقررنا فیه ان الوعد الابائی لایؤثر مطلقا والرجائی مؤثر مطلقا الا اذاکان بعد الصلاۃ وظھر خلفه واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	بالجملہ اس آٹھویں مسئلہ میں کلام طویل ہوگیا مگر نفع بخش فائدے سے خالی نہ رہا بلکہ ایسے آبدار گوہروں پر مشتمل ہُوا جو کبھی انگشتِ بیان سے پروئے نہ گئے اور ایسی نفیس و حسین عروسوں پر جنہیں مجھ سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا نہ کسی جِن نے۔ اور ساری حمد میرے رب کی ذات کیلئے ہے۔ اور اس بارے میں ہم نے جو کچھ ثابت کیا اس کا حاصل یہ ہوا کہ وعدہ ابائی مطلقًا بے اثر ہے اور وعدہ رجائی مطلقًا مؤثر ہے مگر جب کہ ادائے نماز کے بعد ہو اور اس کا خلف ظاہر ہو جائے۔ اور خدائے پاک و برتر خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

یہ تمام مباحث وہ ہیں کہ ذہنِ فقیر پر فیضِ قدیر سے القا ہوئے۔ ہزار ہزار حسرت کہ کتب حاضرہ میں ان میں سے کسی صورت سے اصلاً تعرض نہ پایا یہی حال آئندہ مسئلہ سکوت کا ہے ناچار دونوں میں

ان ابحاث کی احتیاج نے مُنہ دکھایا یاحاشا احکام میں رائے زنی نہ ہمارا منصب نہ اس پر اعتبار تتبع اسفار وتلاحق انظار اولی الابصار ضرور درکار۔

واللہ المستعان* وعلیہ التکلان* ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا مولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین۔	اور خدا ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے اور اسی پر بھروسہ ہے اور کوئی طاقت وقوت نہیں مگر خدائے برتر و باعظمت ہی سے۔اور اللہ تعالٰی رحمت نازل فرمائے ہمارے آقا و مولٰی محمد اور ان کی آل واصحاب سب پر الٰہی قبول فرما۔(ت)

مسئلہ ۹ منع یعنی دینے سے انکار دو۲ قسم ہے ایک صراحۃً کہ صاف کہہ دے نہ دُوں گا یا اور الفاظ کہ ان معنی کو مؤدی ہوں۔

اقول: منع ابائی کہ ہم نے ابھی تنبیہ چہارم میں ذکر کیا اسی قسم میں ہے کہ وہ خاص مدلولِ کلام ہے۔دوسرا دلالۃً یعنی اور کوئی امر کہ منع پر دلالت کرے۔در مختار میں اس کی مثال استہلاک سے دی یعنی پانی خرچ کرلینا یا پھینک دینا کہ اب دینے کی صلاحیت ہی نہ رہی۔

حیث قال یطلبہ ممن ھو معہ فان منعہ ولودلالۃ بان استھلکہ تیمم[1]	ان کے الفاظ یہ ہیں:"پانی اپنے ساتھی سے طلب کرے گا اگر وہ انکار کرے اگرچہ دلالۃً اس طرح کہ وہ پانی ختم کر ڈالے تو تیمّم کرے"۔(ت)

یونہی اگر بعض خرچ کردیا اور باقی طہارت مطلوبہ کو کافی نہ رہا طحطاوی میں ہے:

اواستھلك البعض والباقی غیر کاف[2]۔	یا کچھ ختم کر ڈالا اور جو بچا وہ ناکافی ہے۔(ت)

اقول: مطلوب کی قید ہم نے اس لئے لگائی کہ اگر نہا چکا اور مثلاً پیٹھ پر اتنی جگہ خشک رہی جسے ایک چُلّو پانی درکار ہے تو اگر ایک ہی چُلّو باقی ہے طہارت غسل کو کافی ہے اور اگر پُورا نہانا ہے تو آدھا گھڑا بھی کافی نہیں۔اور اگر اس نے مانگا اور اس نے اُسے نہ دیا زید کو دے دیا تو یہ بھی حکماً استہلاک اور دلالۃً منع ہوگا یا نہیں۔

اقول: لم ارہ واذکر ماظھر لی	**اقول:** یہ میری نظر سے نہ گزرا،اب

[1] در مختار، باب التیمم، مطبوعہ مجتبائی دہلی،۱/۴۴

[2] طحطاوی علی الدر المختار باب التیمم مطبوعہ بیروت، ۱/۱۳۲

بتوفیقه جل وعلا وارجو ان یکون صوابا ان شاء الله تعالٰی۔	میں وہ بیان کرتا ہوں جو خدائے بزرگ وبرتر کی توفیق سے مجھ پر ظاہر ہوا اور مجھے امید ہے کہ اگر خدائے برتر نے چاہا تو درست ہی ہوگا۔(ت)

اگر[1] دوسرے کو اباحۃً دے دیا تو یہ منع ہے کہ صاف معلوم ہوا کہ اسے دینا نہ چاہا اور جسے مباح کیا وہ اسے دے نہیں سکتا کہ وہ اباحت سے مالک نہ ہوا اور اگر اُس کے ہاتھ ہبہ تامہ بیع کردیا تو اگرچہ یہ اس خاص شخص کی طرف سے منع ہوا مگر یہ مسئلہ کہ دوسرے کے پاس پانی پایا بدستور متوجہ ہے کہ اب جو اس کا مالک ہوا اگر ظن غالب ہو کر یہ مانگنے سے دے دے گا تو اس سے مانگنا واجب ورنہ نہیں اور اب اس کے عطاو منع میں وہ سب احکام عود کریں گے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

ثم اقول: ظاہرًا بلکہ **اِن شاء اللہ المولٰی تعالٰی** یقینا منع[2] دلالۃً کی تیسری صورت سکوت بھی ہے اس نے مانگا اور اس نے صاف انکار تو نہ کیا مگر چُپ رہا تو حاجت کے وقت سکوت سے یہی سمجھا جائے گا کہ دینا منظور نہیں

وقد تقدم قولهم فی من سألة المتیمم عن الماء فلم یخبره وهو یشمل السکوت وقد عبر منه فی الحلیة بالاباء۔	حضرات علماء کرام کا کلام اُس سے متعلق گزر چکا جس سے تیمّم والے نے پانی کے بارے میں پُوچھا تو اس نے خبر نہ دی یہ صورت سکوت کو بھی شامل ہے اور حلیہ میں اس کی تعبیر انکار سے کی ہے۔(ت)

اس[3] کی نظیر سکوت مدعا علیہ ہے جب بطلب مدعی اس پر حلف متوجہ ہوا اور قاضی نے اُس سے حلف طلب کیا وہ چُپ رہا یہ سکوت انکار سمجھا جائے گا جبکہ نہ سننے یا نہ بول سکنے کے باعث نہ ہو ولہذا[4] مستحب ہے کہ قاضی اس سے تین بار کہے اگر سکوت کرے حلف سے نکول ٹھہرا کر مدعی کو ڈگری دے دے تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

(قضی) القاضی (علیه بنکوله مرة) حقیقةً (بقوله لااحلف او) حکما کأن (سکت من غیر اٰفة) کخرس وطرش فی الصحیح سراج وعرض الیمین ثلثا ثم القضاء احوط[1] اھ قال ش ای ندبا[2]۔	قاضی (قسم سے ایک بار انکار کی وجہ سے اس کے خلاف فیصلہ دے دے گا) یہ انکار حقیقۃً ہو (اس طرح کہ وہ کہے میں قسم نہ کھاؤں گا، یا) حکمًا ہو مثلاً وہ گونگے پن اور بہرے پن جیسی کسی معذوری و(آفت کے بغیر خاموش رہے) یہی صحیح قول ہے۔

---

[1] الدر المختار مع الشامی کتاب الدعوی مطبع مصطفٰی البابی مصر ۴/۱۷ ۴

[2] ردالمحتار کتاب الدعوی مطبع مصطفٰی البابی مصر ۴/۲ ۷ ۴

سراج۔ اور تین بار قسم پیش کرنا پھر فیصلہ دینا زیادہ محتاط طریقہ ہے اھ۔ علامہ شامی نے فرمایا: یعنی استحبابًا۔ (ت)

اقول: مگر استعمال[1] قرائن ضرور ہے وہ اُس وقت وحالتِ سائل ومسئول عنہ اور ان کے تعلقات سے اُن پر ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ تو سکوت ہے قول صریح میں استعمال قرائن لازم ہے ایک ہی بات حرف بحرف ایک ہی جملہ اور اُس سے کبھی اقرار مفہوم ہوتا ہے کبھی انکار۔ زید[2] نے عمرو سے کہا تُو نے اپنی عورت کو طلاق دی اُس نے نرم آواز ودبے لہجے سے کہا میں نے طلاق دی۔ یہ اقرار ہے طلاق ہو گئی اور اگر اُس نے ترش وگرم ہو کر سخت آواز سے تعجب یا زجر وتوبیخ کے لہجے میں کہا میں نے طلاق دی۔ یہ انکار ہے طلاق نہ ہوئی۔ الفاظ بعینہا وہی ہیں اور حکم اثبات سے نفی تک بدل گیا۔ یوں[3] ہی اگر عورت نے کہا مجھے طلاق دے اس نے نہ مانا عورت نے پوچھا دی، اس نے جھڑکنے کے لہجے میں سختی سے کہا دی، طلاق نہ ہوئی ورنہ ہو گئی۔

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

امرأة قالت لزوجها طلقنی فابی فقالت دادی قال دادم ان کان فی قوله دادم ادنی تثقیل لایقع الطلاق[1]۔	کسی عورت نے اپنے شوہر سے کہا" مجھے طلاق دے" اس نے انکار کیا۔ پھر عورت نے کہا" تم نے دی" اُس نے کہا" میں نے دی"۔ اگر شوہر کے قول میں کچھ گرانباری ہو تو طلاق نہ ہو گی۔ (ت)

یونہی[4] شوہر نے گواہوں کے سامنے عورت سے کہا: اللہ تیرا بھلا کرے تُو نے مجھے مہر بخش دیا۔ وہ بولی ہاں میں نے بخشا عہ ہاں میں نے بخشا، گواہوں نے کہا کیا ہم گواہ ہو جائیں کہ تُو نے مہر بخش دیا۔ بولی ہاں گواہ ہو جاؤ ہاں گواہ ہو جاؤ۔ علما فرماتے ہیں اس کے یہ الفاظ اقرار وانکار دونوں کو محتمل ہیں گواہ اس کی

عہ فتاوٰی نسفی پھر فتاوٰی ذخیرہ پھر فتاوٰی ہندیہ میں دو ۲ بار کی قید نہ لگائی اور گواہوں کے جواب میں عورت کا یہ قول بتایا کہ ہزار آدمی گواہ ہو جاؤ۔ اقول: یہ لفظ معنی طنز کی طرف زیادہ مائل ہے عالمگیری کی عبارت کتاب الہبہ باب ۱۱ میں یہ ہے:

فی فتاوی النسفی رجل قال لامرأته بین یدی	فتاوٰی امام نسفی میں ہے کہ ایک شخص نے (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الطلاق مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۲/۲۱۲

طرز سے پہچانیں گے کہ تحقیق مقصود ہے یا طنز سے کہہ رہی ہے۔ وجیز امام کردری کتاب النکاح فصل ۱۲ میں ہے:

قال لها عند الشهود جزاك الله تعالٰی خیرا وهبت المهر فقالت آرے بخشیدم[1] مرتین فقال الشهود لها انشهد علی هبتك فقالت مرتین[2] آرے گواہ باشید فهذا یحتمل الرد والاجابة والشهود یعرفون ذلك ان قالت علی وجه التقریر حملت علی الاجابة والاعلی الرد[3]۔	بیوی سے گواہوں کے سامنے کہا خدا تجھے جزائے خیر عطا فرمائے تُو نے مجھے مہر بخش دیا، وہ بولی"ہاں میں نے بخش دیا" دو بار کہا۔ اس پر گواہوں نے کہا کہ کیا ہم گواہ ہوجائیں کہ تُو نے بخش دیا۔ وہ دو۲ بار بولی "ہاں گواہ ہوجاؤ"۔ تو اس میں رَد وقبول دونوں کا احتمال ہے۔ گواہان اس کی شناخت کرسکیں گے۔ اگر اس نے بطور اثبات کہا تو قبول پر محمول ہوگا ورنہ رَد پر محمول ہوگا۔ (ت)

فلہذا اگر قرینہ سابقہ[1] یا حاضرہ یا لاحقہ دلالت کرے کہ یہ سکوت بروجہ منع نہ تھا تو حکم انکار میں نہ ٹھہرے گا۔ قرینہ سابقہ یہ کہ اُس کی عادت معلوم ہے کہ سوال اگرچہ مانے سکوت کرتا اور کام کردیتا ہے تو جب تک نہ دینا متحقق نہ ہو ایسے کا سکوت دلیل منع نہ ہوگا۔ قرینہ حاضرہ یہ ہے کہ اُس وقت وہ کسی امر عظیم میں مشغول ہے یا وظیفہ پڑھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) الشهود غفرالله لك حیث وهبت لی المهر الذی لك علی فقالت آرے بخشیدم فقال الشهود هل نشهد علی هبتك فقالت هزارتن گواہ باشید قال یعرف الرد والتصدیق فی اثناء کلامها فحمل علی ماترون کذا فی الذخیرة ۱۲ منه غفرله (م)	گواہوں کے سامنے اپنی عورت سے کہا اللہ تیرا بھلا کرے کیا تُو نے مجھ پر لازم اپنا حق مہر بخش دیا؟ تو عورت نے کہا: ہاں میں نے بخش دیا۔ اس پر گواہوں نے کہا کیا ہم گواہ ہوجائیں کہ تُو نے اپنا حق مہر بخش دیا۔ عورت نے کہا ہزار آدمی گواہ ہوجاؤ۔ فرمایا اس صورت میں عورت کے طرزِ کلام سے انکار یا تصدیق کی پہچان ہوگی اس کو اس پر محمول کیا جائے گا جو تم غور کے بعد نتیجہ اخذ کرو ذخیرہ میں ایسے ہی ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

---

[1] فتاوٰی بزازیۃ مع الہندیۃ الثانی عشر فی المہر مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۳۲

[2] فتاوٰی بزازیۃ مع الہندیۃ الثانی عشر فی المہر مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۳۲

[3] فتاوٰی الہندیۃ کتاب الھبۃ باب ۱۱ مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۳۳

رہاہے یاپریشان ہے یا کسی بات پر سخت غصہ میں ہے کہ ان حالات کاسکوت دلیل منع نہیں ہوتا۔قرینہ لاحقہ یہ کہ اُس وقت کی حالت سے تو کچھ ظاہر نہ ہوامگر تھوڑی دیر بعد وقت کے اندر وہ پانی لے آیا اگرچہ یہ اتنی دیر میں جلدی کر کے اُس کی نگاہ سے جُدا نماز تیمّم سے پڑھ چکا ہو کہ وقت پر دینا صریح اجابت ہے تو منع کہ سکوت سے مفہوم ہوتا تھا صریح کے معارض نہ ہوگا۔فتاوٰی امام قاضی خان وغیرہا میں ہے: **الصریح یفوق الدلالة**[1] (صریح،دلالت سے بڑھا ہوا ہے۔ت) اور یہ نہ ٹھہرائیں گے کہ وہ سکوت بفرض منع ہی تھا پھر رائے بدل گئی کہ یہ خلاف اصل ہے، حلیہ میں ہے:

فان قلت من الجائز تبدل حال المسئول قلت الاصل عدم التبدل فیجری علیه مالم یتم الدلیل علی خلافه ولم یوجد[2]۔	اگر یہ کہا جائے کہ ہوسکتا ہے جس سے سوال ہوااس کی حالت بدل گئی ہو۔میں کہوں گا۔اصل عدم تبدل ہے تو وہ امر اسی پر جاری ہوگا جس کے خلاف پر دلیل تام نہ ہُوئی اور نہ پائی گئی۔(ت)

اقول: تفصیل ۲ مقام بتوفیق العلّام یہ ہے کہ سکوت کے بعد یا ۱ تو وہ اصلًا نہ دے گا یا ۲ اس نماز کا وقت نکل جانے کے بعد دے گا یا ۳ وقت میں دے گا مگر بعد اس کے کہ یہ تیمّم سے پڑھ چکا یوں کہ اسے تیمّم کرتے اُس سے نماز پڑھتے دیکھا اور اُس وقت پانی نہ دیا یا ۴ اس پر مطلع نہ ہو کر دیا یا ۵ عین نماز میں دے گا یا ۶ نماز سے قبل۔یہ چھ ۶ صورتیں ہیں ان میں پہلی کا حکم توظاہر ہے کہ دلالت منع کا کوئی معارض نہ پایا گیا بلکہ اُس کا ثبوت ہوگیا تو نماز و تیمّم دونوں صحیح رہے اور اخیر دو ۲ بھی قابلِ بحث نہیں کہ جب ختم نماز سے پہلے پانی مل گیا آپ ہی وضو کرکے پڑھنے کا حکم اور چہارم کا حکم ابھی گزرا کہ اجابت ہے باقی دو ۲ صورتیں رہیں دوم وسوم ان میں ظاہر یہی ہے کہ منع پر سکوت کی دلالت مستقر ہوگئی کوئی قرینہ اس کے معارض ہونا درکنار اُس کا مؤید پایا گیا نماز صحیح ہوئی اعادہ نہ ہوگا دوم میں یوں کہ حاجت ہر وقت متجدد ہوتی ہے جب اس حاجت کا وقت گزار دیا اور مانگے نہ دیا معلوم ہوا کہ اس وقت دینا منظور نہ تھا دوسری حاجت کے وقت دینا نہ اس سوال کی اجابت کرے نہ اس کے وقت قدرت کے اثبات۔اس وقت عجز ظاہر تھا اور وقتِ حاجت سوال پر سکوت نے ظن منع دیا تھا اس کی حاجت اس کا سوال اس کا ظن سب وقت حاضر کی نسبت تھے دوسرے وقت دینے نے اس ظن کو غلط نہ کیا بلکہ ثابت و محقق کردیا اور یہاں **لاعبرة بالظن البین خطؤه** (اس گمان کا اعتبار نہیں جس کی خطا واضح ہو۔) (ت)

[1] درمختار کتاب الہبۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۵۹/۲

[2] حلیۃ

صادق نہ آیا ورنہ چاہے کہ وہ مہینہ بھر بعد دے تو اس کی یہ ڈیڑھ سو نمازیں سب باطل ہو جائیں کہ بعد وقت جیسا ایک وقت ویسے ہی ہزار یہ حرج ہے اور دفع حرج لازم اور اس کی طرف سے تقصیر نہیں کہ اس کے قابو میں سوال ہی تھا یہ اسے بجالا چکا محیط و بحر سے ابھی گزرا **جازت صلاتہ لانہ فعل ماعلیہ**[1] (اس کی نماز ہو گئی اس لئے کہ اس کے ذمہ جو تھا وہ بجالایا۔ت) حلیہ سے گزرا:

فعل مافی وسعہ قبل الفعل فیقع جائزا دفعا للحرج فلاینقلب غیر جائز[2]۔	اس کے بس میں جو تھا فعل سے قبل بجالایا تو دفع حرج کے پیش نظر اس کا عمل جائز ہی ادا ہوا تو اب ناجائز میں تبدیل نہ ہوگا۔(ت)

اور سوم میں یوں کہ اس دینے سے بھی قدرت مقتصرہ ثابت ہو گی یعنی وقت عطا سے نہ مستندہ یعنی سابق سے کہ مانگنے پر اُس کا چُپ رہنا اور اسے تیمّم کرتے اور نماز تیمّم سے شروع کرتے دیکھنا اور اب بھی خاموش رہنا اس کے عجز کو مؤکد کر گیا اب قدرت جدیدہ اُسے نقض نہ کرے گی۔ ولوالجیہ و حلیہ سے گزرا:

انہ اذا ابی تأکد العجز فلاتعتبر القدرۃ بعد ذلك[3]۔	اس نے جب انکار کردیا تو عجز مؤکد ہوگیا اب اس کے بعد قدرت ہونے کا اعتبار نہیں۔(ت)

بدستور اس کے قابو میں سوال تھا اُسے بجالایا اب اس پر الزام نہیں جیسا کہ ابھی محیط و بحر و حلیہ سے گزرا اگر کہیے وہ کہ مانگ کر چلا آیا اور جلدی کرکے اُس کی نگاہ سے جُدا مثلاً اپنے خیمہ میں تیمّم سے پڑھ لی اُس کے ذمہ بھی سوال ہی تھا جسے بجالایا اُس پر کیوں الزام ہے۔

اقول: سوال مطلوب بالذات ومنتہائے مقصد نہیں کہ سوال کرلیا اور عہدہ برآ ہو گئے جواب کچھ بھی ہو بلکہ وہ بغرض استکشاف حال ہے کہ جواب سے منع واجابت جو ظاہر ہو اُس پر عمل کیا جائے یہاں عطا بروقت سے اجابت ظاہر ہوئی **کما تقدم** (جیسا کہ گزرا۔ت) تو مجرد سوال کرلینا اُسے بری الذمہ نہ کرے گا۔

الاتری ان الحلیۃ جعلت تاکدالعجز عبارۃ اخری عن ھذا المعنی اعنی فعل مافی وسعہ کماتقدم فی المسألۃ السابعۃ۔	دیکھئے کہ اس معنی اس کے بس میں جو تھا بجالایا کی دُوسری تعبیر حلیہ نے عجز مؤکد ہونے کے قرار دیا جیسا کہ مسئلہ ہفتم میں گزرا۔(ت)

---

[1] البحرالرائق، شرح کنزالدقائق، باب التیمم، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۱۶۲

[2] حلیہ

[3] حلیہ

بخلاف صورت دوم وسوم کہ وہاں منع ظاہر ہوا، کما تقرر (جیسا کہ گزرا۔ت) اور بخلاف اُس صورت کے کہ جسے پانی کی خبر ہونا گمان کیا اُس سے پُوچھا اُس نے سُنا اور جواب نہ دیا بعد نماز بتایا کہ سوال خبر پر جواب نہ دینا بعینہٖ ترک اخبار ہے اور سوال شے پر سکوت بعینہٖ انکار عطا نہیں جس کی وجوہ اُوپر گزریں وباللہ التوفیق واللہ تعالٰی اعلم۔

ثمّ اقول: یہ سب اُس صورت میں تھا کہ اُس نے مانگا اور اُس نے سکوت کیا تھا اور اگر اس[1] نے پانی دیکھا اور اصلًا نہ مانگا اور اُسے بعد خروج وقت اس کی حاجت پر اطلاع ہُوئی اور پانی لایا اس صورت میں بلاشبہہ مظنون ہے کہ اگر یہ مانگتا ضرور دیتا اور تقصیر اس کی طرف سے ہے کہ سوال نہ کیا تو ایک یا جتنی نمازیں پڑھیں سب کا اعادہ چاہیے، نمبر ۱۵۹ میں محیط سے گزرا:

لم تجز صلاته لانه کان قادرا علی استعماله بواسطة السؤال فاذالم یسأله جاء التقصیر من قبله[1]۔	اس کی نماز نہ ہوئی اس لئے کہ وہ مانگ کر اس پانی کو استعمال کرسکتا تھا۔ نہ مانگا تو کوتاہی اسی کی جانب سے ہوئی۔ (ت)

حلیہ سے ابھی گزرا:

فانه لم یستفرغ الوسع بالاستکشاف[2]۔	اس لئے کہ اس نے تفتیش کے ذریعہ اپنی پُوری کوشش صرف نہ کی۔ (ت)

بلکہ[2] اگر وہ اسے دیکھتا رہا کہ تیمّم سے پڑھتا ہے اور باوصف اطلاع پانی نہ دیا یا بعد وقت دیا جب بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مانگنے پر بھی نہ دیتا تو بلاسوال نہ دینا ظنِ منع کی تحقیق نہیں کرتا منع یہ ہے کہ مانگے سے نہ دے اور بارہا ہوتا ہے کہ لوگ بے مانگے خود پرواہ نہیں کرتے اور مانگا جائے تو دے دیں بلکہ یہاں دُوسرے وقت بے طلب دینے سے یہی پہلو رجحان پاتا ہے کہ مانگتا تو ضرور دیتا بخلاف صورت سکوت کہ یہ سوال کرچکا تھا اور اُس نے اُس وقت نہ دیا تو ظاہر ہوا کہ دینا منظور نہ تھا زیادات وجامع کرخی وبدائع وحلیہ میں ہے:

اذاغلب علی ظنه انه لایعطیه اوشك مضی علی صلاته فاذافرغ سأله فان اعطاه توضأ واستقبل الصلاة لانه ظهر	جب اسے غلبہ ظن ہو کہ نہ دے گا یا شک کی صورت ہو تو اپنی نماز پر برقرار رہے جب فارغ ہو جائے اس سے مانگے۔ اگر وہ دے دے وضو کرکے

[1] محیط

[2] حلیہ

انہ کان قادرا لان البذل بعد الفراغ دلیل البذل قبلہ وان ابی فصلاتہ ماضیۃ لان العجز قد تقرر[1] اھ۔

اقول: تقررہ ان الاصل فی الماء الاباحۃ والحظر عارض کما قالوہ فی الحلیۃ وغیرھا فی دلیل قول الامام اذا وعدہ احد اعطاء الماء یجب الانتظار وان فات الوقت وانما یمنع لحاجۃ اوشح وقد ظھر انتفاؤھما ببذلہ الاٰن فظھر انہ لوسئل قبل لبذل لان خصوصیۃ الوقت ملغاۃ بل تاخر الوقت ادل علی البذل قبلہ اذ لو کان محتاجا الیہ قبل لانفقہ اوبقی محتاجا الیہ الاٰن فاذا کان ھذا فی البذل بعد السؤال وقد ارسلوہ ارسالا ولم یقیدوہ بما اذا لم یرہ یصلی متیمّما فالبذل بدون سؤال اولٰی کما لایخفی واللہ تعالٰی اعلم۔

ازسرِ نَو نماز ادا کرے۔ کیونکہ ظاہر ہوگیا کہ وہ قادر تھا اس لئے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے پہلے بھی دے دیتا۔ اور اگر انکار کرے تو اس کی نماز تام ہے اس لئے کہ عاجز ہونا ثابت ہوگیا۔ (ت)

اقول: اس کی تقریر یہ ہے کہ پانی میں اصل اباحت ہے۔ اور منع عارضی چیز ہے۔ جیسا کہ حلیہ وغیرہا نے اسے بیان کیا ہے۔ امام اعظم کے اس قول کے تحت: "جب اس سے کوئی پانی دینے کا وعدہ کرے تو انتظار واجب ہے اگرچہ وقت نکل جائے" پانی سے انکار بخل کی وجہ سے ہوتا ہے یا اس لئے کہ خود اسے ضرورت ہے اور اِس وقت دے دینے سے دونوں باتوں کا نہ ہونا ظاہر ہوگیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ اگر پہلے بھی اس سے مانگا جاتا تو وہ دے دیتا۔ اس لئے کہ خصوصیّتِ وقت ساقط وبیکار ہے۔ بلکہ وقت کا مؤخر کرنا اس سے پہلے دے دینے پر زیادہ دلالت کرتا ہے اس لئے کہ اگر پہلے اسے خود اس کی ضرورت ہوتی تو خرچ کرلیا ہوتا یا اب بھی اس کا ضرورت مند رہتا۔ جب یہ مانگنے کے بعد دینے کا معاملہ ہے اور علماء نے اسے ارسالاً ذکر کیا یہ قید نہ لگائی کہ "جب اسے تیمّم سے نماز ادا کرتے دیکھا نہ ہو" تو بغیر مانگے دے دینا تو اس سے بڑھا ہوا ہے جیسا کہ واضح ہے اور خدائے برتر خُوب جاننے والا ہے۔ (ت)

اور یہاں دو۲ صورتیں وعدہ کی ہیں ایک یہ کہ نماز سے پہلے اس کے سوال پر خواہ بطور خود اُس نے پانی دینے کا وعدہ کیا اور بعدِ خروج وقت دیا یا اُس وقت کہ یہ تیمّم کرکے پڑھ چکا تھا خواہ اس نے اسے دیکھا یا نہ دیکھا اس میں کوئی صورت محلِ بحث نہیں کہ وعدہ کو ہمارے علماء نے خود ہی موجب قدرت جانا ہے وقت میں اُسے تیمّم سے

[1] بدائع الصنائع فصل فی شرائط رکن التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۹/۱

نماز جائز ہی نہیں خواہ وہ پانی کبھی دے یا کبھی نہ دے مگر باتباع امام زفر کہ اخیر وقت تیمّم سے پڑھے گا اُس کے خود اعادہ کا حکم ہے۔

دوسرے یہ کہ بعد نماز وعدہ کیا اور بعد خروج وقت دیا، تنبیہ پنجم میں گزرا کہ اس کا نماز پر کچھ اثر نہ ہونا چاہیے **بالجملہ** نماز کے بعد وقت کے اندر دینے میں عہ۱ مطلقاً نماز کا اعادہ ہے مگر یہ کہ نماز سے پہلے یا بعد انکار کرکے دیا یا پہلے سکوت کیا اور اسے تیمّم کرتے اور تیمّم سے نماز پڑھتے دیکھا اور اُس وقت بھی ساکت رہا بعد نماز دیا کہ یہ بھی حکماً عطا بعد منع ہے اور عنقریب آتا ہے کہ وہ مفید نہیں اور بعد خروج وقت دینا عہ۲ مطلقاً مبطل نماز نہیں مگر اُس حالت میں کہ اُس نے دیکھا اور اصلاً نہ مانگا اور اُس نے بعد وقت دے دیا یہ تمام مباحث اوّل تا آخر سوائے استہلاک کہ دُرمختار میں مصرح تھا اس فقیر بارگاہِ رسالت **علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ** نے تفقہاً ذکر کیں

فلیراجع ولیحرر فان اصبت فمن ربی وله الحمد وان اخطأتُ فمنی ومن الشیطان* والله ورسوله عنه بریاان* جل وعلا وصلی الله تعالٰی علیه وسلم* والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	تو اس کی مراجعت اور تنقیح کرلی جائے۔ اگر میں نے ٹھیک بیان کیا تو میرے رب کی جانب سے ہے اور اگر میں نے خطا کی تو یہ میری طرف سے اور شیطان کے وساوس سے ہے خدائے بزرگ وبرتر اور اس کے رسول انور ان پر خدائے برتر کی طرف سے سلام ورحمت ہو اس سے بری ہیں اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۰: منع[۲] کے بعد دینا مفید نہیں **کمافی الزیادات وصدر الشریعة والغنیة والبحر یاتی** (جیسا کہ زیادات، صدرالشریعۃ، غنیہ اور بحر نے ذکر کیا اور آگے بھی آئے گا۔ ت)

اقول: اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اس نے نماز سے پہلے مانگا اور اُس نے انکار کردیا پھر نماز سے پہلے ہی دے دیا خواہ بطور خود یا اس کے دوبارہ مانگنے پر خواہ یہ دوبارہ مانگنا تیمّم سے پہلے ہو یا بعد ہر حال میں یہ دینا مفید ومعتبر ہے کہ اس عطا نے اُس منع کو منسوخ کردیا اگر تیمّم کرچکا ہے ٹوٹ گیا وضو کرکے نماز پڑھے اور اگر نماز سے پہلے انکار کیا اور نماز کے بعد دیا آپ یا اس کے مانگنے پر توجہ دینا معتبر نہیں کہ اُس کے انکار کے سبب عجز

عہ۱ مطلقاً مبطل نماز نہ کہا کہ بصورتِ وعدہ یہ پانی دینا مبطل نماز نہ ہوگا کہ وہ خود ہی باطل تھی ۱۲ منہ غفرلہ (م)

عہ۲ یہ صورت وعدہ کو بھی شامل کہ وہ نماز خود ہی باطل تھی نہ کہ یہ پانی مبطل ۱۲ منہ غفرلہ (م)

محقق اور تیمّم جائز اور نماز صحیح ہوچکی اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ **من سعی فی نقض ماتم من جهته فسعیه مردود علیه** (جو ایسے امر کو توڑنے کی کوشش کرے جو اس کی جانب سے مکمل ہوگیا اس کی کوشش اسی پر پلٹ جائے گی۔ت) جب انکار سابق ہے تو عطائے لاحق قدرت سابقہ کیونکر ثابت کرسکتی ہے ہاں فی الحال قدرت ثابت ہوگی اب دیتے وقت تیمّم ٹوٹے گا اور آئندہ کیلئے وضو کرے گا۔ اور اگر نماز سے پہلے انکار کیا اور عین نماز میں کہا لے لے نماز و تیمّم دونوں جاتے رہے کہ اگرچہ قدرت سابقہ ثابت نہ ہوئی فی الحال تو ثابت ہُوئی اور وسط نماز میں اگرچہ قعدہ اخیرہ کے بعد سلام سے پہلے متیمم کا پانی پر قادر ہونا نماز و تیمّم کو باطل کرتا ہے **کما تقدم عن الخانیة** (جیسا کہ پہلے خانیہ کے حوالہ سے گزرا۔ت)

مسئلہ ۱۱: اقول[1] دینے کے بعد منع مفید ہے اور اس کا فائدہ صرف اس قدر ہے کہ تیمّم اگر بوجہ عطا ناجائز ہُوا تھا اب جائز ہوجائے اس سے زیادہ وہ عطا کے کسی اثر کو زائل نہیں کرتا مثلاً تیمّم کے بعد اُس نے پانی دیا تیمّم ٹوٹ گیا اب منع کرنے سے واپس نہ آئے گا یونہی اگر قبل تمامِ نماز دیا یا بے سبقت منع بعد نماز وقت دیا نماز جاتی رہی اب منع کرنے سے صحیح نہ ہو جائے گی۔ اور اگر اُس عطا سے تیمّم خود ہی ممنوع ہوا تھا جب تو یہ منع کچھ بھی مفید نہ ہوگا کہ اس کا فائدہ اباحت تیمّم تھا اور وہ پہلے سے حاصل ہے پھر اتنا فائدہ بھی اُس وقت ہے جب کہ پانی ابھی خرچ نہ ہُوا اور دینے والے کی ملک پر باقی ہو اور لینے والا اُس میں تصرف سے ممنوع نہ ہو مثلاً پانی بطور اباحت دیا اگر یہ تیمّم پہلے کرچکا تھا جاتا رہا ہنوز وضوء پُورا نہ کیا تھا کہ اس نے منع کر دیا اب اسے پانی کا استعمال جائز نہ رہا یونہی اگر پانی ہبہ کیا تھا اور ابھی اس کا قبضہ نہ ہوا تھا کہ اس نے منع کردیا کہ ہبہ قبل قبضہ ناتمام تھا اور اس کو منع کا اختیار حاصل اور اس صورت میں بھی تیمّم اگر پہلے کرچکا تھا زائل کہ مجرد اباحتِ آب بلکہ نرا وعدہ ناقضِ تیمّم ہے نہ کہ ہبہ ہاں اگر یہ قبضہ کرچُکا تو اب اُس کا منع بیکار ہے کہ اس کی ملک زائل ہوچکی اور بے رضا یا قضا اسے رجوع کا اختیار نہیں بخلاف اس صورت کے کہ پانی اُس کے ہاتھ بیچا اور بائع نے اپنا خیار شرط کیا تھا اور یہ ابھی پانی استعمال نہ کرنے پایا تھا کہ اُس نے بیع فسخ کردی کہ یہاں اُسے اختیار تصرف پہلے ہی سے نہ تھا تیمّم سابق باقی رہا کہ بیع[2] میں جب بائع کا خیار شرط ہو مبیع نہ اُس کی ملک سے خارج ہو نہ مشتری کو اُس میں تصرف جائز اگرچہ باذن بائع قبضہ کرچکا ہو۔ ہدایہ میں ارشاد فرمایا:

خیار البائع یمنع خروج المبیع عن ملکه ولایملك المشتری التصرف فیه وان قبضه باذن البائع[1]۔	بائع کا خیار اس کی ملک سے مبیع کے نکلنے سے مانع ہے اور اس میں مشتری تصرف کا مالک نہیں اگرچہ بائع کی اجازت سے اس پر قبضہ کرچکا ہو۔ (ت)

---

[1] الہدایہ خیار شرط مکتبہ عربیہ کراچی ۲/ ۵۳ جز ۳

اور جب وہ شرعًا اُس میں تصرف سے ممنوع ہے تو پانی پر قدرت ثابت نہ ہُوئی اور تیمّم بحال رہا کما قدمنا فی نمرۃ ۱۴۷ و ۱۶۱ (جیسا کہ نمبر ۱۴۷ و ۱۶۱ میں ہم نے بیان کیا۔ت) تو اس منع نے کوئی نیا فائدہ نہ دیا۔ فتح القدیر نواقض تیمّم میں ہے:

والمراد من القدرۃ اعم من الشرعیۃ والحسیۃ حتی لو رأی ماء فی حب لاینتقض تیممہ وان تحققت قدرۃ حسیۃ لانہ انما ابیح للشرب [1] اھ **اقول:** والمراد مایجمعھما معًا ای لابدمن اجتماع کلا القدرتین کمایستغرق العام الاصولی افرادہ حتی لوکانت احدھما لم تکف وان کان (۱) المتبادر من تلک العبارۃ کفایۃ احدھما لان العام یتحقق فی ضمن ای خاص کان۔	قدرت سے مراد وہ ہے جو شرعی وحسّی دونوں کو عام ہو یہاں تک کہ اگر سبیل کا پانی پایا تو اس کا تیمّم نہ ٹوٹے گا اگرچہ حسّی قدرت ثابت ہے اس لئے کہ وہ پانی صرف پینے کیلئے مباح ہوا ہے اھ۔ **اقول:** مراد وہ ہے جو دونوں قدرتیں جمع کردے یعنی دونوں ہی قدرتوں کا مجتمع ہونا ضروری ہے جیسے عامِّ اصولی اپنے تمام افراد کا احاطہ کرلیتا ہے یہاں تک کہ اگر صرف ایک قدرت ہو توکافی نہ ہوگی اگرچہ اس عبارت سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ ایک بھی کافی ہو اس لئے کہ عام کسی بھی خاص کے ضمن میں متحقق ہوجاتا ہے۔(ت)

فائدہ [۲]: پانی پر قدرت ہوتے ہوئے بوجہ ممانعت شرعیہ حکم تیمّم کی تین ۳ صورتیں اُوپر گزریں سبیل کا پانی کہ پینے کیلئے ہے۔ وہ پانی کہ کسی کو ہبہ کرکے اُس سے بطور امانت لے لیا وہ پانی کہ ملک فاسد سے اُس کا مالک ہُوا وہ دو امام محقق علی الاطلاق نے ذکر فرمائیں اور تیسری محقق زین نے بحر میں۔ یہ چوتھی عـہ فقیر نے اضافہ کی کہ وہ پانی کہ بشرط خیار بائع خرید کر اُس پر باذن بائع قابض ہوا جب تک خیار جاکر بیع تام نہ ہوجائے اُس سے وضو وغیرہ کُچھ جائز نہیں۔

اقول: اور انہیں پر حصر نہیں گزشتہ نمبروں میں اس کی بہت صورتیں تھیں مثلًا (۱۱) فاسق کا خوف (۳۴) مال امانت پر خوف (۴۷ و ۴۸) کسی مسلمان یا جانور کی پیاس کا خیال (۵۰) نجاست دھونے

عـہ مگر اس نے پانی سے عجز کے نمبروں میں اضافہ کیا کہ یہ وہی نمبر ۵۳ ملک غیر ہے۔(م)

---

[1] فتح القدیر باب التیمم مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۱۱۹

کی ضرورت (۵۲) خاص لوگوں کی طہارت پر وقت اور یہ اُن میں نہیں (۵۳) ملک غیر جس میں یہ صورت چہارم بھی داخل (۵۴) نہانا ہے اور ستر نہیں (۵۵) عورت کو وضو کرنا ہے اور ستر نہیں (۶۳) پانی باہر ہے اور عورت کے پاس چادر نہیں (۸۴) سواری سے اتارنے چڑھانے کو محرم نہیں (۸۶) اُترنے سے زخم کا سیلان نماز میں رہے گا (۸۷) پانی سے طہارت کسی مؤکد کو بے بدل فوت کرے گی (۱۰۱) فاسق کے آجانے کا اندیشہ (۱۲۴) کپڑے بھیگ کر بے ستری ہوگی (۱۴۳) پانی مسجد میں ہے اور یہ جنب (۱۶۰ و ۱۶۱) مزاحمت پدر سے احتراز (۱۶۴ تا ۱۶۶) خنثٰی وانثی ومرد میت کا تیمّم اکیس یہ اور تین وہ کہ نمبر (۵۱ و ۱۴۸ و تنبیہ بعد نمبر ۱۶۱) میں گزریں چوبیس ۲۴ ہوئیں اور پچیسویں ۲۵ یہ صورت کہ جنب نہایا اور بدن کا کچھ حصّہ دھونے سے رہ گیا پانی ختم ہوگیا تیمّم کیا پھر حدث ہُوا اس کیلئے تیمّم کیا اب اس پر دو واجب ہیں جو حصہ نہانے میں رہ گیا تھا اس کا دھونا اور تیمّم جنابت کے بعد حدث ہوا ہے لہٰذا اُس کیلئے وضو کرنا اب اس نے پانی پایا جس سے وہ حصّہ دُھل سکتا ہے یا وضو کرے تو وضو ہوسکتا ہے مگر مجموع کیلئے کافی نہیں اسے حکم ہے کہ وہ حصہ دھوئے اور امام ابویوسف کے نزدیک حدث کا تیمّم نہ جائے گا کہ پانی اگرچہ اس کیلئے کافی تھا مگر شرعًا یہ اُس سے وضو نہ کرسکتا تھا کہ اُسے اس باقی حصے میں صرف کرنا واجب تھا۔ یہ مسئلہ ہم نے اپنے رسالہ "الطلبة البدیعة" کے آخر میں مفصّل ذکر کیا ہے وہاں دیکھا جائے **وقد رجحنا فیھا قول محمد** (اس میں ہم نے امام محمد کے قول کو ترجیح دی ہے۔ت)

مسئلہ ۱۲: ضروریہ **اقول:** یہاں [1] دو [2] مسئلے ہیں ایک یہ کہ پانی قریب ہونے کا ظن غالب ہو تو طلب یعنی تلاش واجب ہے بے تلاش تیمّم جائز نہیں دوسرا یہ کہ کسی کے پاس پانی معلوم ہوا اور ظن غالب ہے کہ مانگے سے دے دے گا تو طلب یعنی مانگنا واجب ہے بے مانگے تیمّم جائز نہیں۔ پہلے مسئلہ کی نسبت شرح تعریف رضوی کے فائدہ پنجم میں ہم تحقیق کر آئے کہ یہ وجوب بمعنی اشتراط ہے یعنی تلاش کرنا شرط صحت تیمّم ہے بے اس کے تیمّم و نماز مطلقًا فی الحال باطل اگرچہ بعد کو یہی ظاہر ہو کہ پانی نہ تھا۔

وقداخذ به السادسة الجلة ابوالسعود وط وش فی حواشی الکنز والدر علی مانص علیه فی المعتمدات ان لوصلی بتیمم وثمه من یسأله ثم اخبره بالماء اعاد والا لا [1] کمافی الدر وقدمنا فی المسألة السابعة	سید ابوالسعود، سید طحطاوی اور سید شامی نے کنز اور درمختار کے حواشی میں اسی کو لیا ہے جیسا کہ معتمد کتابوں میں اس کی تصریح آئی ہے کہ اگر تیمّم سے نماز پڑھ لی جب کہ وہاں ایسا کوئی شخص موجود تھا جس سے یہ پانی کے بارے میں پُوچھ سکتا تھا پھر اس نے

[1] درمختار، باب التیمم، مکتبہ مجتبائی دہلی، ۱/۴۴

عزوہ للمحیط والحلیۃ والزیلعی والبدائع ایضاً بان فی البحر عن السراج لوتیمم من غیر طلب وکان الطلب واجباً وصلی ثم طلب فلم یجدو جبت علیه الاعادۃ [1] اھ ومفادہ ان تجب الاعادۃ ھنا وان لم یخبرہ [2] اھ ھذا لفظ ش ومثله فی ط وفتح اللہ المعین۔

پانی کی خبر دی تو نماز کا اعادہ کرے ورنہ نہیں جیسا کہ در مختار میں ہے اور مسئلہ ہفتم میں ہم اس پر محیط، حلیہ، زیلعی اور بدائع کا بھی حوالہ دے چکے ہیں ان سادات محشین کا ماخذ یہ ہے کہ بحر میں سراج کے حوالہ سے ہے کہ: اگر بغیر تلاش کیے تیمّم کرلیا جبکہ تلاش واجب تھی اور نماز پڑھ لی پھر تلاش کیا مگر پانی نہ ملا تو بھی اس پر اعادہ واجب ہے اھ یہ شامی کے الفاظ ہیں اور اسی کے مثل حاشیہ طحطاوی اور فتح اللہ المعین بھی ہے۔

اقول: رحمھم (۱) اللہ تعالٰی ورحمنا بھم این ھھنا وجوب الطلب وکیف یجب وھو لایدری ان الماء قریب ام لافضلا عن غلبۃ الظن بالقرب انما الواجب ھھنا السؤال عمن یظن ان عندہ علماً بحال الماء وفرق بیّن بین المسألتین فان من ظن القرب فقد ظنه قادرا علی الماء فبطل تیممه مالم یطلب قبل التیمم فیظھر خطؤ ظنه امامن ظن ان عند ھذا علماً بحال الماء فھو لایدری انه ان سأله یخبرہ بقرب الماء اوبعدہ فلم یکن للقرب حظ من الظن فلم یوجد معارض لعجزہ الظاھر فصح تیممه وتمت صلاته الا ان یظھر القرب فتجب الاعادۃ لان التفریط جاء من قبله بترك السؤال۔

اقول: (میں کہتا ہوں) خدا ان حضرات پر رحمت فرمائے اور ان کی برکت سے ہم پر بھی رحمت فرمائے یہاں پر تلاش کہاں واجب ہے اور کیسے واجب ہوگی جب کہ وہ جانتا ہی نہیں کہ پانی قریب ہے یا نہیں؟ قریب کا غلبہ ظن ہونا تو دُور کی بات ہے یہاں پر واجب صرف یہ ہے کہ ایسے شخص سے دریافت کرے جس کے بارے میں اس کا یہ گمان ہو کہ وہ پانی کی حالت کچھ جانتا ہوگا اور ان دونوں مسئلوں میں کھلا ہوا فرق ہے۔ اس لئے کہ جسے قربِ آب کا گمان ہے اسے پانی پر اپنی قدرت کا گمان ہے تو اس کا تیمّم باطل ہے جبکہ قبل تیمّم تلاش نہ کرلے کہ اس کے گمان کی غلطی ظاہر ہو لیکن جسے یہ گمان ہو کہ اس شخص کو پانی سے متعلق کچھ آگاہی ہوگی تو اسے یہ پتا نہیں کہ اگر اس شخص سے دریافت کرے تو وہ پانی کا قریب ہونا بتائے گا یا دُور ہونا بتائے گا تو

[1] البحر الرائق مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۱
[2] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی، مصر ۱/۱۸۱

قرب کا ظن کسی طرح نہ حاصل ہُوا تو یہ اس کے عجز ظاہر کے معارض نہ ہوا اس لئے اس کا تیمّم صحیح ہے اور اس کی نماز تام ہے مگر یہ کہ پانی کا قریب ہونا منکشف ہو تو اعادہ لازم ہوگا اس لئے کہ کوتاہی اسی کی جانب سے ہُوئی اس نے دریافت نہ کیا۔(ت)

کلام دُوسرے مسئلہ میں ہے کہ یہاں بھی وجوب اسی معنی اشتراط پر ہے کہ بحالِ ظن عطا اگر بے مانگے تیمّم کرلے سرے سے صحیح ہی نہ ہو اور نماز باطل ہو اگرچہ بعد کو نہ دینا ہی ظاہر ہو یا ایسا نہیں عجب یہ ہے کہ یہاں عبارات جانب مبنی افادہ اشتراط پر آئیں اور جانب حکم صحت تیمّم و نماز پر۔ اُدھر [1]کافی و [2]خانیہ و [3]خزانۃ المفتین و [4]نہایہ و [5]چلپی و [6]خزانہ و [7]برجندی کی عبارتیں جن میں تیمّم کی نسبت **لایجوز** ہے مثلاً **لایجوز التیمم قبل الطلب** [1] (قبل طلب تیمّم جائز نہیں۔ت) اگر معنی نفی حل کو محتمل بھی رکھے جائیں تو امام [8]صفار و [9]قدوری و [10]ہدایہ و [11]تبیین و [12]منیہ و [13]غنیہ و [14]ہروی علی الکنز کے نصوص جن میں صراحۃً **لایجزئہ** (کفایت نہیں کرسکتا۔) ہے۔ مثلاً **صلی بالتیمم قبل الطلب لایجزئہ** [2] (قبل طلب تیمّم سے نماز ادا کرلی تو یہ اسے کفایت نہیں کرسکتا۔ت) قابلِ تاویل نہیں۔ منیہ نے مسئلہ اولٰی سے اس کی تشبیہ امام صفار سے نقل کی کہ **لایجزئہ قبل الطلب کمافی عمرانات** [3] (قبل طلب یہ اسے کام نہیں دے سکتا جیسے آبادیوں میں۔ت) انہیں کے قریب ہے [15]مبسوط و [16]شرح وقایہ و [17]جواہر اخلاطی وغیرہا کی عبارتیں جن میں عدم جواز بہ نسبت نماز ہے کہ **ان لم یطلب وصلی لم یجز** [4] **ولفظ الجواھر شرع فی الصلاۃ قبل الطلب لایجوز** [5] (اگر طلب نہ کیا اور نماز ادا کرلی تو جائز نہیں۔ اور جواہر کے الفاظ یہ ہیں: طلب کرنے سے پہلے نماز شروع کردی تو یہ جائز نہیں۔ت) بحث علّامہ ابراہیم حلبی سے گزرا **لاتصح الصلاۃ بدونہ** [6] (اس کے بغیر نماز درست نہیں۔ت) [18]حلیہ میں زیر مسئلہ **جنب وجد الماء فی المسجد** [7] (جنابت والا جسے مسجد میں پانی ملا۔ت) اسی

---

[1] البرجندی فصل فی التیمم مطبع نولکشور بالسرور ۱/۴۸

[2] المختصر للقدوری باب التیمم مکتبہ مجتبائی کانپور ص ۱۲

[3] غنیۃ المستملی باب التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۰

[4] شرح الوقایۃ باب التیمم مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۰۱

[5] جواہر اخلاطی (قلمی) باب للتیمم ۱۳

[6] غنیۃ المستملی باب التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۹

[7] حلیہ

مسئلہ سوال از رفیق پر تفریعات میں فرمایا **وحیث یجب لایصح تیممہ الابعد المنع**[1] جہاں مانگنا واجب ہے اس کا تیمّم درست نہیں مگر بعد انکار جن سے لازم کو بے مانگے تیمّم ہوگا ہی نہیں تو نماز مطلقًا باطل ہوگی اگرچہ بعد کو ظن عطا کی خطا ظاہر ہوجائے کہ مانگے سے نہ دے۔ ادھر مسئلہ پنجم میں ازیادات و۲جامع کرخی و۳محیط سرخسی و۴خلاصہ و۵وجیز و۶شرح وقایہ و۷حلیہ و۸عالمگیریہ و۹بحر اور مسئلہ ہفتم میں حلیہ و۱۰صدر الشریعۃ وغنیہ عــہ۱ وبحر سے روشن ہوا کہ سرے سے بطلان نماز کا حکم صحیح نہیں صحیح ومعتمد ظاہر الروایۃ یہی ہے کہ صرف غلبہ ظن عطا سے نہ تیمّم باطل ہو نہ نماز اگر ظن عطا کی خطا ظاہر ہو دونوں صحیح وتام ہیں۔ کتب حاضرہ میں اس صاف تعارض کی طرف کوئی توجہ مبذول نہ ہُوئی۔

وانا اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ ت) مخلص وہی ہے کہ ہم نے تاویل روایت نادرہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی میں ذکر کیا بحال ظن عطا حکم ظاہر وحاضر عدم صحت نماز ہے مگر یہ کہ بعد کو مانگے اور نہ دے (عــہ۲) اور بحال شک وظن منع حکم ظاہر وحاضر صحت ہے مگر یہ کہ بعد کو مانگے سے یا آپ دے دے بالجملہ اول میں فساد اور ثانی میں صحت کا حکم حکم موقوف ہے ظہور خلاف نہ ہو تو رہے گا ورنہ بدل جائے گا جیسے 'صاحبِ ترتیب کو فائتہ یاد اور وقت میں وسعت ہے اور وقتیہ پڑھ لی اس کے فساد کا حکم دیا جائے گا مگر فساد موقوف اگر قبل قضائے فائتہ چار وقتیہ اور پڑھ لے گا اور سب میں پچھلی کا وقت نکل جائے گا سب صحیح ہوجائیں گی اور اگر اس بیچ میں فائتہ کی قضا کرلے گا تو اُس سے پہلے ایک سے پانچ تک جتنی وقتیہ پڑھی تھیں سب کی فرضیت باطل ہوکر نفل رہ جائیں گی کما مصرح بہ فی محلّہ (جیسا کہ اس کے موقع پر اس کی صاف صراحت موجود ہے۔ ت) رہا فرق کہ پہلے مسئلے میں اُس کے ظن کا اعتبار رہا اگرچہ واقع اُس کے خلاف ہو اور یہاں نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

اقول: قریب پانی شرعًا مقدور ہے تو ظنِ قرب عین ظن قدرت ہے اور ظن ملتحق بیقین تو قدرت معلوم تو تیمّم شرعًا معدوم اور معدوم صحیح نہ ہوجائے گا بخلاف ظنِ عطا کہ عجز معلوم اور ظن اس کا ہے کہ اگر مانگوں تو دے دے گا اور قدرت نہ ہوگی مگر بعد عطا تو یہ اس کا ظن نہ ہُوا کہ قدرت ہے بلکہ اس کا کہ آئندہ ہوسکتی ہے **نظیر ماقدمناہ فی مسألۃ الوعد ووجدنا التصریح بہ فی مسألۃ الرجاء فی الکافی والکفایۃ** (یہ اسی کی نظیر ہے جو مسئلہ وعدہ میں ہم نے پیش کیا اور جس کی تصریح ہمیں کافی وکفایہ میں مسئلہ اُمید کے

عــہ۱: یہ عبارت قوانین ہیں جن کا حوالہ مسئلہ ہفتم میں ہے ۱۲ (م)

عــہ۲: اس میں منع کی پانچوں صورتیں داخل ہیں صراحۃً ہو یا حکمًا ۱۲ منہ غفرلہ (م)

---

[1] حلیۃ المحلی

اندر ملی۔ت) لہٰذا یہ ظن مناطِ حکم نہ ہوامگر جب کہ واقع نہ ظاہر ہو کہ ہنگام فواتِ ذریعہ علم فقہیات میں ظن معمول بہ ہے،اور ایک توجیہ مع اشارہ تضعیف افادہ پنجم صفحہ ۶۶۱ طبع اول میں گزری کہ جب تک علم متیسر ہو ظن پر عمل نہیں۔فتح القدیر بحثِ استقبال میں ہے:

المصیر(ا) الی الدلیل الظنی وترك القاطع مع امکانہ لایجوز[1]۔	دلیل قطعی میسر ہونے کے باوجود اسے چھوڑنا اور دلیل ظنی کو لینا جائز نہیں۔(ت)

مسئلہ قُرب وبُعد میں تحصیل علم بے دقّت متیسر نہیں لہٰذا ظن پر مدار رہااور مسئلہ عطاو منع میں متیسر لہٰذا ظن معتبر نہ ہُوامگر جب کہ درک حقیقت نہ ہو۔

اشرت الٰی ضعفہ بقولی یمکن ان **یوجه اقول**: ووجه ضعفه انه یوجب السؤال عند ظن المنع ایضاً فیکون ترجیحاً للثانی من اقوال المسألة السادسة وانما الراجح بل الراجع الیه الکل بالتوفیق ھو القول الثالث ان لاوجوب الا عند ظن العطاء۔ **فان قلت** اذن ماالجواب عمامر من منع بالظن مع تیسر تحصیل العلم **اقول**: لاتیسر اذالم یظن العطاء لان السؤال ممن یمنع ذلة شدیدة وھی مظنونة ھنا اومحتملة علی سواء وقد نھی[عہ] المشرع المطھر المؤمن عن عرض نفسه للذل۔	میں نے"**یمکن ان یوجه**"(اس کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے) کہہ کراس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا**اقول**:اس توجیہ کے ضعف کی وجہ یہ ہے کہ اس سے لازم ہوتا ہے کہ انکار کا ظن غالب ہوجب بھی سوال کرے تواس سے مسئلہ ششم کے اقوال میں سے دوسرے قول کی ترجیح ہوگی جب کہ راجح بلکہ بعد تطبیق سبھی اقوال کا مرجع ومآل تیسرا قول ہے کہ صرف ظنِّ عطا کی صورت میں سوال واجب ہے۔(ت) **اگر سوال ہو** کہ پھر یہ جو گزرا کہ تحصیل یقین میسر ہوتے ہوئے ظن پر عمل جائز نہیں،اس کا کیا جواب ہے؟**اقول**: ظن عطا نہ ہونے کی صورت میں تحصیل یقین میسر وآسان نہیں اس لئے کہ ایسے شخص سے مانگنا جو نہ دے سخت ذلت ہےاور یہاں اس کا یا تو ظن غالب ہے یا احتمالِ مساوی۔اور شرع مطہر نے مومن کو اس سے روکا ہے کہ وہ اپنی ذات کو معرضِ ذلّت میں لائے۔(ت)

عـہ کماتقدم فی المسألة السادسة ۱۲ منه غفرله (م)	(جیسا کہ مسئلہ ششم میں گزرا۔۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] فتح القدیر باب شروط الصّلوٰۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکّھر ۱/ ۲۳۵

فان قلت اذن یجب ادارۃ الامر علی ظنه فی ظن المنع لتعسر تحصیل العلم فتصح صلاته وان اعطی بعدفیترجح مافهمه المحقق من تفریعاتهم فی الخلاصة وغیرھاکمامر فی المسألة الخامسه **اقول**: وقدکان الاصل ایجاب السؤال لتیسرہ فی نفسه وانما رفع عنه لعارض فاذا ظهرت الحقیقة عملت عملها وزال ماکان لعارض وھو اقامة الظن مقامها کماتقدم عن صدر الشریعةوھذاماوعدنا ثمه* من ان للکلام تتمة*ھذا کله ماظهر للقلبی* والعلم بالحق عند ربّی* ان ربی کل شیئ علیم*وصلی اللہ تعالٰی علی الحبیب الکریم* واٰله وصحبه اولی التکریم* والحمدللہ رب العٰلمین۔	**اب اگر یہ سوال ہو** کہ پھر تو ظن منع کی صورت میں مدار کااس کے گمان پر رکھنا ضروری ہوگا کیونکہ تحصیل یقین دشوار ہے تو اگر وہ بعد میں دے دے جب بھی اس کی نماز صحیح رہے گی تو راجح وہی ہوگا جو خلاصہ وغیرہا کی تفریعات مشائخ سے محقق علی الاطلاق نے سمجھا جس کا ذکر مسئلہ پنجم میں گزرا **اقول**: (جواباً میں کہوں گا) اصل تو یہی تھا کہ مانگنا واجب کیا جائے کیونکہ فی نفسہٖ یہ میسر وآسان ہے اور عارض کی وجہ سے یہ حکم اس سے اٹھالیا گیا پھر جب حقیقت ظاہر ہوجائے تو وہ اپنا کام کرے گی اور ظن کو حقیقت کے قائم مقام رکھنے کا جو حکم عارض کی وجہ سے تھا وہ بھی ختم ہوجائے گا، جیساکہ صدر الشریعۃ کے حوالے سے بیان ہوا۔یہی وہ ہے جس کا ہم نے وہاں (افادہ پنجم صفحہ ۶۶۲ طبع اول میں) وعدہ کیا تھا کہ اس کلام کا کچھ تکملہ بھی ہے۔یہ سب وہ ہے جو قلبِ فقیر پر ظاہر ہُوا اور حق کا علم میرے رب کے یہاں ہے۔ بلاشبہہ میرے رب کو ہر چیز کا علم ہے خدائے برتر اپنے حبیب کریم اور ان کی مکرم آل واصحاب پر درود نازل فرمائے۔اور سب خوبیاں سارے جہانوں کے مالک خداہی کیلئے ہیں۔(ت)

یہ ہیں وہ مسائل جن کا یہاں لانا منظور تھا۔

ذکرِ قوانین: یہ مسائل بفضلہٖ تعالٰی ایسی وجہ پر بیان ہوئے کہ فہیم ذی علم ان سے خود وضع قانون بھی کرسکتا ہے اور قوانین موضوعہ کی جانچ بھی، اور یہ کہ خلافیات میں وہ کس کس قول پر مبنی ہیں اور اقوال منقحہ پر کیا ہونا چاہیے۔یہ معیار پیش نظر رکھ کر قوانین علما مطالعہ ہوں:

الامام القانون الصدری	اوّل قانون امام صدر الشریعۃ:
الامام صدر الشریعة نقل اولا عن المبسوط ان لم یطلب وصلی لم یجز لان	امام صدر الشریعۃ نے پہلے مبسوط سے یہ عبارت نقل کی: "اگر اس نے طلب نہ کیا اور نماز ادا کرلی

الماء مبذول عادة وعن موضع اٰخر منه عليه ان يسأل الاعلى قول حسن بن زياد فان السؤال ذل ونقول ماء الطهارة مبذول عادة [1]۔
ثم عن الزيادات ماتقدم فی المسألة الثالثة من انه يقطع الصلاة ان ظن العطاء والالا وادرج فيه مامر فی المقام الثانی من وجوب السؤال فی الشك ايضا اذا رأى خارج الصلاة لان العجز مشكوك۔ قال ثم قال فی الزيادات فاذا فرغ من صلاته فسأله فاعطاه او اعطى بثمن المثل وهو قادر عليه استأنف الصّلاة واذا ابى تمت صلاته وكذا اذا ابى ثم اعطى لكن ينتقض تيممه الاٰن۔
ثم قال رحمه الله تعالٰى اقول ان اردت ان تستوعب الاقسام كلها فاعلم انه اذا رأى الماء خارج الصلاة وصلى ولم يسأل بعد الصّلوٰة ليظهر العجز والقدرة فعلى ماذكر فی المبسوط سواء غلب على ظنه الاعطاء اوعدمه اوشك فيهما وهی مسألة المتن۔ واذا رأى فی الصلاة ولم

تو جائز نہیں اس لئے کہ پانی عادۃً دے دیا جاتا ہے"۔ اور مبسوط ہی کے دوسرے مقام سے یہ عبارت بھی: "اس پر یہ ہے کہ مانگے مگر حسن بن زیاد کے قول پر یہ نہیں اس لئے کہ مانگنے میں ذلّت ہے۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ طہارت کا پانی عادۃً دے دیا جاتا ہے"۔ پھر زیادات سے وہ کلام نقل کیا جو مسئلہ سوم میں گزرا کہ "اگر دینے کا گمان ہو تو نماز توڑ دے ورنہ نہیں"۔ اور اسی میں وہ بات بھی اپنی طرف سے درج کردی جو مقام دوم میں گزری کہ "شک کی صورت میں بھی مانگنا ضروری ہے جب کہ نماز کے باہر دیکھا ہو اس لئے کہ عجز مشکوک ہے"۔ تحریر فرمایا کہ پھر زیادات میں یہ لکھا ہے: "پھر جب نماز سے فارغ ہو کر اس سے مانگا اس نے دے دیا یا ثمن مثل پر زور دیا اور یہ ثمن مثل پر قادر ہے تو وہ از سرِ نو نماز پڑھے اور انکار کردیا تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔ اسی طرح جب انکار کرے پھر (بعد میں) دے دے لیکن اب اس کا تیمّم ٹوٹ جائے گا"۔ پھر صدر الشریعۃ رحمہ اللہ تعالٰی نے تحریر فرمایا: "میں کہتا ہوں اگر ساری قسموں کا احاطہ منظور ہو تو معلوم ہو کہ جب اس نے بیرونِ نماز پانی دیکھا اور نماز پڑھ لی، بعد نماز مانگا بھی نہیں کہ عجز یا قدرت کا انکشاف ہو تو اس کا حکم وہ ہے جو مبسوط میں ذکر ہوا۔ خواہ اسے دینے کا گمان ہو یا نہ دینے کا یا دونوں میں شک ہو۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو متن میں مذکور ہے۔ اور جب اندرونِ نماز دیکھا اور بعد نماز

---
[1] شرح الوقایۃ باب التیمم مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۰۱

يسأل بعدها فكذا وان رأى خارج الصّلاة ولم يسأل وصلى ثم سأله فان اعطى بطلت صلاته وان ابى تمت سواء ظن الاعطاء اوالمنع اوشك فيهما وان رأى فی الصلاۃ فكما ذكر فی الزيادات لكن يبقى صورتان احدهما انه قطع الصلاۃ فيما اذا ظن المنع اوشك فسأله فان اعطى بطل تيممه وان ابى فهو باق والاخرى انه اذا اتم الصلاۃ فيما اذا ظن انه يعطى ثم سأل فان اعطى بطل صلاته وان ابى تمت لانه ظهران ظنه كان خطاء بخلاف مسألة التحری [1] الی اٰخر ماتقدم فی الافادۃ الخامسۃ۔ **قوله العجز مشكوک)** تقدم مافيه قوله (فاذا فرغ من صلاته) **اقول:** لم ينقل عبارۃ الزيادات متسقۃ فان تعين فيها مرجع فرغ الی من ظن منعا اوشك فذاك والا فهو للمصلی مطلقا لاسيما وقد	طلب نہ کیا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر بیرونِ نماز دیکھا اور طلب نہ کیا، نماز پڑھ لی پھر مانگا تو اب اگر دے دے اس کی نماز باطل ہو گئی اور انکار کر دے تو پُوری ہو گئی خواہ پہلے اسے عطا کا گمان رہا ہو یا منع کا، یا دونوں میں شک رہا ہو اور اگر اندرونِ نماز دیکھا تو حکم وہی ہے جو زیادات میں بیان ہوا۔ لیکن اس میں دو۲ صورتیں رہ جاتی ہیں: ایک یہ کہ اس نے ظن منع یا شک کی صورت میں نماز توڑ دی پھر اس سے مانگا اب اگر وہ دے دے تو اس کا تیمّم باطل ہو گیا اور انکار کر دے تو باقی ہے۔ دوسری صورت یہ کہ ظنِّ عطا کی صورت میں اس نے نماز پُوری کر لی پھر مانگا اب اگر وہ دے دے تو اس کی نماز باطل ہو گئی اور انکار کر دے تو پوری ہو گئی کیونکہ ظاہر ہو گیا کہ اس کا گمان غلط تھا برخلاف مسئلہ تحری کے اس کے بعد آخر تک وہ بیان کیا ہے جو افادہ پنجم کے تحت گزرا۔ (۱) عبارت زیادات میں صدر الشریعۃ کے مندرج قول (عجز مشکوک ہے) پر کلام گزر چکا (۲) عبارت زیادات کے یہ الفاظ "پھر جب وہ اپنی نماز فارغ ہو جائے" **اقول:** صدر الشریعۃ نے زیادات کی عبارت مرتب و مسلسل نہ ذکر کی۔ اس کی عبارت میں اگر "فرغ" (فارغ ہو جائے گی) ضمیر کا مرجع "**من ظن منعا اوشک**" (جو نہ دینے کا گمان کرے

[1] شرح الوقایۃ باب التیمم مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۰۲

وقع بعد قولہ وان غلب علی ظنہ انہ یعطیہ فیشمل الصورۃ الاخری التی ذکر رحمہ اللہ تعالٰی انہا متروکۃ۔

یا اسے شک ہو) متعین ہے تب تو کلام ویسے ہی ہے جیسے صدر الشریعۃ نے لکھا ورنہ یہ ضمیر مطلقًا "مصلّی" کیلئے ہوگی خصوصًا جبکہ اس کے بعد یہ الفاظ آئے ہیں "اور اگر اسے غالب گمان ہو کہ دے دے گا" اس تقدیر پر یہ کلامِ زیادات اُس صورت دوم کو بھی شامل ہوگا جسے صدر الشریعۃ نے بتایا کہ وہ متروک ہے۔(ت)

قولہ وکذا اذا ابی ثم اعطی)اقول الکلام فیما بعد الصلاۃ لکن البعدیۃ انما تلزم فی العطاء سواء کان الاباء قبل الصلاۃ کما اذا سأل قبلہا فابی فتیمم فصلّی ثم اعطی بسؤالہ اوبدونہ اوبعد الصلاۃ کما اذا علم فیہا فاتمہا ثم سألہ فابی ثم اعطی سؤالہ الاٰخر اوبغیرہ مضت الصلاۃ فی الوجہین امالوکان العطاء قبل تمام الصّلوٰۃ بعد الاباء فانہ ینسخ الاباء مطلقا کما قدمنا فی المسألۃ العاشرۃ۔

(۳) عبارت زیادات (اسی طرح جب وہ انکار کرے پھر دے دے)
اقول: کلام بعد نماز کے احوال سے متعلق ہے لیکن بعدیت صرف دینے میں لازم ہے۔انکار خواہ قبل نماز ہو جیسے یہ صورت ہو کہ قبل نماز اس نے مانگا تو اس نے انکار کردیا اب اس نے تیمّم کرکے نماز پڑھ لی پھر اس نے مانگنے پر یا بغیر مانگے دے دیا یا بعد نماز ہو جیسے یہ صورت ہو کہ اسے اندرون نماز علم ہُوا تو اس نے نماز پُوری کرلی پھر اس سے مانگا اس نے انکار کردیا اس کے بعد دوبارہ اس کے مانگنے پر یا بغیر مانگے دے دیا تو دونوں صورتوں میں نماز ہوگئی۔ لیکن اگر بعد انکار دینا نماز پُوری ہونے سے قبل ہوگیا تو یہ دینا انکار سابق کو مطلقًا منسوخ کردے گا جیسا کہ مسئلہ دہم میں نے ہم نے بیان کیا۔(ت)

قولہ فعلی ماذکر فی المبسوط)ای لم تجز صلاتہ لترکہ الطلب وجوز اخی چلپی ان یکون المراد بما فی المبسوط قول الحسن **اقول:** انما(۱) یسند الی الکتاب ما اعتمدہ لاما اوردہ وردہ۔

(۴) صدر الشریعۃ کے الفاظ (تو اس کا حکم وہ ہے جو مبسوط میں ذکر ہوا) یعنی اس کی نماز جائز نہ ہوئی کیونکہ اس نے طلب ترک کردی اخی چلپی نے فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے (مافی المبسوط جو مبسوط میں ہے) سے مراد حسن کا قول ہو۔اقول کتاب کی طرف سے اسی بات کی نسبت کی جائے گی جس پر اس نے اعتماد کیا نہ وہ جس کو اس نے نقل کرکے اس کی تردید بھی کردی۔(ت)

قوله وهی مسألة المتن)اعتاص هذااللفظ علی اخی چلپی فان فی المبسوط عدم الجواز قبل الطلب وانه باتفاق ائمتنا الثلثة رضی الله تعالٰی عنهم ولفظ المتن قبل طلبه جاز خلافا لهمافهما مختلفان حکماوروایة معًا فکیف یقال ان مافی المبسوط هی مسألة المتن فاوله بقوله معناه ان الخلاف المطلق ثابت فیها غایة مافی الباب ان روایة المتن علی خلاف روایة المبسوط فی بیان الاختلاف [133] اه ولاجل هذا جوز ان یکون المرادبه قول الحسن کی یحصل الوفاق بینه وبین حکم المتن **اقول**: وکیف یصح لمجرد الاتفاق فی مطلق الاختلاف جعل نقیضین واحداوانماالمعنی ان الصورة المذکورة فی المبسوط هی المذکورة فی المتن وهی الرؤیة خارج الصلاة وان اختلفا فیها حکما وروایة۔

قوله فکذا)ای لم تجز صلاته سواء ظن منحااومنعا

(۵) الفاظ صدر الشریعۃ(وهی مسألة المتن یہ وہ مسئلہ ہے جو متن میں مذکور ہے) یہ لفظ اخی چلپی کیلئے پیچیدہ ثابت ہوا اس طرح کہ مبسوط میں ذکر ہے کہ " قبل طلب نماز جائز نہیں "اور یہ بھی کہ اس پر ہمارے تینوں اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اتفاق ہے اور متن میں یہ ہے کہ " قبل طلب نماز جائز ہے "اور " صاحبین کے نزدیک حکم اس کے برخلاف ہے"۔ تو مبسوط اور متن کے درمیان حکم اور روایت دونوں ہی کا اختلاف موجود ہے۔ پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ "جو مبسوط میں ہے وہی مسئلہ متن ہے۔ اب اخی چلپی نے اس تعبیر کی یوں تاویل فرمائی: "اس کا مطلب ہے کہ اس میں مطلق اختلاف تو یقینا ثابت ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ بیانِ اختلاف میں متن کی روایت، مبسوط کی روایت کے برخلاف ہے" اھ اسی لئے انہوں نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ "**ماذکر فی المبسوط**" (مبسوط میں جو مذکور ہے) سے مراد حسن کا قول ہوتا کہ اس میں اور حکمِ متن میں مطابقت ہوجائے۔ اقول محض مطلق اختلاف میں اتفاق کی وجہ سے نقیضین کو ایک قرار دینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ **وهی مسألة المتن** (یہی مسئلہ متن ہے) کا معنٰی یہ ہے کہ جو صورت مبسوط میں مذکور ہے وہی متن میں مذکور ہے وہ ہے بیرونِ نماز پانی دیکھنا اگرچہ مبسوط ومتن کے درمیان اس بارے میں حکم اور روایت دونوں کا اختلاف ہے۔ (ت) (٦) لفظ صدرالشریعۃ "**فکذا**" (تو بھی یہی حکم ہے) یعنی اس کی نماز جائز نہیں خواہ دینے

[133] ذخیرۃ العقبٰی باب التیمم مکتبہ اسلامیہ لاہور ۱/ ۱۸۲

او شک۔ **قوله** وان رأی فی الصلاۃ) **اقول**: ای وسأل بعدھا لیفارق المذکور سابقاولانه المذکور فی الزیادات۔ **قوله** فکماذکر فی الزیادات **اقول**: ای ان اعطاہ استأنف وان ابی تمت ولم یقل ھھنا فکذا کماقال قبل لان ثمه ذکراولا ماھو مذکور فی المبسوط فاسندہ الیه ثم صورۃ اخری یوافقه فی الحکم فاحالھا علیه اماھھنا فذکراولا مالیس فی الزیادات فاذا اتی علی مافیھا اسندہ الیھا ولم یفھم الکلام من ^{عــه} فسرہ بقوله ای الحکم علی التفصیل المذکور وھو انه ان غلب علی ظنه الاعطاء قطع الصلاۃ والالا [134] اھ فان(۱) الکلام فیمن سأل بعد الصلاۃ وماذا بقی له حتی یقال یقطع اویتم۔	کا ظن ہو یا نہ دینے کا یا شک کی صورت ہو۔(ت) (۷) الفاظ صدر الشریعۃ وان رأی فی الصّلاۃ (اور اگر اندرونِ نماز دیکھا اقول یعنی اور بعد نماز طلب کیا تاکہ یہ صورت اس سے جُدا ہو جو پہلے ذکر ہُوئی اور اس لئے بھی کہ زیادات میں یہی مذکور ہے۔(ت) (۸) الفاظ صدر الشریعۃ (تو حکم وہی ہے جو زیادات میں بیان ہوا) **اقول**: یعنی اگر اسے دے دیا تو از سرِ نو نماز پڑھے اور انکار کر دیا تو اس کی نماز پُوری ہو گئی یہاں پر "فکذا" (تو بھی یہی حکم ہے) نہ کہا جیسے پہلے کہا۔وجہ یہ ہے کہ وہاں پر پہلے وہ ذکر کیا جو مبسوط میں مذکور ہے تو اس کی نسبت اس کی طرف کی۔پھر ایک اور صورت ذکر کی جو حکم میں اس کے موافق تھی تو اس کیلئے اوپر والے حکم کا حوالہ دے دیا لیکن یہاں پر پہلے وہ ذکر کیا ہے جو زیادات میں نہیں پھر جب اس کے بیان پر آئے جو زیادات میں ہے تو اسے اس کی طرف منسوب کیا۔اور بالفاظ ذیل اس کی تفسیر کرنے والے نے سمجھا ہی نہیں: "یعنی حکم بر تفصیل مذکور ہے۔وہ یہ ہے کہ اگر اسے غالب گمان دینے کا ہو تو نماز توڑ دے ورنہ نہیں" اھ بات یہ ہے کہ کلام اس کے بارے میں ہو رہا ہے جو نماز کے بعد مانگے۔اور (جب وہ نماز پڑھ چکا ہے تو) اس کیلئے باقی کیا رہا کہ "توڑے" یا "مکمل کرے" بولا جاسکے۔(ت)

عــه وھو صاحب عمدۃ الرعایۃ (م)

(یعنی صاحب عمدۃ الرعایۃ ۱۲۔ت) یعنی مولانا عبدالحٰی فرنگی محلّی م ۱۳۰۴ھ۔

[134] عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح الوقایۃ باب التیمم المکتبۃ الرشیدیہ ۱/۱۰۳

قولہ لکن تبقی صورتان) **اقول**: الاخری(۱)ان فرض ترکہا فی الزیادات فلم تترك فی کلامکم لان من رأی فی الصلاۃ وسأل بعدہا یشملہا قطعا والاحالۃ علی الزیادات للحکم لاللتصویر۔ **قولہ** احدہما) قال اخی چلپی یمکن انفہامہا من قولہ وکذا ابی ثم اعطی لانہ صریح فی ان الاعطاء ناقض والاباء متمم فتأمل[135] اھ **اقول**: قولہ(۲)کذا ای تمت صلاتہ فاین فیہ ان الاعطاء ناقض بل فیہ ان الاعطاء بعد الاباء ہباء نعم لوقال یمکن انفہامہا من قولہ اذا اعطاہ استأنف واذا ابی تمت فانہ صریح الخ لاتجہ ولعلہ سبق قلم ومن التقصیر(۳) قول من عــہ قال لاذکرلہما فی العبارات السابقۃ صریحا وان کان قول الزیادات وان ابی تمت یدل علٰی حکمہما باطلاقہ واشارتہ[136] اھ فلم ترك قولہ اذا اعطی استأنف لیدل علی حکم الوجہین فی الصورتین۔	(۹) الفاظ صدر الشریعۃ (لیکن دو۲ صورتیں رہ جاتی ہیں) **اقول**: اگر فرض کرلیا جائے کہ دوسری صورت میں زیادات میں متروک ہے تو آپ کے کلام میں متروک نہیں اس لئے کہ "جس نے اندرونِ نماز دیکھا اور بعد نماز طلب کیا" یہ صورت اس دوسری صورت کو بھی قطعًا شامل ہے۔ رہ گیا زیادات کا حوالہ تو وہ حکم سے متعلق ہے، بیان صورت سے متعلق نہیں۔(ت) (۱۰) لفظ صدر الشریعۃ "احدہما" (ایک صورت یہ کہ الخ)اخی چلپی نے کہا: "یہ صورت ان کے قول "اور اسی طرح جب انکار کرے پھر دے دے" سے سمجھ میں آسکتی ہے اس لئے کہ وہ اس بارے میں صریح ہے کہ دینا ناقض ہے اور انکار سے نماز تام ہوجاتی ہے فتامل اھ، اقول: ان کا لفظ ہے "کذا" (اس طرح) یعنی اس کی نماز پُوری ہوگئی۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ دینا ناقض ہے بزیادات کے الفاظ (وان ابی تمت اور اگر انکار کردے تو نماز پُوری ہوگئی) بلکہ اس میں یہ ہے کہ انکار کے بعد دینا ڈھول ہے۔ ہاں اگر یہ کہتے کہ ان کے قول (جب دے دے تو ازسرنو ادا کرے اور انکار کردے تو نماز پُوری ہوگئی) سے یہ دوسری صورت سمجھ میں آسکتی ہے اس لئے کہ وہ اس بارے میں صریح ہے کہ دینا ناقض ہے اور انکار نماز کو تام کردینے والا ہے "تو یہ کہنا درست ہوتا۔ شاید یہ سبقت قلم ہے یہ کہنے میں تقصیر ہے کہ "ان دونوں صورتوں کا سابقہ عبارتوں میں صراحۃً کوئی ذکر نہیں اگرچہ

عــہ وھو صاحب عمدۃ الرعایۃ ۱۲ (م)

(قائل صاحب عمدۃ الرعایۃ (مولٰنا عبدالحہ فرنگی محلّی) ہیں ۱۲۔ت)

[135] ذخیرۃ العقبٰی باب التیمم مطبع اسلامیہ لاہور ۱/ ۱۸۲

[136] عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح الوقایۃ باب التیمم المکتبۃ الرشیدیہ ۱/ ۱۰۳

ثمّ ان کان فی(۱) قول الزیادات مرجع فرغ من صلاته المصلی مطلقالم یصح قوله لاذکرلھما فی العبارات السابقة صریحا وان کان مرجعه خصوص من ظن منعًا اوشك لم یصح قوله باطلاقه فان المباین لایدخل فی اطلاق مباینه۔ **فانقلت** لعله وزع فلمن ظن عطاء واتم الاشارة ولمن ظن منعا اوشك وقطع الاطلاق۔

اقول: ولایصح فان القطع یباین الفراغ فاین الدخول فی الاطلاق۔ھذا واقول ضبط کل کلام ھذا الامام فی نصف سطر انه ان لم یسأل اواعطاہ بطل مافعل من تیمم وصلاة وان ابی تم فالشرط الاول یشمل ماذالم یسأل فاعطی اولم یعط وما اذاسأل فاعطی ویبقی للثانی ماذاسأل فلم یعط ویدل باطلاقه علی انه سواء

زیادات کے الفاظ (**اذا اعطی استأنف** جب دے دے تو از سرنو پڑھے) کو بھی کیوں نہ ذکر کیا کہ دونوں صورتوں کی دونوں شکلوں پر دلالت ظاہر ہو۔(ت)

پھر اگر زیادات کی عبارت میں **فرغ من صلاتہ** (وہ اپنی نماز سے فارغ ہو) کا مرجع مطلقاً مصلی ہے تو یہ کہنا درست نہیں کہ "سابقہ عبارتوں میں صریحًا ان دونوں صورتوں کا کوئی ذکر نہیں" اور اگر اس کا مرجع خاص **من ظن منعا اوشک**" (وہ جسے انکار کا گمان یا شک ہو) ہے تو "**باطلاقہ**" (اپنے اطلاق سے) کہنا درست نہیں۔اس لئے کہ مباین اپنے مباین کے اطلاق میں داخل نہیں ہوتا۔(ت)

اگر یہ کہو کہ شاید انہوں نے بطور توزیع و تقسیم ذکر کیا ہو تو جسے عطا کا گمان ہو اور نماز پوری کرلے اس کے لئے لفظ "اشارہ" رکھا اور جسے انکار کا گمان ہو یا شک ہو اور نماز توڑ دے اس کیلئے لفظ "اطلاق" رکھا۔(ت)

اقول: (میں کہوں گا) یہ بھی صحیح نہیں اس لئے کہ نماز توڑنا نماز پڑھ چکنے اور اس سے فارغ ہونے کے مباین ہے تو "اطلاق" میں کیسے داخل ہوگا۔یہ ذہن نشین رہے **اقول**: امام صدر الشریعۃ کے پُورے کلام کا ضبط نصف سطر میں یہ ہے کہ "اگر وہ سوال نہ کرے یا اسے دے دے تو جو تیمّم اور نماز اس نے ادا کیا وہ باطل ہوگیا اور اگر انکار کردے تو تام ہوا" تو پہلی شرط اس صورت کو شامل ہے جب اس نے مانگا نہیں اور اس نے دے دیا یا نہ دیا اور اس صورت کو بھی جب اس کے

فی کل ذلك ظن منحا اومنعا اوشك ورأه خارج الصلاۃ اوفیہا فقطع اواتم وان اردنا زیادۃ ماقدم عن الزیادات زدنا فی الشرط الاخری ولواعطاہ بعد الصلاۃ فیبقی العطاء فی الاولٰی مقیدا بما اذالم یکن بعد الصلاۃ عقیب اباء ویبقی للثانیۃ شقان سأل فلم یعط اواعطی بعد الصلاۃ مسبوقا باباء ثم زدنا بعدہ سواء ظن منحا اومنعًا اوشك غیرانہ ان ظن العطاء قطع الصلاۃ والالا۔

اپنے اطلاق اور اشارہ سے ان کے حکم پر دال ہیں'۔'اھ مانگنے پر اس نے دیا اور دوسری شرط کے تحت وہ صورت رہے گی جب اس کے مانگنے پر اس نے نہ دیا۔اور کلام اپنے اطلاق سے یہ بھی بتائے گا کہ ان باتوں میں یہ سب صورتیں یکساں ہیں اسے دینے کا گمان رہا ہو یا نہ دینے کا یا شک رہا ہو اور اس نے بیرونِ نماز دیکھا ہو یا اندرونِ نماز دیکھ کر نماز توڑ دی ہو یا پُوری کی ہو۔اور انہوں نے زیادات کے حوالہ سے جو پہلے بیان کیا اگر ہم اس کا بھی اضافہ کرنا چاہیں تو دوسرے جملہ شرطیہ میں یہ الفاظ بڑھادیں "اگرچہ بعد نماز اسے دے دیا ہو" تو پہلے جملہ شرطیہ میں دینا اس سے مقید رہے گا کہ انکار کرکے بعد نماز دینا نہ ہو اور دوسرے جملہ کے تحت دو[۲] شقیں رہ جائیں گی (۱) مانگنے پر دیا نہیں (۲) یا انکار کرکے بعد نماز دیا پھر اس کے بعد ہم یہ بڑھادیں "خواہ اسے دینے کا گمان رہا ہو یا انکار کا، یا شک رہا ہو مگر یہ ہے کہ اگر دینے کا گمان ہو تو نماز توڑ دے ورنہ نہیں"۔(ت)

اقول: ولایخرج منہ مااذا سأل فلم یعط ولم یاب بل سکت وذلك لماقدمنا ان اعطاہ بعد السکوت قبل ان یراہ یصلی بالتیمم لم یکن السکوت اباہ فدخل فی الاول اعنی اعطاہ وان کان ھذا بعد الصلاۃ فلم یتقدمہ اباء وکان الحکم ح للعطاء دون السکوت والا کان اباء فدخل فی الثانی وکان الحکم ح للسکوت من جھۃ انہ

اقول: اس سے وہ صورت خارج نہ ہوگی جب مانگنے پر اس نے نہ دیا نہ انکار کیا بلکہ خاموش رہا یہ اس لئے کہ ہم بتاچکے کہ اگر خاموش رہنے کے بعد اسے تیمّم سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے سے قبل دے دیا تو یہ خاموشی انکار نہیں تو یہ اول یعنی "اعطاہ" (اسے دے دیا) میں داخل ہے اور اگر یہ بعد نماز ہے تو اس دینے سے پہلے انکار نہ پایا گیا اور اس صورت میں حکم عطا کا ہے سکوت کا نہیں۔ورنہ (اگر بعد سکوت تیمّم سے اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے سے پہلے دینا نہ ہوا) وہ سکوت انکار ہو کر شرط ثانی میں داخل ہوگا۔اور اس صورت میں حکم

دلیل المنع۔	سکوت کا ہے اس وجہ سے کہ وہ دلیل انکار ہے۔
لکن **اولا** بقی(۱) ما اذا سأل فلا اعطی ولا ابی بل وعد ثم اخلف فان کان هذا الوعد قبل الصلاۃ او فیها بطل تیممه قطعا وان لم یعطه ولم یدخل فی قوله ان لم یسأل اواعطاه لانه سأل ولم یعط وکذلك ان وقع بعدها واختیر بطلانها مطلقا وان قلنا کما هو الظاهر واللّٰه تعالٰی اعلم ان الصلاۃ ماضیة ان ظهر خلفه فهذه صورۃ تمام الصلاۃ ولم تدخل فی قوله ان ابی لان من وعد لایقال انه منع وابی الاان یدعی ان الوعد عطاء فتدخل فی الاول ولکن یحتاج الی دلیل واین الدلیل بل الدلیل علی خلافه کما بینا۔	لیکن **اولا** وہ صورت رہ گئی جب اس نے مانگا تو اس نے نہ دیا نہ انکار کیا بلکہ وعدہ کیا پھر اس کے خلاف کیا تو اگر یہ وعدہ نماز سے پہلے یا نماز کے دوران ہوا ہو تو اس کا تیمّم قطعًا باطل ہوگیا اگرچہ اس نہ دیا اور یہ "ان لم یسأل او اعطاه" (اگر اس نے نہ مانگا یا اس نے دے دیا) کے تحت داخل نہ ہُوا۔ اس لئے کہ اس نے مانگا اور اس نے نہ دیا اسی طرح اگر یہ وعدہ بعد نماز ہوا۔ اس میں مطلقًا بطلان نماز اختیار کیا گیا ہے اگرچہ ہم نے جیسا کہ ظاہر ہے اور خدائے برتر خُوب جاننے والا ہے یہ کہا کہ نماز ہوگئی اگر وعدہ خلاف ظاہر ہوئی کہ یہ نماز تام ہونے کی صورت ہے اور "ان ابی" (اگر انکار کیا) کے تحت داخل نہیں اس لئے کہ جس نے وعدہ کیا اس کے بارے میں یہ نہ کہا جائے گا کہ اس نے منع وانکار کیا لیکن اگر یہ دعوٰی کیا جائے کہ وعدہ عطا ہے تو یہ صورت شرطِ اوّل کے تحت داخل ہے۔ لیکن اس دعوٰی پر دلیل کی ضرورت ہے۔ اور دلیل کہاں؟ بلکہ دلیل تو اس کے خلاف پر موجود ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ (ت)
فان قلت بل نختار ان الوعد المخلف اباء فتدخل فی الثانی ولعل هذا غیر بعید بالنظر الی مآل الیه الامر۔	**اگر یہ کہے** کہ ہم یہ اختیار کرتے ہیں کہ وہ وعدہ جس کے خلاف عمل ہو وہ انکار ہی ہے تو یہ صورت شرط ثانی کے تحت داخل ہوگی۔ اور یہ مآل کار کے اعتبار سے کچھ بعید بھی نہ ہوگا۔
اقول: ان لم یجعل الوعد عطاء لم ینفع وان جعل لم یحتج الیه وذلك لان الاخلاف ان کان اباء مستندا ای من حین وعد	**اقول:** (میں کہوں گا) اگر وعدہ کو عطا نہ قرار دیا جائے تو سُودمند نہیں اور اگر عطا قرار دیا جائے تو اس کی ضرورت نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وعدہ خلافی اگر انکار مستند ہے یعنی وقت وعدہ سے،

وردت المسألة الاولی حیث وعد قبل تمام الصلاۃ واخلف فقد اثر مع کونہ اباء وان کان اباء مقتصرا ای من حین اخلف ولم یکن اعطاء حین وقع وردت ایضا لانہ سأل ولم یعط فلم توجد شریطۃ الابطال فلم بطلت فلا محید الاجعل الوعد عطاء بعینہ وھو خلاف المعقول والمدلول واللہ تعالٰی اعلم۔

تو پہلا سوال وارد ہوگا کیوں کہ اس نے قبل تمام نماز وعدہ کیا اور خلاف کیا تو یہ انکار ہونے کے باوجود اثر انداز ہوا (جب کہ صورتِ انکار میں نماز تام ہوتی ہے) اور اگر انکار مقتصر ہو یعنی وقت عدم وفا سے، اور جب وعدہ ہوا ہے اس وقت دینا نہ ہو تو بھی پہلا سوال وارد ہوگا۔ اس لئے کہ "اس نے مانگا اور اس نے نہ دیا" تو ابطال کی جو شرط تھی (نہ مانگا یا اس نے دے دیا) وہ نہ پائی گئی پھر نماز کیوں باطل ہوئی تو کوئی مفر نہیں سوا اس کے کہ وہ وعدہ کو بعینہٖ عطا قرار دیں اور یہ معقول ومدلول دونوں کے خلاف ہے۔ (ت)

وثانیا: کون(۱) ماء الطھارۃ مبذولا عادۃ فی کل مکان* بطلانہ غنی عن البیان* یعرفہ البلہ والصبیان وشان المبسوط یجل عن ارادتہ فوجب ردہ الی ماوفق بہ الائمۃ الجلۃ ابوبکر الجصاص وابوزید الدبوسی وابونصر الاصغار علیھم رحمۃ الغفاران المراد موضع لایعز فیہ الماء فاذن کلام المبسوط حیث یظن العطاء فکیف یقال سواء غلب علی ظنہ الاعطاء اوعدمہ اوشک۔

ثانیا: آب طہارت ہر جگہ عادۃً دے دیا جاتا ہے اس کا بطلان بیان سے بے نیاز ہے بے وقوفوں اور بچّوں کو بھی معلوم ہے اور مبسوط کا مقام ایسا معنی مراد لینے سے بلند ہے تو اس کے کلام کو اسی طرف پھیرنا ضروری ہے جس سے امام ابوبکر جصاص، امام ابوزید دبوسی اور امام ابونصر صغار علیہم الرحمۃ نے تطبیق دی کہ مراد ایسی جگہ ہے جہاں پانی کم یاب نہ ہو اب مبسوط کا کلام یہ ہوگا کہ (ایسی جگہ سوال نہ کیا) جہاں پانی دینے کا گمان ہو۔ پھر یہ کیسے کہا جائے گا کہ (عدم سوال مبطل ہے) خواہ اسے دینے کا ظن ہو یا نہ دینے کا یا شک کی صورت ہو۔

وثالثا: ھل(۲) السؤال مطلقا سواء ظن ظنا اوشك واجب علیہ غیر مشترط لصحۃ الصلاۃ ام ھو شرطھا علی الثانی کیف صح الشروع فیھا بلاسؤال وکیف جاز المضی فیھا لمن ظن

ثالثا: کیا ایسا ہے کہ مانگنا خواہ کوئی گمان ہو یا شک ہو مطلقًا اس پر واجب ہے مگر صحتِ نماز کی شرط نہیں یا اس کی شرط بھی ہے۔ برتقدیر ثانی بغیر مانگے اس کا نماز شروع کرنا کیسے صحیح ہوا؟ اور ظن منع یا شک والے کیلئے

منعااوشك بل وكيف قلتم فيمن يظن العطاء يقطعها وانما القطع لماانعقد وما ذانفع الفرق ههنا بين ظن العطاء وغيره فترك الشرط مبطل مطلقا وكيف امضيتموها اذا سأل بعدها فابى وان كان يظن العطاء فان ماوقع باطلا لفقد شرط من شروط الصحة لاينقلب جائزا بعد كمن ظن قربه ولم يطلب وصلى بالتيمم ثم طلب فلم يجد بطلت ايضا كما تقدم عن السراج الوهاج والجوهرة۔ بل كيف يتأخر عنها سؤال كان شرطالها عـه والشرط لايتأخر عن	اس نماز کی ادائیگی پر برقرار رہنا کیسے جائز ہوا؟ بلکہ یہ سوال بھی ہے کہ جو عطاء کا ظن رکھتا ہو اس کیلئے آپ نے یہ کیوں کہا کہ نماز توڑ دے؟ توڑنا تو اسی کا ہوتا ہے جو بندھ چکا ہو اور جس کا انعقاد ہوگیا ہو اور یہاں ظن عطااور اس کے ماسوا میں فرق سے کیا فائدہ؟ شرط کا ترک تو مطلقاً مبطل ہے اور اُس صورت میں آپ نے نماز کو تام قرار دیا جب اس نے بعد نماز طلب کیا اور اس نے انکار کردیا اگرچہ اسے عطا کا گمان رہا ہو اس پر سوال یہ ہے کہ آپ نے نماز کو تام کیسے قرار دیا؟ جو عمل کسی شرط صحت کے فقدان کی وجہ سے باطل واقع ہوا وہ بعد میں جائز کی صورت میں تبدیل نہیں ہوسکتا۔ ایسے اس کا حال ہے جسے قربِ آب کا ظن تھا اور اس نے پانی تلاش نہ کیا۔ تیمّم سے نماز پڑھ لی پھر تلاش کیا تو نہ پایا جب بھی اس کی نماز باطل ہے جیسا کہ سراج وہاج اور جوہرہ کے حوالہ سے بیان ہوا۔ بلکہ جو سوال نماز کی شرط تھا وہ نماز سے مؤخر کیسے ہوگا؟ شرط تو مشروط سے مؤخر

عـه **فان قلت** كيف تقول هذا مع تصريحهم بان(۱) علم المقتدى بحال الامام من سفر واقامة شرط صحة الاقتداء كمافى الخانية والبحروالدر وغيرها ثم صرحوا بأنه لايشترط حصوله من الابتداء بل يكفى حصوله بعد الصلاة باخبار الامام مثلا انه	اگر یہ سوال ہو کہ آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں کہ فقہاء نے صراحت فرمائی ہے کہ مقتدی کو امام کی حالت سفر واقامت کا علم ہونا "صحت اقتدا کی شرط ہے" جیسا کہ خانیہ، بحر اور درمختار وغیرہا میں ہے۔ پھر یہ بھی صراحت فرمائی ہے کہ شروع ہی سے یہ علم ہونا شرط نہیں بلکہ بعد نماز یہ علم ہوجانا بھی کافی ہے مثلاً اس طرح کہ امام (بعد نماز) بتادے کہ وہ (باقی برصفحہ آئندہ)

المشروط وعلی الاول لم قلتم بطلت صلاته بترك السؤال بعدها وان ظن منعا اوشك فترك المرء بعض مایجب علیه لایفسد صلاته مالم یخل ذلك بشیئ من شروط صحتها۔	نہیں ہوتی۔ بر تقدیر اول آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ بعد نماز ترک سوال سے اس کی نماز باطل ہوگئی اگرچہ اسے انکار کا گمان ہو یا شک کی صورت ہو۔ ترک واجب سے نماز فاسد نہیں ہوجاتی جب کہ یہ صحت نماز کی کسی شرط میں خلل انداز نہ ہو۔
فان قلت کیف حکمتم ببطلان صلاته اذاظن العطاء ولم یسأل فمامنه الاترك مالیس شرطا لصحة الصلاة۔	**اگر یہ سوال ہو** کہ جب اسے عطا کا ظن ہو اور نہ مانگے تو آپ نے اس کی نماز باطل ہونے کا کیسے حکم کردیا جبکہ اس نے ایک ایسا ہی کام ترک کیا جو صحت نماز کی شرط نہیں۔
اقول: بلی شرط صحة الصلاة الطهارة وشرط طهارته هذه ظهور	**اقول:** (میں کہوں گا) کیوں نہیں نماز صحیح ہونے کی شرط طہارت ہے اور اس طہارت کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مسافر کما اشیر الیه فی المتون وصرح به فی التوشیح والنهایة والسراج والتتارخانیة والبحر والدر وغیرها فقدجوزوا تأخر الشرط عن المشروط اقول لیس هکذا بل التحقیق(۱) فیه انه شرط الحکم بصحة الاقتداء لاشرط نفسه وهو مرادما ذکروا من الاشتراط کما افاده فی الفتح واوضحناه فی صلاة المسافر من فتاوٰنا وبالله التوفیق ۱۲ منه غفرله (م)

مسافر ہے جیسا کہ متون میں اس صورت کی طرف اشارہ آیا ہے اور توشیح، نہایہ، سراج، تاتارخانیہ، بحر اور درمختار وغیرہا میں اس کی صراحت آئی ہے تو ان حضرات نے مشروط سے شرط کا مؤخر ہونا جائز رکھا **اقول:** (میں جوابًا کہوں گا) معاملہ اس طرح نہیں بلکہ اس بارے میں تحقیق یہ ہے کہ وہ علم صحت اقتدا کے حکم کیلئے شرط ہے خود صحت اقتدا کی شرط نہیں۔ علماء نے جو شرط ہونا ذکر کیا اس سے یہی مراد ہے جیسا کہ فتح القدیر سے یہ مستفاد ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی کے اندر نمازِ مسافر کے بیان میں اسے واضح کیا ہے اور خدا ہی سے توفیق ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

العجز وظهور العجز يزول بظن عطاء لم يظهر خلافه فاذاظن العطاء حكم بفسادصلاته موقوفاالى ان يظهر خلافه فتصح اولا فتفسد باتاكما بينت اٰخر المسائل فاذالم يسأل لم يظهر فبت فسادهالالاشتراط السؤال بل لفقدان ظهور العجز بخلاف مااذا ظن المنع فانه لم يوجد معارض لظهور العجز وهو ظاهر وكذا اذاشك لكونه احتمالا لاعن دليل فلايعارض الظاهر كماحققت اٰخر المسألة السادسة ولله الحمد۔

شرط یہ ہے کہ اس کا عجز ظاہر ہو۔اور ظہور عجز ایسے ظن عطا سے ختم ہوجاتا ہے جس کے خلاف ظاہر نہ ہو۔تو جب اسے عطا کا گمان ہوجائے حکم کیا جائے گا کہ اس کی نماز کا فاسد ہونا موقوف رہے گا یہاں تک کہ اس گمان عطا کے خلاف ظاہر ہو تو نماز صحیح ہوجائے گی یا اس کے خلاف ظاہر نہ ہو تو نماز قطعی طور پر فاسد ہوجائے گی جیسا کہ میں نے آخری مسئلہ میں بیان کیا جب اس نے سوال نہ کیا اس کے ظن عطا کے خلاف ظاہر نہ ہوا تو فسادِ نماز قطعی ہوگیا اس لئے نہیں کہ سوال شرط ہے بلکہ اس لئے کہ ظہور عجز مفقود ہے۔بخلاف اس صورت کے جب انکار کا ظن ہو اس لئے کہ ظہور عجز کا کوئی معارض نہ پایا گیا یہ تو واضح ہے اسی طرح جب شک رہا ہو اس لئے کہ یہ احتمال بلادلیل ہے تو ظاہر کے معارض نہ ہوگا جیسا کہ میں نے مسئلہ ششم کے آخر میں اس کی تحقیق کی ہے۔اور خدا ہی کیلئے حمد ہے۔(ت)

اقول: ثم ههنا عدة اسئلة ترد على ظاهر كلام الامام فى النظر الظاهر اجبنا ان نوردها ونردها الاول جعلتم الشك فى الاعطاء والمنع شكا فى القدرة والعجز فاذن ظن المنع ظن العجز وقد قلتم ان غلبة الظن اقيم مقام حقيقة القدرة والعجز تيسيرا فاذا ظهر خلافه لم يبق قائما مقامهما فقد افدتم انه اذالم يظهر خلافه يبقى قائمامقامهمافلم قلتم ان من ظن المنع ولم يسأل بعد ولم يعطه

اقول: اب یہ دیکھئے کہ یہاں امام صدر الشریعۃ کے ظاہر کلام پر بادی النظر میں چند اعتراض وارد ہوتے ہیں جنہیں ہم ذکر کرکے ان کی تردید کردینا چاہتے ہیں۔

پہلا اعتراض: عطاء ومنع میں شک کو آپ نے قدرت وعجز میں شک قرار دیا ہے اس لحاظ سے ظن منع ظن عجز ہوگا جبکہ آپ نے فرمایا ہے کہ غلبہ ظن کو آسانی کیلئے قدرت وعجز کی حقیقت ویقین کے قائم مقام رکھا گیا ہے پھر جب اس کے خلاف ظاہر ہوجائے تو وہ حقیقت قدرت وعجز کے قائم مقام نہیں رہ جاتا اس سے یہ مستفاد ہُوا کہ جب اس کے خلاف نہ ظاہر ہو تو وہ

صاحبه بطلت صلاته مع ان عنده ظن العجز ولم يظهر خلافه فيكون قائما مقام حقيقة العجز۔

ان دونوں کے قائم مقام رہتا ہے پھر آپ نے یہ کیسے فرمایا کہ جسے انکار کا گمان ہو اور اس نے ابھی مانگا نہیں اور پانی والے نے اسے دیا بھی نہیں تو اس کی نماز باطل ہو گئی باوجودیکہ اسے عجز کا گمان ہے اور اس کے خلاف ظاہر بھی نہ ہوا تو وہ حقیقت عجز کے قائم مقام رہے گا۔

الثاني: رأى الماء وهو يصلي وظن المنع فاتم كماامرتم فلما فرغ وجد صاحبه قدذهب ولايدري مكانه فمتى توجبون عليه السؤال افي صلاته فيجب القطع وقد نهيتموه ام بعدها وقد ذهب وغاب فايجاب السؤال ايجاب المحال فوجب القول بادارة الحكم على ظنه۔

دُوسرا اعتراض: اس نے نماز پڑھتے وقت پانی دیکھا اور اسے انکار کا گمان ہُوا تو جیسا کہ آپ نے حکم دیا ہے اس نے نماز پُوری کرلی جب فارغ ہُوا تو دیکھا کہ پانی والا چلا گیا اب کہاں ہے پتا نہیں۔ تو اب اس کے ذمہ آپ مانگنا کب واجب کرتے ہیں اگر نماز کے دوران ہی واجب کرتے ہیں تو نماز توڑنا واجب ہوگا جب کہ اس سے آپ نے منع فرمایا ہے اور اگر بعد نماز واجب کرتے ہیں تو اب وہ چلا گیا اور غائب ہوگیا ایسی صورت میں اس سے مانگنے کو واجب کرنا ایک امر محال کو واجب کرنا ہے لامحالہ اس کے ظن ہی پر مدار حکم رکھنے کا قائل ہونا پڑے گا۔

الثالث: اذا اوجبتم السؤال بكل حال* وان لم يسأل حكمتم مطلقا بالابطال* فلاشك ان ظنه بمعزل عن الحكم عند ترك السؤال* واذا سأل ظهرت الحقيقة وانسلّ الظن عن المجال* فمتى اقيم مقامها وماله الاالزوال*

تیسرا اعتراض: جب آپ نے ہر حال میں مانگنا واجب کیا اور اگر نہ مانگا تو مطلقًا ابطال کا حکم دیا اب دو ہی صورتیں ہیں سوال یا ترک سوال۔ ترک سوال کی صورت میں تو صاف ظاہر ہے کہ اس کے ظن کا حکم سے کوئی تعلق نہیں اور سوال کی صورت میں حقیقت خود ہی منکشف ہوجاتی ہے اور ظن میدان سے نکل جاتا ہے تو ظن کو حقیقت کے قائم مقام کب رکھا گیا جبکہ اس کے حصہ میں زوال کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اقول: والجواب عن الکل فی حرف واحدان السؤال واجب مھما امکن فاذا تعذر دار الامر علی الظن*وقولہ(۱) فاذا ظھرخلافہ لیس فی الحکم حتی یؤخذ مفھومہ بل فی تعلیل مسألۃ وکان الواقع فیھاظھور خلافہ فبنی الامر علیہ واللہ تعالٰی اعلم۔

اقول: ایک حرف میں سب کا جواب یہ ہے کہ بصورت امکان سوال واجب ہے جب یہ معتذر ہو تو حکم کا مدار ظن پر ہے۔اور صدر الشریعۃ کا قول"فاذا ظھر خلافہ" (تو جب اس کے خلاف ظاہر ہوا) حکم کے تحت نہیں کہ اس کا مفہوم لیا جائے بلکہ وہ ایک مسئلہ کی تعلیل کے تحت ہے اور اس میں واقع یہی تھا کہ اس کے خلاف ظاہر ہوا، تو بنائے کار اسی پر رکھی اور خدائے برتر خُوب جاننے والا ہے۔(ت)

الثانی القانون البحری

دوم: قانون علامہ صاحب البحر

قال رحمہ اللہ تعالٰی ان المتیمم اذارأی مع رجل ماء کافیا فلا یخلو اماان یکون فی الصلاۃ اوخارجھا وفی کل منھما اما ان یغلب علی ظنہ الاعطاء اوعدمہ اویشك وفی کل منھما اما ان سألہ اولا وفی کل منھما اما ان اعطاہ اولافھی اربعۃ وعشرون فان کان فی الصلاۃ وغلب علی ظنہ الاعطاء قطع وطلب الماء فان اعطاہ توضأ والا فتیممہ باق فلو اتمھا ثم سألہ فان اعطاہ استأنف وان ابی تمت وکذا اذا ابی ثم اعطی وان غلب علی ظنہ عدم الاعطاء اوشك لایقطع صلاتہ فان قطع وسأل فان اعطاہ توضأ والا فتیممہ باق وان اتم ثم سأل فان اعطاہ بطلت وان ابی تمت

صاحبِ بحر رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: "معلوم ہوا کہ تیمّم والا جب کسی آدمی کے ساتھ آب کافی دیکھے تو دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو یہ دیکھنا اندرون نماز ہوگا یا بیرونِ نماز ہوگا۔اور ہر ایک میں یا تو دینے یا نہ دینے کا غلبہ ظن ہوگا یا شک ہوگا۔اور ان میں سے ہر ایک میں یا تو اس سے طلب کیا ہوگا یا نہ کیا ہوگا۔اور ہر ایک میں یا تو اس نے دیا ہوگا یا نہ دیا ہوگا تو یہ چوبیس[۲۴] صورتیں ہوئیں۔اگر اندرونِ نماز ہو اور دینے کا غلبہ ظن ہو تو نماز توڑ دے اور پانی طلب کرے۔اگر دے دے تو وضو کرے ورنہ اس کا تیمّم باقی ہے اگر نماز پُوری کرلی پھر مانگا تو اگر دے دے از سرِ نو نماز پڑھے اور اگر انکار کردے تو اس کی نماز پُوری ہوگئی۔اسی طرح جب انکار کردے پھر دے دے۔اور اگر اسے نہ دینے کا غلبہ ظن ہو یا شک ہو تو نماز

وان کان خارج الصلاۃ فان لم یسأل وتیمم وصلی جازت الصلاۃ علی مافی الھدایۃ ولاتجوز علی مافی المبسوط فان سأل بعدھا فان اعطاہ اعاد والافلا سواء ظن الاعطاء اوالمنع اوشك وان سأل فان اعطاہ توضأ وان منعه تیمم وصلی فان اعطاہ بعدھا لااعادۃ علیه وینتقض تیممه ولایتأتی فی ھذ القسم الظن اوالشك وھذا حاصل مافی الزیادات وغیرھا وھذا الضبط من خواص ھذا الکتاب[137] اھ وتبعه اخوہ وتلمیذہ المدقق فی النھر اثر عنه ش واقر۔	نہ توڑے۔اور اگر توڑ دی اور مانگا تو اگر دے دے وضو کرے ورنہ اس کا تیمّم باقی ہے۔اور اگر پُوری کرلی پھر مانگا تو اگر دے دے نماز باطل ہو گئی اور اگر انکار کردے تو تام ہے اور اگر بیرونِ نماز ہو تو اگر نہ مانگا اور تیمّم سے نماز ادا کرلی تو کلامِ ہدایہ کے مطابق نماز ہو گئی اور بیانِ مبسوط کے مطابق نہ ہُوئی اگر بعد نماز مانگا تو اگر وہ دے دے اعادہ کرے ورنہ نہیں خواہ عطا کا گمان رہا ہو یا منع کا یا شک رہا ہو۔اور اگر مانگا تو دینے کی صورت میں وضو کرے اور انکار کی صورت میں تیمّم کرے اور نماز پڑھے۔اب اگر بعد نماز دے دے تو اس پر اعادہ نہیں، تیمّم ٹوٹ جائے گا۔اس قسم میں ظن یا شک کی صورت ہی نہیں یہ سب اس کا حاصل ہے جو زیادات وغیرہا میں ہے۔اور یہ انداز ضبط اس کتاب کی خصوصیات سے ہے اھ۔ان کے برادر تلمیذ مدقق نے النہرالفائق میں اسی کی پیروی کی۔ان سے علّامہ شامی نے نقل کیا اور برقرار رکھا۔(ت)
اقول: اولا: (۱) بل ھی علی ماسلك ست وستون تضمن کلامه بیان اربع وخمسین وبقیت علیه اثنتا عشرۃ وذلك لانه اما ان یراہ فی الصلاۃ اوقبلھا وعلی کل یظن العطاء اوالمنع اویشك فھی ست وفی کل منھا احدی عشرۃ لانه اما ان یسأل قبل الصلاۃ او بعدھا اولاولا کیف وقدمر علی ھذا	**اقول: اولا:** بلکہ یہ ان کی روشِ کلام کے مطابق چھیاسٹھ ۶۶ صورتیں ہیں جن میں سے چوّن ۵۴ صورتوں کا بیان ان کے کلام کے ضمن میں آگیا اور بارہ ۱۲ صورتیں رہ گئیں۔وہ اس لئے کہ یا تو وہ اندرونِ نماز دیکھے گا یا قبل نماز۔اور بہر دو صورت یا تو اسے عطا کا ظن ہوگا یا انکار کا، یا شک ہوگا۔یہ چھ ۶ صورتیں ہوئیں اور ان میں سے ہر ایک گیارہ ۱۱ صورتیں ہیں اس لئے کہ وہ یا تو قبل نماز مانگے گا

[137] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵۴

التقسیم فی قوله قطع وطلب فلو اتم ثم سأل وفی قوله قطع وسأل وان اتم ثم سأل وفی قوله فان سأل بعدھاوان سأل ای قبلها وقال فان لم یسأل ای اصلا (واعنی بالسؤال قبل الصلاۃ قبل تمامھاسواء کان قبل شروعھااوبقطعھا اذارأہ فیھا)وعلی کل من الاولین یعطی اولا وعلی الثالث یعطی قبل الصلاۃ اوفیھا اوبعدھا اولا اصلا فھی ثمان وواحدۃ منھاتصیرار بعاوھی ماذا سأل قبلها فابی فانه اما ان یعید السؤال بعدھا اولا وعلی کل یعطی اولا فصارت احدی عشرۃ فبلغت ستاوستین واناًاصورلك احدی الاسداس لتقیس علیھا سائرھابان تضع ظن المنع مقام ظن العطاء ثم الشك فھی ثلاث وثلثون ثم تضع رأی قبلها مکان رأی فی الصلاۃ فھی ثلاث وثلثون اخری وھذہ صورته۔

یا بعد نماز یا نہ قبل نماز نہ بعد نماز۔ یہ صورتیں کیسے نہ ہونگی جب کہ ان کی روشِ بیان درج ذیل عبارتوں میں اسی تقسیم پر جاری ہے (دیکھئے ان کی عبارت خط کشیدہ الفاظ ۱۲م۔الف) (۱) نماز توڑ دے اور پانی طلب کرے اگر نماز پُوری کرلی پھر مانگا (۲) توڑی دی اور مانگا اور اگر پُوری کرلی پھر مانگا (۳) اگر بعد نماز مانگا اور اگر مانگا (۳) اگر بعد نماز مانگا اور اگر مانگا یعنی قبل نماز اور فرمایا: تو اگر نہ مانگا یعنی بالکل مانگا ہی نہیں (نہ قبل نماز نہ بعد نماز) میری عبارت میں جو "قبل نماز" آیا ہے اس سے میری مراد ہے "تکمیل نماز سے" خواہ یوں کہ نماز شروع کرنے سے پہلے ہو یا یوں کہ جب اندرونِ نماز پانی دیکھنا نماز توڑ دی ہو (اب سلسلہ کلام وہیں سے ملا لیجئے ۱۲م۔الف) اور ان میں کی پہلی دونوں میں سے ہر تقدیر پر یا تو وہ دے گا یا نہ دے گا اور تیسری تقدیر پر قبل نماز[۱] دے گا، یا اندرون[۲] نمازِ، یا بعد[۳] نماز، یا بالکل[۴] نہ دے گا۔ یہ آٹھ صورتیں ہوئیں اور ان میں سے ایک وہ ہے جس کی چار[۴] صورتیں بن جائیں گی۔ یہ قبل نماز مانگنے پر انکار والی صورت ہے کیونکہ اس صورت میں یا تو بعد نماز دوبارہ مانگے گا، یا نہ مانگے گا اور بہر تقدیر یا تو وہ دے گا یا نہ دے گا۔ تو گیارہ[۱۱] صورتیں ہوکر چھاسٹھ[۶۶] کو پہنچ جائیں گی اب ان میں سے ایک سدس (گیارہ) کی شکل پیش کی جاتی ہے تاکہ بقیہ کو اسی پر قیاس کیا جاسکے اس طرح کہ ظن عطا کی جگہ ظن منع پھر شک رکھ دیں تو یہ تینتیس[۳۳] صورتیں ہوجائیں گی، پھر "اندرونِ نماز دیکھا" کی جگہ "قبل نماز دیکھا" رکھ دیں تو یہ دوسری تینتیس[۳۳] صورتیں ہوجائیں گی۔ نقشہ یہ ہے:

رأی فی الصلاۃ
رأی قبلھا
ظن العطاء
ظن المنع
شك
سأل
لم یسأل
قبل الصلاۃ
بعد الصلاۃ
اعطی
لم یعط
أبی
سأل بعدھا
لم یسأل
اعطی
أبی
اعطی
لم یعط
اعطی
أبی
قبل الصلاۃ
فیھا
بعدھا
۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰ ۱۱ ۱۱ ۱۱
۳۳
۳۳
۶۶

اندرونِ نماز دیکھا
قبل نماز دیکھا
ظن عطا ہوا
ظن منع ہوا
شک ہوا
مانگا
نہ مانگا
قبل نماز
بعد نماز
دیا
نہ دیا
دیا
انکار کیا
بعد نماز پھر مانگا
نہ مانگا
دیا
انکار کیا
دیا
نہ دیا
دیا
انکار کیا
قبل نماز
اندرونِ نماز
بعد نماز
۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰ ۱۱ ۱۱ ۱۱
۳۳
۳۳
۶۶

ولم یذکر فیما اذارأی فی الصلاۃ الا السؤال قبلھا اوبعدھا فبقی ان لایسأل اصلا وصاحبہ یعطیہ قبل الصلاۃ اوفیھا اوبعدھا اولا فھی اربع علی کل من صور الظنین والشك فکانت اثنتی عشرۃ لم یذکرھا۔	علامہ صاحب بحر نے اندرونِ نماز دیکھنے کی تقدیر پر صرف مانگنے کا ذکر کیا ہے قبل نماز ہو یا بعد نماز۔اور یہ شکل رہ گئی کہ بالکل نہ مانگا اور پانی والے نے اسے قبل نماز یا اندرونِ نماز یا بعد نماز دے دیا، یا نہ دیا تو ظنِ عطا، ظنِ منع اور شک ہر ایک پر یہ چار چار صورتیں ہو کر بارہ ۱۲ ایسی ہوئیں جن کو انہوں نے نہیں ذکر کیا۔(ت)
فان قلت لافائدۃ فی التشقیق بعد الاباء قبل الصلاۃ بأنہ سأل بعدھااولا وعلی کل اعطی اولافان الحکم لایختلف وھو صحۃ صلاتہ لان العطاء بعد الاباء غیر مفید کمامر فی المسألۃ العاشرۃ۔	**اگر یہ سوال ہو کہ** قبل نماز انکار ہو جانے کے بعد یہ شقیں نکالنے میں کوئی فائدہ نہیں کہ بعد نماز اس نے مانگا یا نہ مانگا اور بہر تقدیر اس نے دیا یا نہ دیا۔اس لئے کہ حکم مختلف نہیں، حکم یہی ہے کہ اس کی نماز صحیح ہے اس لئے کہ انکار کے بعد دینا مفید نہیں جیسا کہ مسئلہ دہم میں گزرا۔(ت)
اقول: بلی فائدتہ اعطاء ھذاالحکم الاتری الی قولہ فی الضابطۃ فیمااذارأی فی الصلاۃ وکذااذاابی ثم اعطی وفیمااذارأی خارجھافان منعہ واعطاہ بعدھا لااعادۃ [138] اھ ولذا اخذہ المحقق الحلبی فی شقوق ضابطتہ کماسیأتی ان شاء اللہ تعالٰی وان فرض فالکلام علی مسلکہ رحمہ اللہ تعالٰی وھو لم یعتبر فی الاقسام تمایز الاحکام کماسیأتی وان سلمنا فھی ثمان واربعون ثمان فی ست کماتری وقد تضمن کلامہ حکم ست وثلثین وترك اثنتی عشرۃ۔	**اقول:** کیوں نہیں۔یہ حکم دینا ہی اس کا فائدہ ہے۔ضابطہ میں صاحبِ بحر کا کلام دیکھئے،اندرونِ نماز دیکھنے کے تحت ہے"اور ایسے ہی جب انکار کردے پھر دے دے"اور بیرونِ نماز دیکھنے کے تحت ہے"تو اگر (اس وقت) نہ دیا اور بعد نماز دے دیا تو اعادہ نہیں"اھ۔اسی لئے محقق حلبی نے بھی اسے اپنے ضابطہ کی شقوں میں لیا ہے جیسا کہ ان کا کلام اِن شاء اللہ تعالٰی آئے گا۔اور اگر بے فائدہ ہی فرض کرلیا جائے تو یہاں کلام صاحبِ بحر رحمہ اللہ تعالٰی کے مسلک پر ہے اور انہوں نے قسموں کے اندر احکام کے جُدا گانہ ہونے کا اعتبار نہیں کیا ہے جیسا کہ اس کا بیان آرہا ہے اور اگر ہم تسلیم ہی کرلیں تو یہ اڑتالیس ۴۸ صورتیں ہیں چھ میں آٹھ۔۸*۶ = ۴۸ جیسا کہ پیشِ نظر ہے اور ان کا کلام صرف چھتیس ۳۶ صورتوں کے حکم پر مشتمل ہے۔بارہ ۱۲ صورتیں انہوں نے چھوڑ دیں۔(ت)

[138] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵۴

وثانیا: نقل(۱) التوفیق عن الذخیرۃ عن الجصاص وھو التحقیق فارسالہ ماااذا کان خارج الصلاۃ ولم یسأل اصلا خلافیۃ غیر مقطوع فیھا بقول ممالاینبغی۔	**ثانیا:** ذخیرہ کے ذریعہ امام جصاص سے تطبیق نقل کی۔وہی تحقیق بھی ہے اس کے باوجود بیرونِ نماز رہ کر بالکل نہ مانگنے والی صورت کو کوئی قطعی قول پیش کیے بغیر اختلافی چھوڑ دینا مناسب نہیں۔
وثالثا: قد(۲)مشی علیہ فیمن رأی فی الصلاۃ یقطع ان ظن العطاء والالا ومامبناہ الاذلک التوفیق انہ یجب السؤال ان ظن العطاء والالا کماقدمنافقدمشی علی التوفیق ثم جعل الکل خلافیۃ وانماکان الوجہ ان یحیل ھذہ ایضا علی الخلاف اویقطع القول فی تلک ایضا۔	**ثالثا:** اسی پر اس کے بارے میں چلے ہیں جو اندرونِ نماز دیکھے تو اگر ظنِ عطا ہو نماز توڑ دے ورنہ نہیں۔اس کی بنیاد وہی تطبیق ہے کہ مانگنا واجب ہے اگر عطا کا گمان ہو ورنہ نہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو یہاں تطبیق پر چلے پھر سب کو خلافی بنادیا۔مناسب طریقہ یہی تھا کہ یا تواِسے بھی اختلاف کے حوالے کرتے یااُس میں بھی قطعی قول کرتے۔
ورابعا:قولہ(۳) فیمااذارأی خارجھا فسأل فمنع فتیمم فصلی انہ لایتأتی فیہ الظن والشک فیہ شک ای شک فان اراد عدم تأتیھمابعد المنع فالمنع لایختص بھذاالقسم وایضا لاتأتی لھمابعد الاعطاء ایضا بل اولی لانہ تم الامر وفی المنع یحتمل ان یحملہ علی حالۃ راھنۃ ویظن بہ عطاء اومنعااویشک فیمابعدذلک وان اراد مطلقا وھوالظاھر من کلامہ فعدم تأتیھما بعد المنع لا یمنع تأتیھما قبلہ وقد جعل(۴)الاقسام	**رابعا:** یہ صورت کہ "بیرونِ نماز دیکھنے پر مانگا تو اس نے نہ دیا پھر تیمّم کرکے نماز پڑھ لی"۔اس کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ "اس قسم میں ظن یا شک کی صورت نہیں" یہ کلام بڑے شک واعتراض کا محل ہے اگر یہ مراد ہے کہ بعد منع ظن یا شک نہیں ہوتا تو منع اسی قسم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بدرجہ اولٰی نہیں،اس لئے کہ کام پُورا ہوگیا۔اور منع میں تو یہ احتمال ہے کہ اس منع کو موجودہ حالت پر محمول کرے اور اس کے بعد اس سے دینے یا نہ دینے کا گمان یا شک رکھے۔اور اگر یہ مراد ہے کہ مطلقًا ظن یا شک نہیں ہوتا۔یہی ان کے کلام سے ظاہر بھی ہے تو اس پر یہ کلام ہے کہ بعد منع ظن وشک کی صورت نہ ہونا اس سے مانع نہیں کہ قبل منع ظن یا شک رہا ہو۔انہوں

اولا ستایکون فی الصلاۃ اوخارجھا وعلی کل یظن عطاء اومنعا اویشك ثم فصل کلامنھا الی السؤال وعدمه والعطاء والاباء فکیف یخرج ھذامن الظن والشك وان خرج کیف تصیر اربعا وعشرین۔	نے پہلے چھ[۶] قسمیں بنائی ہیں اس طرح کہ وہ اندرون[۱] نماز ہوگا یا بیرون[۲] نماز اور بہر دو تقدیر یا تو اسے ظن[۱] عطا ہوگا یا ظن منع[۲] یا شک ہوگا۔ پھر ان میں سے ہر ایک میں سوال[۱] وعدم سوال[۲] اور عطا[۱] وعدم[۲] عطا کی تفصیل ہے تو یہ قسم ظن وشک سے خارج کیسے ہوگی اور اگر خارج ہو تو چوبیس[۲۴] صورتیں کیسے بنیں گی؟
وخامسا: لاتخالف الرؤیة فی الصلاۃ وخارجھا فی شیئ من الاحکام ولااقسام الرؤیة فی الصلاۃ فیمابینھا غیر انه یقطع ان ظن العطاء والالا فماکان لیدخل فی الشقوق فیطول الامر وکان یجمع جمیع(۱)ماقاله بل مع الزیادۃ واحاطة الست المتروکة ان یقول من علم مع غیرہ ماء یکفی لطھرہ قبل الصلاۃ اوفیھا فان لم یسأل فعلی الخلاف وان سأل فان اعطی توضأ وان کان تیمم انتقض وان کان صلی بطلت وان منع تیمم اولم ینتقض اومضت ولاعبرۃ بالعطاء بعد الاباء فی الوجھین وسواء فی کل ذلك ظن عطاء قطع الصلاۃ والالا فھذا نحوثلث سطورہ بیدان الثلث کثیر۔	**خامسا:** اندرونِ نماز وبیرونِ نماز دیکھنے میں اور اندرون نماز دیکھنے کی قسموں میں باہم احکام کا کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ اگر اسے عطا کا ظن ہو نماز توڑ دے ورنہ نہیں تو ان سب کو شقوں میں داخل کرکے طویل کرنا مناسب نہ تھا اگر یوں کہتے تو ان کی پوری بات مع اضافے اور متروکہ چھ صورتوں کے احاطے کے سمٹ آتی: "جسے کسی کے پاس طہارت کیلئے کفایت کرنے والے پانی کا قبل نماز یا اندرونِ نماز علم ہوا تو اگر نہ مانگا تو اس صورت میں اختلاف ہے اور اگر مانگا اس نے دے دیا تو وضو کرے اور اگر تیمّم تھا تو ٹوٹ گیا اور اگر نماز پڑھ لی تو باطل ہوگئی اور اگر نہ دیا تو تیمّم کرے یا تیمّم ٹوٹا ہی نہیں یا نماز بھی ہوگئی اور دونوں ہی شکلوں میں انکار کے بعد دینے کا کوئی اعتبار نہیں اور ان سب صورتوں میں خواہ اسے عطا کا گمان ہو یا منع کا، یا شک ہو مگر یہ ہے کہ اگر ظن عطا ہو نماز توڑ دے ورنہ نہیں۔ تو یہ ان کی سطروں کے تہائی کے قریب ہے مگر یہ کہ تہائی زیادہ ہے۔(ت)

وسادسا: قوله(ا) في خارج الصلاة ان لم يسأل وتيمم وصلى يريد به كما اشرنا اليه ما اذا لم يسأل قبلها ولا بعدها لانه سيذكرهما من بعد فهو مشتمل على اثنى عشر قسما كما علمت يظن منحا او منعا ويشك وعلى كل يعطيه صاحبه قبل الصلاة اوفيها اوبعدها اولا اصلا ولا خلاف ان كان الا في ثلث منها وهي ما اذا لم يعطه اصلا وهذا ايضا بشرط ان لايوجد الوعد قبل تمام الصلاة والا لمنع ونقض وابطل ولو اعطى قبل الصلاة وجب الوضوء وان كان تيمم انتقض اوفيها وجب الاستئناف بعد التوضى اوبعدها بطلت كل ذلك بالاجماع لان القدرة على الماء تحصل باجماع اصحابنا رضى الله تعالى عنهم بالاباحة فكيف بالعطاء والعطاء عطاء وان لم يكن عن سؤال كما اذا كان عنده من يسأله فلم يسأل وصلى فاخبره مبتدئا اومجيبا اعاد مطلقا كما تقدم وقد()احسن الدر اذقال لوصلى بتيمم وثمه من يسأله ثم اخبره بالماء اعاد[139]. فلم يقل ثم سأله فاخبره لاجرم ان قال في الجوهرة النيرة رأى رجلا معه ماء فلم يسأله فصلى ثم اعطاه بعد فراغه من غير سؤال توضأ و

سادسا: بیرونِ نماز والی صورت کے تحت ان کا قول "اگر نہ مانگا اور تیمّم کیا اور نماز پڑھ لی"۔اس سے جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ان کی مراد یہ ہے کہ "نہ قبل نماز مانگا نہ بعد نماز" اس لئے کہ آگے ان دونوں کو ذکر کررہے ہیں جیسا کہ معلوم ہوا یہ بارہ ۱۲ قسموں پر مشتمل ہے: اسے ۱ دینے کا ظن ہوگا یا نہ ۲ دینے کا شک ہوگا اور بہر تقدیر پانی والا اسے قبل ۱ نماز دے گا یا اندرونِ ۲ نماز یا بعد نماز، یا بالکل ۴ نہ دے گا اگر مانا جائے کہ اختلاف ہے تو ان میں سے صرف تین صورتوں میں ہوگا یہ جب کہ بالکل نہ دیا اور یہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ قبل تکمیل نماز وعدہ نہ پایا جائے ورنہ وہ مانع، ناقض اور مبطل ہوگا (تیمّم سے مانع ہوگا اور اگر تیمّم ہے تو اسے توڑ دے گا تیمّم سے نماز پڑھ لی تو اسے باطل بھی کردے گا) اگر قبل نماز دیا تو وضو واجب ہے اور اگر تیمّم تھا تو ٹوٹ گیا اندرون نماز دیا تو وضو کرکے از سرِنو پڑھنا ضروری ہے بعد نماز دیا تو سب بالاجماع باطل ہوگیا اس لئے کہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اجماع ہے کہ اباحت سے پانی پر قدرت ہوجاتی ہے تو عطا سے کیوں نہ ہوگی اور عطاء عطاء ہی ہے اگرچہ بغیر سوال ہو، جیسے اس صورت میں جب کہ اس کے پاس کوئی ایسا شخص ہو جس سے دریافت کرسکے مگر نہ دریافت کیا اور نماز پڑھ لی پھر اس نے از خود بتایا یا پُوچھنے پر بتایا بہر صورت اعادہ کرے۔ جیسا کہ گزرا۔ در مختار نے یہ عمدہ تعبیر کی: "اگر تیمّم سے نماز

[139] در مختار باب التیمم مطبوعہ مجتبائی دہلی ۴۴/۱

اعاد وان لم یعط فصلاته تامة[140] اھ فجعلها خلافیة مطلقا غیر سدید فی تسعة من اثنی عشر وان(۱) اخذت المتروکات ایضا کما فعلنا ففی ثمانیة عشر ای علی ھذا التقسیم اما علی اخذ صور الوعد فکثیر جدا کما یاتی۔

وسابعا: ترک(۱) صور الوعد والسکوت وفیها مباحث تھم فالاقسام علی ماسلك لااربعة وعشرون ولاستة وستون بل اربعمائة وستة وعشرون وذلك لانه اما(۱) ان یسأل قبل التیمم او(۲) بعده قبل الشروع فی الصلاة او(۳) فیها بقطعها او(۴) بعدها اولا(۵) اصلا فھی خمس ولایکون الاولان الا بالعلم قبل الصلاة والبواقی تحتمل العلم فیها وقبلها فھی ثمانیة وعلی کل تقدیر یظن منحا ومنعا اویشك فھی اربعة وعشرون۔ فریق السؤال منھا ثمانیة عشر وفریق عدمه ستة والسؤال قبل التیمم او بعده قبل الصلاة ثلاثی

پڑھ لی جبکہ وہاں کوئی ایسا تھا جس سے دریافت کرلے پھر اس نے پانی کی خبر دی تو اعادہ کرے"۔ یہ نہ فرمایا کہ "پھر اس نے سوال کیا تو اس نے بتایا"۔ لاجرم جوہرہ نیرہ میں یہ کہا: کسی ایسے شخص کو دیکھا جس کے پاس پانی ہے اس سے طلب نہ کیا۔ نماز پڑھ لی۔ پھر اس کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس نے بغیر مانگے دے دیا تو وضو کرکے اعادہ کرے اور اگر نہ دیا تو اس کی نماز تام ہے" اھ تو اسے بارہ[۱۲] میں سے نو[۹] صورتوں میں مطلقًا خلافی قرار دینا درست نہیں۔ اور اگر متروکات بھی لے لیے جائیں جیسا کہ ہم نے کیا تو اٹھارہ[۱۸] صورتوں میں۔ یعنی اس تقسیم پر لیکن وعدہ کی صورتیں بھی لی جائیں تو بہت زیادہ ہوجائیں گی، جیسا کہ ذکر آرہا ہے۔ (ت)

سابعًا: وعدہ اس سکوت کی صورتیں چھوڑ دیں جبکہ اس میں اہم بحثیں ہیں تو ان کے طرز پر قسمیں نہ چوبیس[۲۴] ہوں گی نہ چھیاسٹھ[۶۶] بلکہ چارسو چھبیس[۴۲۶] ہوں گی۔ وہ اس لئے کہ سوال یا تو قبل تیمم[۱] ہوگا، یا بعد[۲] تیمم قبل شروع نماز، یا اندرون[۳] نماز اس طرح کہ نماز توڑدے، یا بعد[۴] نماز یا سوال بالکل نہ ہوگا[۵] یہ پانچ صورتیں ہوئیں پہلی دونوں صورتیں قبل نماز علم کے بغیر نہ ہوں گی اور بقیہ میں احتمال ہے کہ اندرون نماز معلوم ہو یا قبل نماز ہو۔ تو یہ آٹھ ہوئیں اور بہر تقدیر اسے ظن عطا ہوگا یا ظن منع یا شک ہوگا تو یہ چوبیس[۲۴] صورتیں ہوئیں۔ ان میں سے اٹھارہ[۱۸] سوال والی ہیں اور چھ[۶] عدم سوال والی اور ظن عطا و منع اور شک کے

---

[140] الجوہرۃ النیرۃ باب التیمم مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۹

باعتبار الظنين والشك والسؤال فيها اوبعدها كل سداسي باضافة كون الرؤية في الصلاة اوقبلها وصورة عدم السؤال تشمل الوجهين كماستعرف۔ **ثمّ على كل سؤال** اما ان يعطي من فوره وهو العطاء العاجل اويعد اويسكت اويابى وبعدكل من الثلثة اما ان يعطي وهو العطاء الآجل اولا واذالم يعط في الوعد فاما ان يظهر خلفه اولا كماقدمنا في التنبيه الخامس ففي كل سؤال ثمانية عـه وجوه.اما العطاء العاجل فلايفارق السؤال في زمانه والآجل في غير الوعد يحتمل ان(۱) يكون قبل التيمم او(۲)بعده قبل الصلاة او(۳) فيها او(۴) بعدها في الوقت قبل الاطلاع على تيممه وصلاته او(۵) بعده او(۶) بعد الوقت اما في الوعد فلا الاوجهين وهما العطاء في الوقت اوبعده لان الوعد يوجب الانتظار الى خروج الوقت فمهما وعدلم يكن له ان يتيمم اويصلي بداء اوعودا اذاعرفت هذا	اعتبار سے سوال قبل تیمّم یا بعد تیمّم قبل نماز کی تین تین صورتیں ہیں اور نماز کے اندر یا نماز کے بعد سوال کی چھ چھ صورتیں ہیں اس طرح کہ رؤیت اندرون نماز یا قبل نماز ہونے کا اضافہ ہوگا اور عدم سوال والی صورت دونوں شکلوں کو شامل ہے، جیسا کہ معلوم ہوگا۔(ت) **پھر ہر سوال پر** یا تو اسے فوراً دے دے گا اس کا نام عطائے عاجل ہے یا وعدہ یا سکوت یا انکار کرے گا۔اور ان تینوں میں سے ہر ایک کے بعد یا تو دے دے گا اور یہ عطائے آجل ہے یا نہ دے گا اور جب صورت وعدہ میں نہ دے گا تو یا تو اس کے خلاف ظاہر ہوگا یا نہیں جیسا کہ تنبیہ پنجم میں ہم پہلے بیان کرچکے تو ہر سوال میں آٹھ ۸ صورتیں ہوئیں، عطائے عاجل تو سوال سے وقت میں جدا نہیں ہوتی اور عطائے آجل غیر وعدہ میں احتمال ہے کہ قبل ۱ تیمّم ہو یا بعد تیمّم ۲ قبل نماز یا اندرون نماز ۳ یا بعد نماز ۴ اندرون وقت اس کے تیمّم و نماز پر اطلاع سے قبل یا بعد ۵ یا وقت کے بعد ۶ لیکن وعدہ میں دو ۲ ہی شکلیں ہیں۔وقت میں یا بعد وقت دینا،اس لئے کہ وعدہ وقت نکلنے تک انتظار واجب کرتا ہے تو جب اس سے

عـه يعطي عاجلا(۱) يعدفيعطي(۲) اولايعطي(۳) مخلفااوغير مخلف(۴) يسكت فيعطي(۵) اولا(۶) يابى فيعطي(۷) اولا(۸) ۱۲ منه (م)	(۱) فوراً دے دے (۲) وعدہ کرے پھر دے دے۔(۳) وعدہ خلافی کرتے ہوئے نہ دے (۴) یا بغیر وعدہ خلافی کے نہ دے (۵) سکوت اختیار کرے پھر دے دے (۶) یا نہ دے (۷) انکار کرے پھر دے دے (۸) یا نہ دے ۱۲منہ (ت)

فاذا كان السؤال قبل التيمم ساغ الكل فثلٰنيته صار بتسديس كل عطاء اٰجل فی غير الوعد وتثنيته فيه مع اربعة وجوه عدم العطاء ووجه واحد للعطاء العاجل تسعة عشر عـه ولكونه ثلاثيا سبعة و خمسين(۵۷)،(۲)اذا كان بعده قبل الصلاة خرج الاول من ستة العطاء الاٰجل وهو العطاء قبل التيمم فهو فی كل من السكوت والاباء خمسة سادسها عدم العطاء صارت اثنتی عشر وللوعد اربعة كماكانت ای يعطی فی الوقت اوبعده اولايعطی مخلفااوغيرمخلف وواحد هوالعطاء العاجل فهی سبعة عشر وبالتثليث احدو خمسون(۵۱) و(۳)اذا كان فيها فالاقسام كسابقه سبعة عشر غير ان هذا سداسی فصارت مائة(۱۰۲) واثنين۔

وعدہ ہوا تو اسے روا نہیں کہ تیمّم کرے یا نماز پڑھے خواہ ابتداءً یا دوبارہ۔جب یہ معلوم ہوگیا تو دیکھئے جب سوال قبل تیمّم ہو تو سب صورتیں ہوسکتی ہیں۔تو اس کی آٹھ صورتیں ہر عطائے آجل غیر وعدہ کی چھ [۶] صورتوں کے ساتھ اور وعدہ کی دو صورتیں عدم عطا کی چار [۴] اور عطائے آجل کی ایک صورت کے ساتھ کُل انیس [۱۹] صورتیں ہوئیں اور ثلاثی ہونے کی وجہ سے ستاون [۵۷] ہوئیں۔اور جب سوال بعد تیمّم قبل نماز ہو تو عطائے آجل کی چھ [۶] میں سے پہلی شکل نکل جائے گی اور وہ یہ کہ عطا قبل تیمّم ہو اب سکوت وانکار ہر ایک میں پانچ صورتیں ہیں چھٹی شکل عدم عطا ہے تو بارہ صورتیں ہوئیں اور وعدہ کی چار صورتیں رہیں جیسے پہلے تھیں یعنی وقت کے اندر دے یا اس کے بعد یا وعدہ خلافی کرتے ہُوئے نہ دے یا بغیر وعدہ خلافی کے نہ دے اور ایک عطائے عاجل والی صورت ہے

عـه لانه فی الوعد يعطی فی الوقت اوبعده اولايعطی مخلفا اوغير مخلف هذه اربعة وفی كل من السكوت والاباء لايعطی اويعطی قبل التيمم اوقبل الصلاة اوفيها اوبعدها فی الوقت فهی سبعة فی كليهما فاربعة مع اربعة عشرو واحد هو العطاء العاجل صارت تسعة عشر ۱۲منه غفرله (م)

اس لئے کہ بصورت وعدہ یا تو وقت [۱] میں دے دے گا یا بعد [۲] وقت دے گا یا وعدہ [۳] خلافی کرتے ہوئے یا بغیر وعدہ [۴] خلافی کے نہ دے گا۔یہ چار [۴] صورتیں ہوئیں اور سکوت وانکار ہر ایک میں یا تو نہ [۱] دے گا یا قبل [۲] تیمّم دے گا یا قبل [۳] نماز یا دورانِ نماز [۴] یا بعد نماز [۵] وقت میں اطلاع سے قبل یا بعد [۶]، یا بعدِ وقت [۷] تو دونوں میں یہ سات ۷ صورتیں ہیں تو چار ۴ صورتیں،ان چودہ صورتوں کے ساتھ اور ایک صورت عطائے عاجل کے ساتھ کُل انیس ۱۹ صورتیں ہُوئیں ۱۲منہ غفرلہ (ت)

واذا کان بعدھا خرج من عطایا السکوت والاباء الثلثة الأُول ففی کل مع عدم العطاء اربعة وفی الوعد اربعة کالرسم فھی اثنا عشر والعطاء العاجل ھھنا وجھان اعطاہ بعد ماراٰہ یتیمم ویصلی بہ اولم یطلع علیہ ویحتاج الی ھذا التقسیم لدفع توھم ان لوراٰہ فسکت دل علی المنع فلاینفع العطاء بعدہ وقد ازحناہ فی المسألة التاسعة فصارت اربعة عشرو بالتسدیس اربعة وثمانین ففریق السؤال مائتان واربعة وتسعون۔

و اذا لم یسأل فیعطی من دون وعد اویعد اولا ولاوھھنا نفس ھذا العطاء علٰی ستة وجوہ العطاءِ الأجل ثمہ الاولان منھا ثلاثیان وسائر ھن سداسیات کثالث ھذہ الاقسام اعنی لاولا فکانت ستة وثلثین والوعد علٰی خمسة وجوہ الاولین الثلاثین وثلثة تلیھا سداسیات لان الوعد بلاسؤال فی وقت اُخرلا تعلق لہ بھذہ الصلاة فکانت اربعة وعشرین ثم فی کل وعد اربعة کالرسم فھی ستة وتسعون ومع ستة وثلثین المزبورات

تو سترہ ۱۷ صورتیں ہُوئیں اور تین میں ضرب دینے سے اکیاون ۵۱ ہوگئیں۔اور جب سوال اندرونِ نماز ہو تو اس سے پہلے والے کی طرح یہاں بھی سترہ ۱۷ قسمیں ہوں گی مگر یہ کہ ان میں سے ہر ایک میں چھ صورتیں ہیں تو ایک سو دو ۱۰۲ صورتیں ہوگئیں،اور جب بعد نماز ہو تو سکوت وانکار کی عطا والی صورتوں میں سے پہلی تین نکل جائیں گی تو ہر ایک میں عدم عطا کے ساتھ چار اور وعدہ میں بدستور چار رہیں گی۔یہ بارہ صورتیں ہیں اور عطائے عاجل کی یہاں دو شکلیں ہیں اسے تیمّم کرتے اور نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے کے بعد دیا یا اس پر مطلع نہ ہوا۔اور اس تقسیم کی ضرورت یہ وہم دفع کرنے کیلئے ہے کہ اگر اسے دیکھ کر سکوت کرتا تو یہ دلیل منع ہوتا اس کے بعد دینا کارآمد نہ ہوتا۔مسئلہ نہم میں ہم یہ وہم دُور کرآئے ہیں تو چودہ ۱۴ صورتیں ہوئیں جو چھ میں ضرب دینے سے چوراسی ۸۴ بنیں۔اس طرح سوال کی شق میں کُل دوسو چورانوے ۲۹۴ صورتیں ہوئیں۔(ت)

اور جب سوال نہ کرے تو وہ یا تو بغیر وعدہ کیے دے دے گا یا وعدہ کرے گا یا نہ دے گا نہ وعدہ کرے گا۔یہاں خود یہ عطا وہاں کی عطائے آجل کی چھ ۶ صورتوں پر ہے۔ان میں سے پہلی دو،ثلاثی ہیں اور باقی سُداسی ہیں جیسے ان اقسام میں سے تیسری،یعنی نہ عطا ہو نہ وعدہ۔تو چھتیس ۳۶ صورتیں ہوئیں۔اور وعدہ میں پانچ صورتیں ہیں پہلی دو،ثلاثی اور ان کے بعد تین سُداسی۔اس لئے کہ دوسرے وقت میں بلاسوال وعدہ کو اِس نماز سے کوئی تعلق نہیں تو یہ چوبیس ۲۴ صورتیں ہوئیں۔پھر ہر وعدہ پر بدستور چار ۴ صورتیں۔یہ چھیانوے ۹۶

مائةواثنان وثلثون فصارت مع صور السؤال اربعمائة وستة وعشرين۔

اقول: واعلم ان الظاهر من کلماتهم نفعنا الله تعالٰی ببرکاتهم قصر النظر علی الاعطاء والاباء فبهما عبروا فی الزیادات وجامع الامام الکرخی وبدائع ملك العلماء وحلیة المحقق وضابطة الامام صدر الشریعة کماسمعت نصوصهم والمحقق الحلبی فی الغنیة تارة قال فی التصویر اما ان یعطی اویمنع تارة قال فی التصویر اما ان یعطی اویمنع وتارة قال اما ان یعطی اولا فاذا اتی علی الحکم قال ان سأل فاعطی وان سأل فمنع ولم یذکر الواسطة کماستسمع نصه ان شاء الله تعالٰی وکذلك المحقق البحر قال فی الشقوق اعطاه اولا وفی بیان الاحکام فی ما اذا رأی فی الصلاة اتی مرتین بالنفی والاثبات ومرتین بان اعطی وان ابی وفی خارج الصلاة مرة کالاول ومرة کالثانی واخوه فی النهر لخص کلامه فعبر فی موضعین عن قوله وان ابی بقوله والا ولذا لم نعدله ضابطة بحیالها فظهر ان مرادهم ههنا بنفی الاعطاء هو الاباء فلا یرد علی البحر

صورتیں ہیں اور مذکور چھتیس[۳۶] کے ساتھ مل کر ایک سوبتیس[۱۳۲] صورتیں بنتی ہیں پھر سوال کی (۲۹۴) صورتوں کے ساتھ مل کر کُل چار سو چھبیس[۴۲۶] صورتیں ہوجاتی ہیں۔(ت)

اقول: معلوم رہے کہ ان حضرات (خدا ہمیں ان کے برکات سے نفع بخشے) کے کلمات سے ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے عطاوانکار پر نظر محدود رکھی ہے۔ عطاء وِاباء سے ہی زیادات، جامع کرخی، بدائع ملک العلماء، حلیہ محقق، اور ضابطہ امام صدر الشریعۃ میں تعبیر آئی، جیسا کہ ان کی عبارتیں پیش ہوئیں۔ محقق حلبی نے غنیہ کے اندر بیان صورت میں کبھی کہا اما ان یعطی اویمنع (یا تو دے گا یا منع کرے گا) اور کبھی کہا اما ان یعطی اولا (یا تو دے گا یا نہ دے) پھر جب بیان حکم پر آئے تو کہا ان سأل فاعطی وان سأل فمنع (اگر مانگا تو دے دیا، اور اگر مانگا تو مانع ہوا) اور کوئی واسطہ ذکر نہ کیا، جیسا کہ ان کی عبارت اِن شاء الله تعالٰی پیش ہوگی۔ اسی طرح محقق بحر نے شقوں کو بتاتے ہوئے کہا اعطاہ اولا (اسے دے گا یا نہ دے گا) (اور بیان احکام میں اندرونِ نماز دیکھنے کی صورت میں دوبار نفی واثبات لائے اور دوبار "ان اعطی وان ابی" (اگر دیا، اگر انکار کیا) لائے۔ اور بیرون نماز دیکھنے کی صورت میں ایک بار بطرز اول اور ایک بار بطرز ثانی۔ ان کے برادر نے النہر الفائق میں

ولاعلی الغنیة انھما ذکرا فی التشقیق العطاء وعدمه واقتصر البحر فی نصف الاحکام علی العطاء والاباء والغنیة لم تذکر غیرھما۔	انہی کے کلام کی تلخیص کی ہے تو دو جگہ ان کے قول "وان ابی" (اگر انکار کریں) کی تعبیر "و الا" (ورنہ) سے کی ہے اسی لئے ہم نے ان کا کوئی مستقل ضابطہ نہ شمار کیا تو ظاہر ہوا کہ یہاں نفی عطاء سے ان حضرات کی مراد انکار ہے۔ تو بحر اور غنیہ پر یہ اعتراض نہ وارد ہوگا کہ دونوں نے شقوں کے بیان میں عطا و عدم عطا ذکر کیا اور بحر میں نصف احکام کے اندر عطاء واباء پر اقتصار کیا۔ اور غنیہ نے عطا واباء کے سوا کچھ ذکر ہی نہ کیا۔ (ت)
ولا ان قول البحر مرتین ان اعطاہ توضأ والافتیممه باق وکذا قول النھر ان لم یعطه بقی تیممه صادق بما اذا لم یعط بل وعد ولم یعط بعد الوعد ایضا مثلا مع ان تیممه ینتقض باجماع اصحابنا رضی الله تعالٰی عنھم اذا علم ھذا فمن سبر ظھر له وفورما ترك البحر من الصور واستبان ان (۱) جعله عدم السؤال خلافیة بین الھدایة والمبسوط مطلقا لایصح فی احد وخمسین من ستة وستین لان اقسام عدم السؤال قبل التثلیث والتسدیس سبعة وعشرون فی ستة [عـہ۱] منھا ثلاثیین [عـہ۲] واربعة سداسیات عطاء الماء فھی ثلثون [عـہ۳]، وفی اثنی عشر الوعد قبل الصلاۃ	نہ ہی یہ اعتراض ہوگا کہ دوبار بحر کا یہ کہنا "ان اعطاہ توضأ والافتیممه باق" (اگر دے دے وضو کرے ورنہ اس کا تیمّم باقی ہے) اسی طرح نہر کا کہنا ان لم یعطه بقی تیممه (اگر نہ دے تو اس کا تیمّم باقی ہے اس صورت میں بھی صادق ہے جب عطا نہ ہو بلکہ وعدہ ہو مثلاً وعدہ ہو اور بعد وعدہ بھی نہ دے باوجودیکہ اس کا تیمّم ٹوٹ جائے گا۔ اس پر ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اجماع ہے۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو جو جانچ کرے گا اس پر منکشف ہوگا کہ بحر نے کتنی زیادہ صورتیں چھوڑ دی ہیں یہ بھی روشن ہوگیا کہ عدمِ سوال کو ہدایہ ومبسوط کے درمیان مطلقاً خلافی ٹھہرانا چھیاسٹھ [۶۶] میں سے اکیاون [۵۱] صورتوں میں صحیح نہیں۔ اس لئے کہ تین اور چھ میں ضرب دینے سے پہلے عدم سوال کی قسمیں ستائیس [۲۷]

عـہ۱ وھی المرسومة فی التصویر تحت اعطی ۱۲ منه۔م (یہ وہ صورتیں ہیں جو نقشے میں اعطی (دیا) کے تحت درج ہیں ۱۲منہ۔ت)

عـہ۲ مرسومتین تحت قبل الصلاۃ ۱۲ منه۔م (جو قبل صلاۃ کے تحت درج ہیں ۱۲منہ۔ت)

عـہ۳ المرسومات تحت وعد من ۷ الی ۱۸۔م (جو وعدہ کے تحت ۷ سے ۱۸ تک درج ہیں۔ت)

اوفیھا ثمانیة [عہ1] منھاثلاثیات واربعة سداسیات فھی ثمانیة واربعون فھذہ الثمانیة والسبعون لایشك احد ان بطلان الصلاۃ فیھامتفق علیه لایجری فیھاخلاف الھدایة والمبسوط لان العطاء والوعد السابق علی تمام الصلاۃ کلیھمامانع للتیمم وناقض له ومبطل للصلاۃ بلاخلاف سواء اعطی بعدالوعدفی الوقت اوبعدہ اولم یعط مخلفا اوغیر مخلف(۱) ومثلھا فی الوعد بعد الصلاۃ صورتاالعطاء [عہ2] فی الوقت لانه مبطل وان لم یکن وعد ولم یزدہ الوعد الاقوۃ وکذلک(۲) صورتا عدم العطاء [عہ3] فیه اذالم یظھر خلفه لان الوعد یورث ظن العطاء ولم یظھر خلافه وقدفات درك الحقیقة فبنی الامر علی ظنه فھذہ اربعة کلھن سداسی فکانت اربعة وعشرین ومع السابقات مائة واثنین لکن البحر خص الکلام بما اذارأی خارج الصلاۃ فانتصفت ولم یبق من السبع والعشرین الاخمس اربع فی الوعد بعد الصلاۃ اذا [عہ4] اعطی بعد الوقت اولم [عہ5] یعط مخلفا،والعطاء بعد	ہوتی ہیں، ان میں سے چھ ۶ صورتوں دو ثلاثی اور چار سداسی میں پانی دینا ہے تو یہ تیس ۳۰ صورتیں ہیں، اور بارہ صورتوں میں قبل نماز یا دورانِ نماز وعدہ ہے ان میں سے آٹھ ثلاثی اور چار سداسی ہیں تو یہ اڑتالیس ۴۸ صورتیں ہُوئیں تو کل اٹھتّر ۷۸ صورتیں ایسی ہیں کہ کسی کو شک نہ ہوگا کہ ان میں نماز کا بطلان متفق علیہ ہے جس میں ہدایہ و مبسوط کا اختلاف جاری نہیں اس لئے کہ تکمیل نماز سے پہلے عطا اور وعدہ دونوں ہی تیمّم سے مانع اس کیلئے ناقض اور نماز کے لئے مبطل ہیں جس میں کوئی اختلاف نہیں خواہ بعد وعدہ وقت میں دے یا بعد وقت یا وعدہ خلافی کرتے ہوئے یا بلا وعدہ خلافی کے نہ دے ان ہی کی مثل وعدہ بعد نماز میں وقت کے اندر دینے کی دو صورتیں ہیں اس لئے کہ دینا باطل کردیتا ہے اگرچہ وعدہ نہ ہوا، اور وعدہ بھی ہے تو اس کی قوت میں اور اضافہ ہی کرے گا اسی طرح وقت کے اندر عدم عطا کی دو ۲ صورتیں جبکہ وعدہ خلافی نہ ظاہر ہو اس لئے کہ وعدہ عطا کا ظن پیدا کرتا ہے اور اس کے خلاف ظاہر نہ ہُوا اور حقیقت کا ادراک ہاتھ میں نہ رہا تو بنائے کار اس کے ظن پر ہوگی تو یہ چار جن میں سب سُداسی ہو کر چوبیس ۲۴ ہوئیں سابقہ

عہ1 وھی ۷ الی ۱۴۔(م) (یہ ۷ سے ۱۴ تک ہیں۔ت)

عہ2 ھما ۱۹ و ۲۳۔(م) (یہ ۱۹و۲۳ ہیں۔ت)

عہ3 ھما ۲۲ و ۲۶ (م) (یہ ۲۲و۲۶ ہیں۔ت)

عہ4 ھما ۲۰ و ۲۴ (م) (یہ ۲۰و۲۴ ہیں۔ت)

عہ5 ھما ۲۱ و ۲۵ (م) (یہ ۲۱و۲۵ ہیں۔ت)

الوقت ایضاً خلف کماقدمت، والخامس: عـہ لاوعد ولاعطی فھذہ یجری فیھاالخلاف علی فرض ابقائه فالمبسوط یقول بطلت لترک السؤال والھدایة صحت لان السؤال غیر واجب ولم یوجد عطاء ولاوعداو زال ظن الوعد بالاخلاف ولاجل ان کل ھذہ الخمس سداسیات ھی ثلثون وعلی تشطیر البحر خمسة عشر ھذاکله علی استظھاری ان الوعد بعدالصلاۃ اذاظھرخلفه لم یؤثرفی صلاۃ مضت فان لم یسلم لم یبق للخلاف محل غیر صورۃ واحدۃ من السبع والعشرین وھی ماااذالم یعد ولم یعط فیکون الغلط فی ثلثة وستین من ستة وستین وان اکملناباخذ متروکاته کمافعلناکان الغلط فی مائة واثنین اومائة وستة وعشرین من مائة واثنین وثلثین وھا انالك اصورھا* کی یسھل علیك تصورھا* وباللہ التوفیق*	کے ساتھ مل کر ایک سودو ۱۰۲ ہوگئیں لیکن بحر نے خاص اس صورت پر کلام کیا ہے جب بیرونِ نماز دیکھا ہو تو آدھی رہ گئیں اور ستائیس ۲۷ میں سے صرف پانچ بچیں چار وعدہ بعد نماز میں جب کہ بعد وقت دیا، یا وعدہ خلافی کرتے ہوئے نہ دیا۔ اور بعد وقت دینا بھی وعدہ خلافی ہی ہے جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا۔ اور پانچویں صورت وہ کہ نہ وعدہ ہو نہ عطا۔ یہ وہ صورتیں ہیں جن میں اختلاف جاری ہوگا اگر یہ مانیں کہ اختلاف باقی ہے تو مبسوط کا قول ہے کہ ترک سوال کی وجہ سے نماز باطل ہے اور ہدایہ کا قول ہے کہ صحیح ہے اس لئے کہ سوال واجب نہیں اور عطا نہ پائی گئی نہ ہی وعدہ ہوا یا ہوا ظن وعدہ، خلف کی وجہ سے زائل ہوگیا۔ چونکہ ان پانچ میں سے ہر ایک سداسی ہے کل تیس ۳۰ صورتیں ہُوئیں اور بحر کے آدھے بیان کی وجہ سے پندرہ ۱۵ ہوئیں یہ سب اس بنیاد پر ہے کہ میں نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ بعد نماز وعدہ کے خلاف جب ظاہر ہو جائے تو وہ ادا شدہ نماز میں اثر انداز نہ ہوگا۔ اگر میرا یہ خیال تسلیم نہ ہو تو ستائیس ۲۷ میں سے ایک صورت کے سوا کہیں اختلاف نہ رہ جائے گا۔ وہ صورت یہ ہے کہ نہ وعدہ ہو نہ عطا ہو۔ تو چھیاسٹھ ۶۶ میں سے تریسٹھ ۶۳ میں خطا ثابت ہوگی اور اگر ان کی متروکات کو لے کر ہم کامل کریں جیسا کہ پہلے ہم نے کیا تو غلطی ایک سو بتیس ۱۳۲ میں سے ایک سو چھبیس ۱۲۶ میں ہوگی ان صورتوں کا ایک نقشہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ انہیں ذہن نشین کرنے میں سہولت ہو اور خدا ہی سے توفیق ہے۔ (ت)
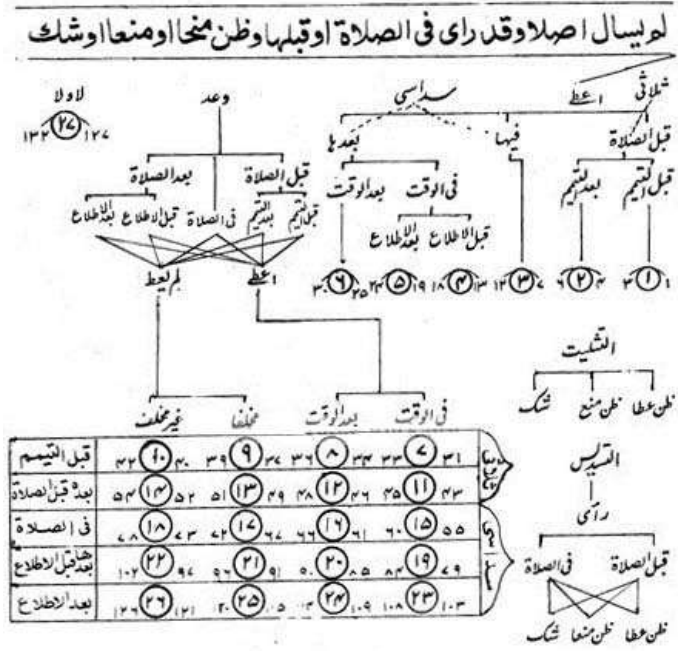
عـہ وھی ۲۷۔(م) (یہ ۲۷ ہے۔ت)

الثلاثیات عشرۃ ۱ و ۲ ومن ۷ الی ۱۴ فهی ثلثون
السداسیات سبعۃ عشر من ۳ الی ۶ ومن ۱۵ الی الاٰخر فهی مائۃ واثنان
فالمجموع ۱۳۲
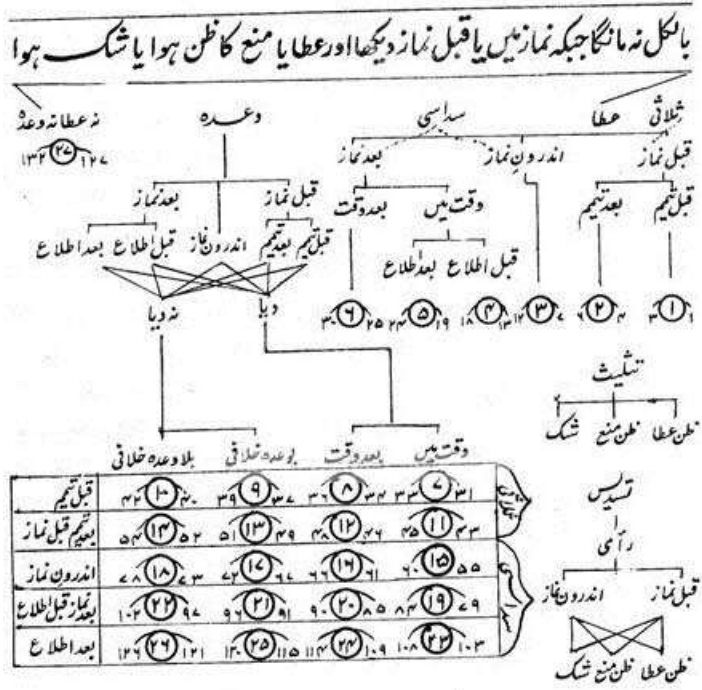
بالکل نہ مانگا جبکہ نماز میں یا قبل نماز دیکھا اور عطا یا منع کا ظن ہوا یا شک ہوا
ثلاثی
عطا
سداسی
وعدہ
نہ عطا نہ وعدہ
قبل نماز
اندرونِ نماز
بعد نماز
قبل تیمم
بعد تیمم
وقت میں
بعد وقت
قبل اطلاع
بعد اطلاع
دیا
نہ دیا
تثلیث
ظن عطا
ظن منع
شک
وقت میں
بعد وقت
بوعدہ خلافی
بلا وعدہ خلافی
تسدیس
قبل نماز
اندرونِ نماز
ثلاثیات دس ہیں۔ ۱ و ۲۔ اور ۷ سے ۱۴ تک۔ تو یہ تیس ہیں۔
سداسیات سترہ ہیں۔ ۳ سے ۶ تک اور پندرہ سے آخر تک۔ تو یہ ایک سو دو ہیں۔
کُل ۱۳۲

الثالث القانون الحلبی	سوم: قانون محقق ابراہیم حلبی
قال رحمہ اللہ تعالٰی ھذا علی وجوہ اما ان یغلب علی ظنہ الاعطاء اوالمنع اواستویا وعلی کل تقدیر اما ان یسأل اویتیمم ویصلی من غیر سؤال واذاسأل فاما ان یعطی اویمنع واذا منع قبل الصلاۃ فاما ان یسأل بعدھا اولا وعلی کلا التقدیرین یعطی اولا واذا تیمم وصلی فاما ان یسأل بعد الصلاۃ اولا وعلی کلا التقدیرین یعطی اولا فالاقسام سبعۃ وعشرون اما ان تیمم وصلی بلاسؤال ثم سأل فاعطی اواعطی بلاسؤال فانہ یلزمہ الاعادۃ علی کل تقدیر امافی ظن الاعطاء فظاھر واما فی غیرہ فلزوال الشك وظھور خطأ الظن وان سألہ فمنع جازت صلاتہ سواء کان السؤال قبلھا اوبعدھا لانہ قدتحقق العجز من الابتداء ولافائدۃ فی العطاء بعدھا بعد المنع قبلھا واما اذاتیمم وصلی من غیر سؤال ولم یسأل بعد لیتبین لہ الحال فعلی قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ صلاتہ صحیحۃ فی الوجوہ کلھا وقالا لایجزئہ والوجہ ھو التفصیل فینبغی ان یجب الطلب ولاتصح الصلاۃ بدونہ اذاظن الاعطاء دون ما اذاظن عدمہ لکونہ فی	محقق حلبی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں: "اس کی چند صورتیں ہیں یا تو اسے عطا یا منع کا غلبہ ظن ہوگا یا دونوں میں برابری ہوگی بہر تقدیر یا تو مانگے گا یا بغیر مانگے تیمّم ونماز ادا کرے گا بصورتِ سؤال یا تو عطا ہوگی یا منع اور منع قبل نماز ہو تو بعد نماز پھر سوال ہوگا یا نہ ہوگا بہر دو تقدیر وہ دے گا یا نہ دے گا۔اور جب تیمّم کیا اور نماز پڑھ لی تو بعد نماز سوال کرے گا یا نہیں۔بہر دو تقدیر وہ دے گا یا نہیں۔تو ستائیس ۲۷ قسمیں ہوئیں۔اگر مانگے بغیر تیمّم کیا اور نماز پڑھ لی پھر مانگا تو اس نے دے دیا یا مانگے بغیر دے دیا تو بہر تقدیر اس پر اعادہ لازم ہے۔ظن عطا کی صورت میں تو وجہ ظاہر ہے۔اس کے علاوہ میں اس لئے کہ شک زائل ہوگیا اور ظن کی خطا ظاہر ہوگئی اگر مانگنے پر منع وانکار کیا تو اس کی نماز ہوگئی خواہ مانگنا قبل نماز ہو یا بعد نماز۔اس لئے کہ عجز ابتدا سے ہی متحقق ہوگیا۔اور نماز سے پہلے انکار کے بعد، نماز کے بعد دینے میں کوئی فائدہ نہیں اور جب بغیر مانگے تیمّم کیا اور نماز پڑھ لی۔بعد میں بھی نہ مانگا کہ حال منکشف ہو تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر تمام صورتوں میں اس کی نماز صحیح ہے۔اور صاحبین نے فرمایا: یہ اسے کفایت نہیں کرسکتا۔اور مناسب طریقہ یہ ہے کہ تفصیل کی جائے۔تو ہونا یہ چاہے کہ طلب واجب ہو اور اس کے بغیر نماز

موضع عزۃ الماء اما اذاشك فی موضع عزۃ الماء اوظن المنع فی غیرہ فالاحتیاط فی قولھما والتوسعة فی قولہ اھ[141] وقدمر بحثہ مستوعبا فی المسألة السادسة۔	صحیح نہ ہو جبکہ اسے عطا کا گمان رہا ہو۔اس صورت میں نہیں جبکہ پانی کی کم یابی کی جگہ ہونے کی وجہ سے اس کو عدمِ عطا کا گمان رہا ہو اور جب پانی کی کم یابی کی جگہ شک کی صورت ہو یادُوسری جگہ منع کا ظن ہو تو احتیاط صاحبین کے قول میں ہے اور وسعت امام صاحب کے قول میں ہے"اھ اس کی بحث مکمل طور پر مسئلہ ششم میں گزرچکی۔(ت)
اقول: اتی علی جمیع ماذکر فی الشقوق غیر انہ ترك حکم مااذا سأل قبل الصلاۃ فاعطی لظھور فانہ ان کان قبل التیمم منعہ اوبعدہ نقضہ اوفی الصلاۃ ابطلھا بل وسواء کان ذلك عطاء عاجلا اواٰجلا بعدو عدا وسکوت اواباء کماقدمنا فالمراد بماقبل الصلاۃ قبل اتمامھا ولوفیھا اوقبلھا بعد التیمم اوقبلہ وارسالہ صورۃ ترك السؤال مطلقة عن قید عدم العطاء وجعلُھا خلافیة قد تدارکہ قولہ قبلھا اواعطی بلاسؤال فعلم ان الکلام ھنا فی مالم یسأل ولم یعط وبالجملة ھی احسن ضابطة رأیت لولا ان فیھا:	**اقول:** پہلے جو شقیں ذکر کیں سبھی کے احکام بیان کردئے مگر اس صورت کا حکم چھوڑ دیا جب قبل نماز مانگنے پر اس نے دے دیا۔اس لئے کہ اس صورت کا حکم ظاہر ہے۔کیونکہ اگر یہ قبل تیمّم ہے تو تیمّم سے مانع ہوگا اور اگر بعد تیمّم ہے تو اسے توڑ دے گا اور اگر اندرونِ نماز ہے تو اسے باطل کردے گا خواہ یہ دینا فوراً ہو یا دیر میں،وعدہ کے بعد ہو یا سکوت کے بعد یاانکار کے بعد جیسا کہ پہلے ہم نے بیان کیا تو قبل نماز سے مراد قبل تکمیل نماز ہے اگرچہ دورانِ نماز ہو یا قبل نماز تیمّم کے بعد ہو یا اس سے پہلے انہوں نے مطلقاً سوال نہ کرنے کی صورت میں عدم عطا کی قید نہ لگائی اور اسے اختلافی قرار دیا مگر اس سے پہلے اپنی عبارت "اواعطی بلاسؤال"(یابغیر مانگے دے دیا) سے اس کا تدارک کردیا جس سے معلوم ہوا کہ یہاں کلام اس صورت میں ہے جب نہ مانگا ہو نہ دیا ہو بالجملہ یہ سب سے عمدہ ضابطہ ہے جو میری نظر سے گزرا اگر اس میں یہ چند باتیں نہ ہوتیں:
اوّلاً: ترک(۱) صورالوعدوالسکوت(۲)مع ان فیھا مالایغنی عنہ الصموت* فلوانھم ذکروھا لافادونا وخلصوناعن	**اوّلاً:** وعدہ اور سکوت کی صورتیں ترک کردیں جب کہ ان میں وہ کچھ ہے جس سے سکوت کام نہیں دے سکتا اگر یہ حضرات ان صورتوں کو

[141] غنیۃ المستملی باب التیمم مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص ٦٨

التردد فی احکامھا ولم یحوجوا مثلی الی النظر فیھا۔
وثانیًا: بترکھا(۱) اشتملت صورۃ عدم السؤال ما اذا وعد ولم یعط ولیست خلافیۃ اذاوقع الموعد قبل تمام الصلاۃ بل یمنع وینقض ویبطل اتفاقا سواء ظھر خلفه اولا فھی ستۃ اربعۃ عـہ۱ منھا ثلاثیات واثنان عـہ۲ سداسیان لان کلامه لایختص بخارج الصلاۃ ککلام البحر فھی اربعۃ وعشرون وکذلک (۲) اذا وعد بعدھا ولم یظھر خلفه وھما عـہ۳ اثنان کلاھما سداسی فسری الغلط الی ستۃ وثلثین قسما وان لم یسلم استظھاری وجعل الوعد ولوکان بعدُ مبطلا مطلقا زاد اثنان عـہ۴ اعنی اثنی عشر اُخر وشمل الغلط ثمانیۃ واربعین۔
وثالثًا: قوله(۳) وان سأل فمنع یشمل کماصرح به السؤال قبل الصلاۃ

ذکر کرتے تو ہمیں مستفید فرماتے اور ان کے احکام میں تردد سے نجات دیتے اور مجھ جیسے کو ان میں نظر کی ضرورت نہ ہوتی۔
ثانیًا: ان صورتوں کو چھوڑ دینے کی وجہ سے عدمِ سوال کی صورت اسے بھی شامل ہے جب وعدہ کیا ہو اور نہ دیا ہو حالانکہ یہ صورت اختلافی نہیں جبکہ وعدہ تکمیل نماز سے پہلے ہوگیا ہو بلکہ یہ بالاتفاق مانع، ناقض اور مبطل ہے خواہ اس کے خلاف ظاہر ہو یا نہ ہو۔ یہ چھ ۶ صورتیں ہیں جن میں سے چار ثلاثی اور دو سداسی ہیں اس لئے کہ ان کا کلام، صاحبِ بحر کے کلام کی طرح خارج نماز سے خاص نہیں تو کل چوبیس ۲۴ صورتیں ہوئیں۔ اسی طرح جب بعد نماز وعدہ ہو اور اس کے خلاف نہ ظاہر ہو اور یہ دو صورتیں ہیں دونوں ہی سداسی ہیں تو چھتیس ۳۶ قسموں تک غلطی سرایت کرآئی۔ اور اگر میرا استظہار اور وعدہ کو اگرچہ بعد ہی ہیں ہو مطلقًا مبطل قرار دینا تسلیم نہ ہو تو دو ۲ یعنی بارہ صورتوں کا اور اضافہ ہوگا اور غلطی اڑتالیس ۴۸ صورتوں کو شامل ہو جائے گی۔
ثالثًا: ان کا قول "وان سأل فمنع" (اگر مانگنے پر اس نے انکار کیا) جیسا کہ انہوں نے

عـہ۱ ھی ۹و۱۰ و ۱۳ و ۱۴ (م) (یہ ۹، ۱۰، ۱۳، ۱۴ ہیں۔ت)
عـہ۲ ھما ۱۷ و ۱۸ (م) (یہ ۱۷ اور ۱۸ ہیں۔ت)
عـہ۳ ھما ۲۲ و ۲۶ (م) (یہ ۲۲ اور ۲۶ ہیں۔ت)
عـہ۴ ھما ۲۱ و ۲۵ (م) (یہ ۲۱ اور ۲۵ ہیں۔ت)

وبعدها فیشمل المنع قبلها وبعدها فتخصیص المنع بماقبلها فی قوله ولافائدۃ الخ لافائدۃ فیه بل قدیوهم ان لیس الحکم کذا ان منع بعدها ثم اعطی ولیس کذلك کماقدمنا فی شرح القانون الصدری والمسألة العاشرۃ فالوجه اسقاط لفظة قبلها۔

تصریح کی قبل نماز اور بعد نماز دونوں وقت مانگنے کو شامل ہے تو قبل نماز اور بعد نماز انکار کو بھی شامل ہوگا تو اپنی عبارت "ولافائدۃ فی العطاء بعدها بعد المنع قبلها" (بعد نماز دینے میں کوئی فائدہ نہیں اس کے بعد کہ نماز سے پہلے انکار کردیا ہو) میں منع کو قبل نماز سے خاص کرنے میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ اگر بعد نماز انکار کیا پھر دے دیا تو یہ حکم نہیں حالانکہ ایسا نہیں جیسا کہ قانون صدر الشریعۃ کی شرح اور مسئلہ دہم میں بیان کرچکے۔ تو مناسب یہی تھا کہ لفظ "**قبلها**" ساقط کردیا جاتا۔

ورابعًا: لم تکن(۱) حاجة الی التشقیق بالظنین والتشکیك من اول الامر لانه انما تمس الیه الحاجة فیما اذا لم یسأل ولم یعط ولم یعد وهی خلافیة علی فرض الخلاف۔

رابعًا: اوّل امر سے ہی دونوں ظن اور شک کی شقیں نکالنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اس کی ضرورت تو اس وقت ہوتی ہے جب اِس نے نہ مانگا اور اس نے نہ دیا نہ وعدہ کیا اور یہی اختلافی صورت ہے اگر فرض کیا جائے کہ خلاف ہے۔

وخامسًا: حط(۲) کلامه فی هذا اعنی الذی جعله خلافیة علی انه ان ظن العطاء فالمختار مذهب الصاحبین ای سواء کان الموضع موضع عزۃ الماء اوموضع بذله بدلیل اطلاق هنا والتفصیل فی المنع والشك وان ظن المنع فان کان الموضع موضع العزۃ فالمختار مذهب الامام وان کان موضع البذل اوشك فی موضع العزۃ فقولهما احوط وقوله اوسع ولاادری لم ترك الشك فی موضع البذل۔

خامسا: جس کو خلاف قرار دیا ہے اس میں اپنا کلام اس پر اتارا کہ اگر اسے ظن عطا ہو تو مختار صاحبین کا مذہب ہے یعنی خواہ وہ جگہ پانی کی کم یابی کی ہو یا پانی دئے جانے کی جگہ ہو اس کی دلیل یہاں اس کو مطلق ذکر کرنا اور منع وشک میں تفصیل کرنا ہے اگر اسے ظن منع ہوا اگر وہ جگہ پانی کی کمیابی کی ہو تو مختار امام صاحب کا مذہب ہے اور اگر جگہ پانی خرچ کیے جانے کی ہو یا اسے پانی کی کمیابی کی جگہ میں شک ہو تو صاحبین کے قول میں زیادہ احتیاط ہے اور امام صاحب کے قول میں زیادہ وسعت ہے۔ پتا نہیں بذل کی جگہ شک ہونے کا ذکر کیوں چھوڑ دیا۔ (ت)

فان قیل الاصل فی الماء الاباحة فلایعتری الشك الافی محل العزة۔ **اقول:** فکیف ظن المنع فی محل البذل فان جاز ذلك لامور خارجة فالشك اولی۔ **وسادسا:** لم (۱) کان الاحوط قولھما عند ظن المنع فی محل البذل لافی محل العزة فقد حققنا فی المسألة السادسة ان ذکر الموضع ذکر المظنة والمناط حقیقة ظنه ولربما یظن العطاء فی محل المنع والمنع فی محل العطاء ظنًا صحیحًا صادقًا ناشئا عن دلیل معتمد فان ادیر الامر علٰی ظنه کما ھوالتحقیق سقط الفرق بحال المحل وکان الاحوط قولھما اذاشك فی محل ما مطلقا لا اذا ظن المنع ولوفی محل البذل وان حکم بالمظنة مع قطع النظر عن ظنه فلم جعلتم المختار قولھما فی ظن العطاء ولوکان فی محل العزة۔ **وسابعا:**ان(۲) ارید بالاحوط مافیه الخروج عن العھدة بیقین کان قولھما احوط مطلقا وان اریدبه الاقوی دلیلا فکیف یکون احوط عند الشك فقد حققنا اٰخر المسألة السادسة	**اگر کہا جائے** کہ پانی میں اصل اباحت ہے تو شک صرف اسی جگہ ہوگا جہاں پانی کم یاب ہو۔ **اقول:** (میں کہوں گا) پھر بذل دے دئے جانے) کی جگہ ظن منع کا ذکر کیسے کیا؟ اگر خارجی امور کی بناپر اس کے ذکر کا جواز تھا تو شک کا بدرجہ اولٰی ہوگا۔ **سادسا:** قول صاحبین میں زیادہ احتیاط ظن منع کے وقت صرف کم یابی ہی کی جگہ کیوں ہے؟ ہم نے مسئلہ ششم میں تحقیق کی ہے کہ جگہ کا ذکر ایک جائے گمان کا ذکر ہے ورنہ مدار حقیقت ظن پر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کبھی منع کی جگہ اسے عطا کا گمان ہو اور عطا کی جگہ منع کا، ایسا صحیح گمان جو کہ معتمد دلیل سے پیدا ہوا ہو۔ تو اگر مدار کار اس کے گمان پر ہو جیسا کہ یہی تحقیق ہے تو حالت محل کا فرق ساقط ہوجائے گا اور قولِ صاحبین میں مطلقًا زیادہ احتیاط ہوگی جبکہ کسی بھی جگہ شک ہو نہ اس وقت جبکہ اسے منع کا ظن ہو اگرچہ بذل کی جگہ۔ اور اگر اس کے ظن سے قطع نظر کرکے مظنہ پر حکم ہے تو آپ نے صاحبین کا قول اس صورت میں مختار کیسے ٹھہرایا جبکہ اسے ظن عطا ہوا اگرچہ وہ کم یابی کی جگہ ہو۔ **سابعا:** اگر احوط سے مراد وہ ہو جس میں یقینی طور پر عُہدہ برآ ہونا ہو تو صاحبین کا قول مطلقًا احوط ہوگا اور اگر اس سے مراد وہ ہو جس کی دلیل زیادہ قوی ہے تو وہ شک کے وقت احوط کیسے ہوگا؟ ہم نے تو مسئلہ ششم کے آخر میں تحقیق کی ہے کہ شک

<table>
<tr>
<td>ان الشك ملحق بظن المنع الى هناأتمت قوانين العلماء مع ما لها وعليها الآن آن ان نذكر مافاض من فيض القدير على العاجز فاقول: الفقير وبالله التوفيق۔
الرابع القانون الرضوى
العطاء[عہ] بعد الوقت لايؤثر فيما مضى</td>
<td>ظن منع سے ملحق ہے۔ یہاں تک قوانین علماء مع شرح فوائد وذکر ایرادات تمام ہُوئے۔ اب ہم وہ بیان کرتے ہیں جو فیض قدیر سے عاجز فقیر پر فائض ہوا۔ فاقول: (میں کہتا ہوں) اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ (ت)
چہارم: قانون رضوی
وقت کے بعد دینا جو نافذ ہو چکا اس میں مؤثر</td>
</tr>
</table>

عـه لم يذكرعلى طريق التشقيق روماللاختصار فان العبارة تطول فيه كأن تقول لايخلو اما ان يعطى(۱) اويعد(۲) اويمنع(۳) اويسكت(۴) اولا (۵) شيئ على الاول اما ان يعطى فى الوقت اوبعده فان كان(۱) فى الوقت فاما بعد ختم الصلاة عقيب اباء حقيقى اوحكمى كائن قبل الصلاة اوبعدها اولا(۲) وان (۳) كان بعده فلايخلو اما ان كان علمه فى الوقت ولم يسأله اولا(۴) وعلى(۵) الثانى اما ان يعد بعد الصلاة ويظهر خلفه اولا(٦)وعلى(٧)الثالث يكون المنع قبل فعل كالتيمم والصلاة او(۸) بعده وعلى(۹) الرابع اما ان يلحقه العطاء

اختصار کے ارادہ سے تشقیق کے طور پر اس کا ذکر نہ ہوا اس لئے کہ اس میں عبارت لمبی ہو جاتی ہے۔ مثلاً یوں کہا جائے۔ اس سے خالی نہ ہوگا کہ یا تو دے[۱] یا وعدہ[۲] کرے یا انکار[۳] کرے یا خاموش[۴] رہے یا کچھ[۵] نہ ہو بر تقدیر اوّل یا تو وقت میں دے گا یا اس کے بعد اگر وقت[۱] میں دے تو یا تو ختم نماز کے بعد دے گا اس انکار حقیقی یا حکمی کے بعد جو نماز سے پہلے رہا ہو یا نماز کے بعد یا ایسا[۲] نہیں ہوگا اور اگر وقت[۳] کے بعد ہو تو اس سے خالی نہیں کہ یا تو وقت کے اندر علم ہوا اور اس سے نہ مانگا یا ایسا[۴] نہ ہوگا اور بتقدیر[۵] ثانی یا تو بعد نماز وعدہ کرے گا اور اس کا خلف ظاہر ہوگا یا ایسا[٦] نہ ہوگا اور بر تقدیر سوم[٧] انکار کسی فعل مثلاً تیمم و نماز سے پہلے ہوگا یا اس[۸] کے بعد اور بر تقدیر رابع[۹] یا تو عطا اسے وقت کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

الا اذاعلم ولم یسأل فیه اصلا وفیه مؤثر مطلقا الا اذاکان بعد الصلاۃ عقیب اباء سابق اولا حق ولوحکمیاوالوعدکھذا الااذا کان بعد الصلاۃ وظھر خلفه ای العطاء فی الوقت والمنع لایمنع شیأا ولایرفع والسکوت منع الا اذا لحقه العطاء فی الوقت قبل ان یراہ یتیمم ویصلی وان لم یعط ولم یعد ولم یسأل فان ظن العطاء بطلت والاتمت۔

نہیں مگر جبکہ علم ہو اور وقت کے اندر بالکل نہ مانگے اور وقت کے اندر دینا مطلقًا مؤثر ہے مگر جبکہ نماز کے بعد انکار سابق یا لاحق کے بعد ہو خواہ انکار حکمی ہی ہو وعدہ بھی اسی (وقت میں دینے) کی طرح ہے مگر جب کہ نماز کے بعد ہو اور اس کے خلاف ظاہر ہو جائے اور منع کسی چیز کو روکنے اور ختم کرنے والا نہیں اور سکوت منع ہی ہے مگر جب کہ اسے وقت کے اندر دینا لاحق ہو اس سے پہلے کہ اسے تیمّم کرتے اور نماز پڑھتے دیکھے اور اگر نہ دیا نہ وعدہ کیا نہ اس نے مانگا اگر دینے کا ظن رہا ہو نماز باطل ہو گئی ورنہ تام ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

فی الوقت قبل ان یتیمم ویصلی اولا(۱۰) وعلی(۱۱) الخامس اما ان یظن العطاء اولا(۱۲) فھی اثنا عشرلاتزید ولاحاجۃ فھذا بیان الشقوق ثم یفیض فی بیان الاحکام فیطول الکلام فادمجنا الاقسام فی بیان الاحکام واختصرنا الکلام مع الاستیعاب التام والحمدﷲ ذی الجلال والاکرام وقد علمت انالم نقسم قسمین الاحیث یختلفا فی الحکم وحصرنا الاربعمائۃ والستۃ والعشرین فی اثنی عشر بل رددناھا فی المتن الی عشرۃ کماتری وﷲالحمد ۱۲منه غفرله (م)

اندر تیمّم و نماز کی ادائے گی سے پہلے لاحق ہوگی یا ایسا[۱۰] نہ ہوگا اور برتقدیر[۱۱] خامس یا تو اسے ظن عطا ہوگا یا نہیں[۱۲] یہ بارہ[۱۲] صورتیں ہیں زیادہ نہیں۔ اور اس کی حاجت نہیں کیونکہ یہ تو شقوں کا بیان ہے پھر احکام کا بیان چلے گا تو کلام اور دراز ہوگا اس لئے ہم نے اقسام کو بیان احکام ہی میں ملا دیا اور مکمل احاطہ کے باوجود کلام مختصر رکھا اور ساری حمد عزّت وبزرگی کے مالک خدائے برتر ہی کیلئے ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہم نے دو[۲] قسمیں وہیں کی ہیں جہاں ان دونوں کا حکم مختلف ہو اس طرح چار سو چھبیس ۴۲۶ کو ہم نے بارہ ۱۲ میں محصور کیا بلکہ متن میں بارہ[۱۲] کو بھی دس[۱۰] کی جانب پھیر دیا جیسا کہ پیش نظر ہے۔ اور خدا تعالٰی ہی کیلئے ساری تعریف ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

وبه تمّت الضابطة* لجميع الصور الاربعمائة والستة والعشرين ضابطة* بيانه انى رددت الاقسام طرا الى عشرة لانه اما ان يعطى اويعد اويسكت اويمنع اولاشيئ ولايكون الثالث الابعد السؤال ولاالخامس الابدونه والاولان شاملان لهما فيصلحان للتثنية بكون كل بعد السؤال اوبلاسؤال۔	ان ہی الفاظ میں تمام چار سو چھبیس[۴۲۶] منضبط صورتوں کے لئے ضابطہ مکمل ہوگیا **اس کا بیان** یہ ہے کہ میں نے ساری قسموں کو دس صورتوں کی جانب پھیر دیا ہے وہ اس لئے کہ یا تو وہ دے[۱] گا یا وعدہ[۲] کرے گا یا سکوت[۳] کرے گا یا منع[۴] کرے گا یا کچھ[۵] نہ کرے گا۔اور تیسری صورت سوال کے بعد ہی ہوگی،اور پانچویں بلاسوال ہی ہوگی۔اور پہلی دونوں،سوال وعدم سوال دونوں کو شامل ہیں تو وہ دو دو ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں اس طرح کہ ہر ایک بعد سوال ہوگی یا بلاسوال۔(ت)
فالعطاء[۱] قسم واحد وهو غير الأجل الذى يتأخر عن السؤال بزمان فلابدان يتقدمه وعدا وصمت اومنع وهذا مقابل لها فى التقسيم فلاجرم ان يكون عاجلا اى على فور السؤال اولاعاجلا ولا اٰجلا بل بدون سؤال۔	تو **عطا**[۱] ایک قسم ہے اور یہ عطائے آجل نہیں جو زمان میں سوال سے کچھ بعد میں ہوتی ہے تو ضروری ہے کہ اس سے پہلے وعدہ یا خموشی یا انکار ہو۔اور یہ تقسیم میں ان سب کے مقابل ہے تو ضروری ہے کہ عاجل ہو۔یعنی سوال ہوتے ہی دینا ہو یا نہ عاجل ہو نہ آجل بلکہ بغیر سوال ہو۔
والوعد[۲] والمراد به الرجائى حال بقاء الماء كماهو المتبادر من اطلاقه ثلثة اقسام لانه [۱]اما قبل تمام الصلاة او [۲]بعده وفى هذا ظهر خلفه [۳] اولا۔	**وعدہ**[۲] اس سے مراد ہے وعدہ رجائی جو بقائے آب کی حالت میں ہو جیسا کہ اطلاق سے یہی متبادر ہوتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں اس لئے کہ یا تو[۲] قبل تکمیل نماز ہوگا یا[۳] بعد تکمیل اور اس میں یا تو اس کا خلف ظاہر ہوگا یا[۴] ایسا نہ ہوگا۔
والسكوت قسمان لانه [۵]يعطى بعده فى الوقت قبل الاطلاع على تيممه وصلاته اولا۔	**سکوت** کی دو قسمیں ہیں اس لئے کہ وہ بعد[۵] سکوت وقت کے اندر اس کے تیمّم ونماز پر اطلاع سے پہلے پانی دے دے گا یا ایسا[۶] نہ ہوگا۔

والمنع قسمان [۷]یعطی قبل تمام الصلاۃ [۸]اولا۔ **والخامس** [۹]قسمان کان یظن العطاء [۱۰]اولا فھی عشرۃ وکل منحازعن صاحبه بحکم فمافرقت الاالافتراق الحکم۔

بیان احاطتها الاقسام

(۱) العطاء[۱] غیر اٰجل مواقعه ستة قبل[۱] التیمم اوبعدہ[۲] قبل الصلاۃ اوفیھا[۳] اوبعدھا[۴] فی الوقت قبل الاطلاع المذکور اوبعدہ[۵] اوبعد[۶] الوقت الاولان ثلاثیان بالظنین والشك والبواقی سداسیات باضافة الرؤیة فی الصلاۃ اوقبلها فکانت ثلثین وبتثنیة کونه بعد سؤال اوبدونه کان ینبغی ان تکون ستین غیران الستة الاخیرۃ اعنی التی بعد الوقت لاتثنی لان السؤال بصلاۃ الوقت لایکون بعد الوقت فتبقی اربعة(۵۴) وخمسین اربعة وعشرون منها بالسؤال وثلثون بلاسؤال۔

حکمه التأثیر ای ان وقع قبل التیمم منعه اوبعدہ نقضه اوفی الصلاۃ قطعها اوبعدھا ابطلها غیر ان الابطال فیما اذاسأل فی الصلاۃ مضاف الی السؤال

انکار کی بھی دو قسمیں ہیں یا تو قبل تکمیل نماز [۷]دے گا یا نہ [۸]دے گا۔

پانچویں کی بھی دو قسمیں ہیں۔اسے [۹]ظنِ عطا تھا یا [۱۰]نہیں۔یہ دس [۱۰]صورتیں ہیں اور ہر صورت دوسری سے حکم میں جُدا ہے کیونکہ حکم الگ ہونے ہی کی وجہ سے ان کو الگ الگ کیا گیا ہے۔(ت)

اس کا بیان کہ یہ صورتیں ساری قسموں کو محیط ہیں۔

(۱) عطائے غیر آجل کے مواقع چھ[۶] ہیں: (۱) قبل تیمّم (۲) بعد تیمّم قبل نماز (۳) یا اندرونِ نماز (۴) یا بعد نماز وقت کے اندر، اطلاع مذکور سے پہلے (۵) یا اطلاع مذکور کے بعد (۶) یا وقت کے بعد پہلی دونوں صورتیں ظن عطا و منع اور شک کی وجہ سے ثلاثی ہیں اور نماز کے اندر دیکھنے یا اس سے قبل دیکھنے کے اضافہ کی وجہ سے باقی سب سُداسی ہیں تو تیس[۳۰] ہوئیں۔اور عطا کے بعد سوال یا بلاسوال ہونے سے ہر ایک کو دو کرکے ساٹھ[۶۰] ہو جانا چاہے تھا مگر آخری چھ[۶] صورتیں یعنی جو وقت کے لیے مانگنا وقت کے بعد نہ ہوگا تو چوّن[۵۴] صورتیں رہ جائیں گی، چوبیس[۲۴] سوال والی اور تیس[۳۰] بلاسوال۔

اس عطا کا حکم یہ ہے کہ (بہر حال) مؤثر ہے۔یعنی (۱) اگر یہ دینا قبل تمیم ہو تو تمیم سے مانع ہوگا۔(۲) اگر بعد تمیم ہو تو اسے توڑ دے گا (۳) اگر دوران نماز ہو تو اسے قطع کر دے گا (۴) بعد نماز ہو تو اسے باطل کر دے گا۔مگر یہ کہ اندرون نماز مانگنے کی صورت میں

فیبقی للعطاء نقض التیمّم۔	ابطال کی نسبت مانگنے کی جانب ہے تو عطاء کی وجہ سے تیمم ٹوٹتا رہے گا۔
(۲) وعد قبل تمام الصلاۃ مواقعه الثلثة الاول ثلاثیان ثم سداسی ویحتمل الکل اربعة وجوه لاغیر علی ماقدمنا تحت قانون البحر یعطی فی الوقت اوبعده اولا یعطی فیظهر خلفه اولا فهی اربعة وعشرون فی الاولین ومثلها فی الثالث فکانت ثمانية واربعین فی ربعها اعنی اثنی عشر العطاء بعد الوقت وهی لاتثنی کما علمت وستة وثلثون البواقی تثنی فالمجموع اربعة(۸۴) وثمانون۔	**(۲)** وعدہ قبل تکمیل نماز اس کے مواقع وہ پہلے تینوں مواقع ہیں وہ ثلاثی پھر ایک سداسی ہے، اور ہر ایک میں چار صورتوں کا احتمال ہے۔ زیادہ نہیں جیسا کہ قانونِ بحر کے تحت ہم نے پہلے بیان کیا۔ (۱) وقت میں دے دے گا (۲) بعد وقت دے گا (۳) نہ دے گا تو اس کا خلف ظاہر ہوگا (۴) یا نہ ظاہر ہوگا تو پہلی دونوں میں یہ چوبیس[۲۴] ہوگئیں۔ ان ہی کے مثل تیسری میں ہوں گی تو اڑتالیس[۴۸] ہوئیں ان کی چوتھائی یعنی بارہ[۱۲] میں عطا بعد وقت ہے۔ اور یہ دوگنا نہ ہوں گی جیسا کہ معلوم ہوا، اور باقی چھتیس[۳۶] دو[۲] دو[۲] ہوں گی تو کل چوراسی[۸۴] ہوئیں۔
حکمه الاٰثار الثلثة بالوجه المذکور	**حکم** وہی تینوں اثرات بطریق مذکور (۳) وعدہ بعد نماز جس کا خلف ظاہر ہوا۔ اس کی دو[۲] صورتیں ہیں، یا (۱) تو بالکل نہ دے بغیر کسی عذر کے یا (۲) وقت کے بعد دے اس لئے کہ ہم بتاچکے کہ وقتی حاجت کے لئے وعدہ خاص وقت سے متعلق ہوتا ہے اور بہر دو صورت یا تو بعد (۳) اطلاعِ مذکور ہوگا یا اس (۳) کے بغیر اور ہر صورت سُداسی ہے تو چوبیس[۲۴] صورتیں ہوئیں، ان میں سے نصف اول یعنی وہ جن میں عطا نہیں ڈبل ہو کر چوبیس[۲۴] ہو جائیں گی اور نصف دیگر یعنی عطا بعد وقت والی ڈبل نہ ہوں گی وجہ گزر چکی تو کُل چھتیس[۳۶] ہو جائیں گی جن میں سے بارہ سوال والی ہیں۔
(۳) وعد بعد الصلاۃ فظهر خلفه له وجهان ان لایعطی اصلا من دون عذر اویعطی بعد الوقت لماقدمنا ان الوعد فی حاجة موقتة یتعلق بالوقت خاصة وعلی کل یکون بعد الاطلاع اوبدونه والکل سداسی فهی اربعة وعشرون نصفها الاول اعنی مالاعطاء فیها تثنی فتصیر اربعة وعشرین ونصفها الاٰخر اعنی العطاء بعد الوقت لایثنی لمامر فیکون لکل ستة(۳۶) وثلثین اثناعشر منها لسؤال۔	

حکمه تمت۔	حکم نماز تام ہے۔
(۴) (ا) لم يظهر خلفه له ايضاً وجهان يعطى فى الوقت اولا يعطى لنحو وجوه قدمنا فى المسألة الثامنة كأن كان قال له تعالِ فى الوقت الفلانى اعطك فلم يذهب هذا والاقسام ههنا ثمانية[۴۸] واربعون لان التقسيم كسابقه وههنا الفريقان مثنيان۔	(۴) اس کا خلف ظاہر نہ ہوا۔اس کی بھی دو۲ صورتیں ہیں وقت[۱] کے اندر دے دے گا یا[۲] نہ دے گا۔اور اسی قسم کی وجہوں کے باعث جو ہم نے مسئلہ ہشتم میں بیان کیں۔مثلاً اس سے کہا تھا فلاں وقت آنا تمہیں دُوں گا۔یہ نہ گیا قسمیں یہاں اڑتالیس[۴۸] ہیں۔اس لئے کہ تقسیم اس سے پہلے والی کی طرح ہے اور یہاں دونوں ہی فریق ڈبل ہیں۔
حکمه يعيد الصلاة۔	**حکم** اعادہ نماز ہے۔
(۵) [۱]سكت واعطى فى الوقت قبل الاطلاع حيث ان السكوت يتقدمه السؤال فللسؤال اربعة مواقع قبل التيمم[۱] او[۲] الصلاة او[۳] فيها او[۴] بعدها والعطاء على الاول رباعى كذلك وعلى الثانى ثلاثى باسقاط الاول وعلى الثالث كذلك لانه قطع الصلاة بالسؤال ولم ينتقض تيممه فالعطاء اما ان يكون قبل المستأنفة اوفيها اوبعدها وعلى الرابع ماله الاوجه واحد لانه لايعيد الصلاة بالسكوت والاذلان ثلاثيان فسبعتهما احد وعشرون والاخيران سداسيان فاربعتهما اربعة وعشرون والكل خمسة[۴۵] واربعون۔	(۵) خاموش رہا اور وقت کے اندر قبل اطلاع مذکور دے دیا۔چونکہ سکوت سے پہلے سوال ہوگا۔تو سوال کے چار مواقع ہیں (ا) قبل تیمم (۲) قبل نماز (۳) دورانِ نماز (۴) بعد نماز اور بر تقدیر اول عطا کی بھی ایسے ہی چار[۴] چار[۴] صورتیں ہیں،اور بر تقدیر دوم ثلاثی ہے باسقاطِ اول اور بر تقدیم سوم بھی ایسا ہی ہے۔اس لئے کہ اس نے مانگ کر نماز توڑ دی اور اس کا تیمم ابھی نہ ٹوٹا تو دینا از سرِ نو پڑھی جانے والی نماز سے پہلے ہوگا یا اس کے اندر یا اس کے بعد اور بر تقدیر چہارم اس کی صرف ایک صورت ہے اس لئے کہ سکوت کی وجہ سے اس کو نماز کا اعادہ نہیں کرنا ہے پہلی دونوں ثلاثی ہیں تو ان کی ساتوں مل کر اکیس[۲۱] ہونگی اور آخر والی دونوں سُداسی ہیں تو ان کی چاروں چوبیس[۲۴] ہوں گی اور کُل پینتالیس[۴۵] ہوں گی۔
حکمه الأثار الثلثة۔	**حکم** تینوں اثرات۔

(٦) سکت(ا) ولم یعط فی الوقت قبل الاطلاع فاما فی الوقت بعد الاطلاع اوبعدہ اولا اصلا وفی کلھا السؤال علی مواقعہ الاربعۃ فکل من الاولین الثلاثین بثلثۃ وجوہ العطاء وعدمہ تسعۃ وکل من الاخیرین السداسیین ثمانیۃ عشر فھی اربعۃ[٥٤] وخمسون۔

حکمہ تمّت۔

(٧) منع(٢) فاعطی قبل تمام الصلاۃ لسؤال ثلثۃ مواقع غیر الاخیر وکذا للعطاء علی الاول وعلی الباقین اثنان لانہ بقطع الصلاۃ یستأنفھا فھی سبعۃ وکل فی الاولین الثالث سداسیان باثنی عشر فھی سبعۃ[٢٧] وعشرون۔

حکمہ الاٰثار الثلثۃ لاجل لعطاء لاللمنع۔

(٨) منع(٣) ولم یعط قبلہ فاما بعدھا فی الوقت قبل الاطلاع اوبعدہ اوبعد الوقت اولا ولسؤالہ المواقع الاربعۃ ثلاثیان فیضرب اربعۃ اربعۃ وعشرون وسداسیان ثمانیۃ واربعون کلھا اثنان[٧٢] وسبعون۔

(٦) خاموش رہااور وقت کے اندر اطلاع مذکور سے قبل نہ دیا یاتو[١] وقت کے اندر بعد اطلاع نہ دیا یا وقت[٢] کے بعد نہ دیا یا بالکل[٣] نہ دیااور ان میں سے ہر ایک میں سوال اپنے چاروں مواقع پر ہے۔تو پہلی دونوں ثلاثی میں سے ہر ایک عطا وعدم عطا کی تین صورتوں کے ساتھ نو[٩] ہو گی اور بعد والی دونوں سُداسی میں سے ہر ایک اٹھارہ[١٨] ہو گی۔تو کُل چوّن[٥٤] ہوں گی۔

حکم نماز تام ہے۔

(٧) انکار کیا پھر قبل تکمیل نماز دے دیا۔اس کے سوال کے تین مواقع ہیں آخری چھوڑ کر اسی طرح یہی صورت میں عطاکے مواقع اور باقی دو[٢] میں دو[٢] ہیں اس لئے کہ نماز توڑ دینے کی وجہ سے اس کو ازسرِ نو ادا کرے گا۔تو یہ سات[٧] ہوئیں۔اور اولَین میں سے ہر ایک ثلاثی ہے تو ان کی پانچوں پندرہ[١٥] ہو نگی اور سوم کی دونوں قسمیں سداسی ہیں تو بارہ[١٢] ہوں گی کل ستائیس ٢٧ ہوں گی۔

حکم تینوں اثرات،اس وجہ سے کہ عطا ہُوئی،اس وجہ سے نہیں کہ انکار ہُوا۔**(٨)** انکار کیا اور قبل تکمیل نماز نہ دیا۔یہ یا[١] تو بعد نماز وقت کے اندر قبل اطلاع یا بعد[٢] اطلاع ہوگا،یا بعد[٣] وقت ہوگا یا ایسانہ[٤] ہوگا اس میں سوال کے وہی چاروں مواقع ہیں دو ثلاثی تو چار سے ضرب دینے سے چوبیس[٢٤] صورتیں ہوں گی اور دو[٢] سداسی ہیں تو اڑتالیس[٤٨] ہوں گی۔کُل بہتر[٧٢] ہو نگی۔

حکمه تمّت۔	**حکم** نماز تام ہے۔
(۹) لم ¹يكن شيئ وظن العطاء هو على وجهين بالرؤية في الصلاة اوقبلها۔	(۹) کچھ نہ ہوااور اسے عطا کا گمان تھا۔ نماز کے اندر یا نماز سے قبل دیکھنے کی تقدیر کی وجہ سے اس کی دو¹ صورتیں ہیں۔
حکمه یعید۔	**حکم** نماز کا اعادہ کرے۔
(۱۰) لم ²يكن شيئ ولاظن عطاء هي اربعة بالوجهين مع ظن المنع اوالشک۔	(۱۰) کچھ نہ ہوااور اسے ظن عطا بھی نہ تھا۔ دونوں وجہوں کو ظن منع یا شک کے ساتھ ملا کر اس کی چار صورتیں ہوں گی۔
حکمه تمّت۔	**حکم** نماز تام ہے۔
وبه تمت احاطة ³عـه الاقسام *	اسی سے احاطہ اقسام مع بیانِ احکام مکمل ہوگیا۔

عـه : وهذا جدول الاجمال باعتبار التقسيم الاول الى خمسة اقسام	پانچ اقسام کی طرف تقسیم اول کے اعتبار سے یہ اجمالی نقشہ ہے۔

الاقسام	العدد	ما يجوز	ما يعيد فيه
عطا	۵۴	۲۴	۳۰
وعد	۱۶۸	۷۲	۹۶
سکوت	۹۹	۹۹	۰
منع	۹۹	۹۹	۰
خامس	۶	۰	۶
الکل	۴۲۶	۲۹۴	۱۳۲

اقسام	تعداد	جن میں نماز جائز	جن میں اعادہ
عطا	۵۴	۲۴	۳۰
وعدہ	۱۶۸	۷۲	۹۶
سکوت	۹۹	۹۹	۰
منع	۹۹	۹۹	۰
خامس	۶	۰	۶
میزان	۴۲۶	۲۹۴	۱۳۲

وهذا بعينه ماحصل بالتقسيم الاول تحت قانون البحر فتوا فقهما مع شدة تباينهما في الطريق دليل الصحة والتحقيق ۱۲ منه غفرله (م)	بعینہٖ یہی قانون بحر کے تحت تقسیم اول سے حاصل ہوا تو طریق میں شدید مباینت کے باوجود دونوں کا باہم موافق ہوجانا صحت وتحقیق کی دلیل ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

مع بیان الاحکام* والحمد الدائم لولی الانعام* ذی الجلال والاکرام* وافضل الصلاۃ والسلام* علی السید المنعام* واٰلہ الکرام* وصحبہ العظام* وامتہ الی یوم القیام* اٰمین۔	اور دائمی حمد ہے ولی انعام مالک عزّت وبزرگی کیلئے۔اور افضل درود وسلام بہت انعام فرمانے والے آقا،اور ان کی کریم آل، عظیم اصحاب اور ان کی امت پر روزِ قیامت تک الٰہی قبول فرما!
تنبیہ: اتبعناھم فی ترک اقسام الوعد باظھار النفاد والوعد الابائی والمنع بعد العطاء مع ذکرھم العطاء بعد المنع۔	**چند اقسام دیگر پر تنبیہ:** درج ذیل قسموں کو ترک کرنے میں ہم نے بھی ان ہی حضرات کی پیروی کی۔(۱) پانی ختم ہونے کا اظہار کرکے وعدہ (۲) وعدہ ابائی (۳) منع بعد عطا-- جبکہ ان حضرات نے عطا بعد منع کو ذکر کیا ہے۔
فان قیل لااثر لھذہ لامر ان الوعد بعد النفاد لایعتبر والوعد الابائی لااثرلہ فی الوقت الحاضر بل فی الوقت الموعود بہ والمنع بعد العطاء ان اثر فاباحۃ تیمم منعہ العطاء لاغیر کماقدمت فی المسألۃ العاشرۃ۔	**اگر کہا جائے** کہ اس کا کوئی اثر نہیں اس لئے کہ ختم ہونے کے بعد وعدہ کا اعتبار نہیں اور موجودہ وقت میں وعدہ ابائی کا کوئی اثر نہیں بلکہ وقت موعود میں ہے اور دینے کے بعد انکار اگر اثر کرے گا تو یہی کہ وہ تیمم جو عطا سے ممنوع ہوگیا تھا اب مباح ہوجائے گا کچھ اور اثر نہ ہوگا جیسا کہ مسئلہ وہم میں بیان ہوا۔
اقول: الیس ھذا اثرا والوعد کیفما کان ان لحقہ العطاء قبل تمام الصلاۃ تحصل الاٰثار الثلثۃ وان کان حصولھا بالعطاء کما بالعطاء قبلہ بعد المنع وان لم یلحقہ جاز تیمّمہ وبقی وتمّت الصّلوۃ۔	**اقول:** کیا یہ اثر نہیں۔اور وعدہ جیسا بھی ہو اگر قبل تکمیل نماز اسے عطا لاحق ہوئی تو تینوں اثرات حاصل ہوں گے اگرچہ یہ عطا سے حاصل ہوں گے جیسا کہ اس سے قبل، منع کے بعد دینے سے اگر عطا نہ لاحق ہو تو اس کا تیمم جائز و باقی اور نماز تام ہے۔
وقد ذکروا المنع ولااثرلہ الا ھذا وذکر المنع لایغنی عنہ فانہ من الوعد فیشتبہ الامر فیہ	علماء نے انکار کا ذکر کیا ہے اور اس کا سوائے اس کے کوئی اثر نہیں اور انکار کا ذکر کارآمد نہیں اس لئے کہ وہ وعدہ سے (انکار)

ثم قد ذکروا العطاء بعد الاباء وخصوہ بالعطاء بعد الصلاۃ وھو لااثر لہ اصلا وانما ذکروہ لبیان خلوہ عن الاثر فان اردنا ایرادھا زدنا فی الضابطۃ ان الوعد باظھار النفاد والوعد الابائی کلاھما لااثر لہ الا اذالحقہ العطاء قبل تمام الصلاۃ ولایسمع منع بعد عطاء الا اذا بقی الماء ولم یخرج عن ملك المعطی فیبیح التیمم ان منعہ عہ العطاء واذن تصیر اقسام الوعد سبعۃ لانہ باظھار نفاد الماء اوبدونہ علی الاول یعطی[1] قبل ختم الصلاۃ مؤولا بسھوہ مثلا اولا[2] وعلی الثانی ام ان یعد ابائیا[3] یعطی بعدہ قبل تمام الصلاۃ لان تاجیل وعدہ لایمنعہ عن تعجیلہ اولا[4] واما[5] رجائیا وقع قبل تمامھا او[6] بعدہ وفی ھذا ظھر خلفہ اولا[7]۔ والمنع ثلثۃ باضافۃ	ہے۔ تو معاملہ اس میں مشتبہ ہو جائے گا۔ پھر عطا بعد انکار کا ذکر کیا ہے اور اسے عطا بعد نماز سے خاص کیا ہے۔ اس کا بھی کوئی اثر نہیں۔ اس کی بے اثری بتانے ہی کیلئے علما نے اسے ذکر کیا ہے۔ اگر ہم اسے بھی لانا چاہیں تو ضابطہ میں یہ اضافہ کر دیں گے کہ ختم ہونے کا اظاہر کرکے وعدہ اور وعدہ ابائی دونوں بے اثر ہیں مگر جب کہ قبل تکمیل نماز انہیں عطا لاحق ہو۔ اور منع بعد عطا مسموع نہیں مگر جب کہ پانی باقی ہو اور دینے والے کی ملک سے باہر نہ ہوا ہو تو تیمم کو مباح کردے گا اگر عطا اس سے مانع ہو۔ اور اب وعدہ کی قسمیں سات ۷ ہو جائیں گی اس لئے کہ وعدہ پانی ختم ہونے کا اظہار کے ساتھ ہوگا یا اس کے بغیر ہوگا برتقدیر اول ختم نماز سے پہلے۔ مثلاً اپنے بھول جانے کا عذر کرتے ہوئے دے دے گا۔ (۲) یا نہیں برتقدیر ثانی (۳) یا تو ایسا وعدا ابائی کرے گا جس کے بعد قبل تکمیل نماز دے دے اس لئے کہ وعدہ کو مؤجل کرنا اس کی تعجیل سے مانع نہیں (۴) یا ایسا نہ ہوگا (۵) یا وعدہ رجائی کرے گا جو قبل تکمیل نماز واقع ہو (۶) یا اس کے بعد ہو، اور اس میں اس کا خلف ظاہر ہو (۷) یا ایسا نہ ہو۔ اور منع کی تین ۳ قسمیں ہو جائیں گی اس کا اضافہ

عـہ: احتراز عن البیع بخیار البائع کماتقدم فی المسألۃ العاشرۃ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

بیع بشرط خیار بائع سے احتراز ہے، جیساکہ مسئلہ دہم میں گزرا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

ما اذا کان بعد العطاء مع بقاء الماء وملکه اما خلافه وهو المنع بعد مانفد اوخرج عن ملك المانع فلایحتاج الی ادخاله فی الاقسام لانه یرجی الامن مجنون فتصیر جمیع الاقسام خمسة عشر۔

اما انواع هذه الخمسة المزیدة

فاقول: (۱۱) وعد[۱] باظهار النفاد واعطی قبل تمام الصلاة صوره ثمان واربعون۔

حکمه التأثیر۔

(۱۲) وعد[۲] کذلك ولم یعط قبل تمامها صوره ۱۶۲۔

حکمه تمت ویظهر لك هذا بتاییه لان هذا الوعد لایخالف الابائی احکاما ولااقساما اجمالا ولاتفصیلا۔

(۱۳) وعد[۳] ابائیا واعطی قبل تمام الصلاة مواقعه ثلثة: (i) قبل التیمم (ii) او الصلاة (iii) اوفیها فعلی الاول الثلاثی للعطاء المواقع الثلثة وعلی الثانی الثلاثی اثنان فخمسة فی ثلثة خمسة عشر وبالتثنیة

کر دینے کی وجہ سے جو منع بعد عطا پانی اور ملک باقی رہنے کے ساتھ ہو۔ لیکن اس کا خلاف۔ وہ یہ کہ پانی ختم ہونے کے بعد یا مانع کی ملک سے نکل جانے کے بعد منع ہو۔ تو اسے داخل اقسام کرنے کی ضرورت نہیں کہ ایسا منع وانکار مجنون کے سوا کسی سے متوقع نہیں اب کل اقسام پندرہ[۱۵] ہو جائیں گی۔ لیکن ان اضافہ شدہ پانچ کی

نوعیں فاقول: (تو میں کہتا ہوں):

(۱۱) ختم ہونا ظاہر کرکے وعدہ کیا اور تکمیل نماز سے پہلے دے دیا۔ اس کی اڑتالیس[۴۸] صورتیں ہیں۔

اس کا حکم مؤثر ہے۔

(۱۲) اسی طرح وعدہ کیا اور قبل تکمیل نماز نہ دیا۔ اس کی ۱۶۲ صورتیں ہیں۔

حکم نماز تام ہے۔ یہ اپنے بعد والی دونوں قسموں سے واضح ہوگی اس لئے کہ یہ وعدہ احکام، اقسام، اجمال، تفصیل کسی وعدہ ابائی کے برخلاف نہیں۔

تو اوّل ثلاثی میں عطا کے تینوں مواقع ہیں۔ اور دوم ثلاثی میں دو[۲] ہیں تو پانچ کو تین میں ضرب دینے سے پندرہ[۱۵] صورتیں ہوں گی اور پندرہ کو دو میں ضرب دینے سے

ثلثون عن اما الثالث ففیه وجهان لان الوعد فی الصّلاۃ ان کان بسؤال فقد لزمه استئناف الصلاۃ والامضت لان هذا الوعد لاینقض التیمم فعلی الثانی ماللعطاء الاوجه واحد ان یعطی قبل تمام هذه الصلاۃ وعلی الاول یحتمل ان یعطی قبل شروع الصلاۃ المستأنفة اوفیها فصار الثالث وهو سداسی علی ثلثة وجوه بثمانیة عشر ومع الثلثین ثمانیة واربعون[۴۸]۔

حکمه التأثیر لاللوعد فانه منع بالنظر للوقت بل للعطاء۔

(۱۴) وعدا بائیا ولم یعط قبل تمامها له المواقع الخمسة بزیادة ما[۴] بعد الصلاۃ مطلعا[۵] اوغیر مطلع فان کان قبل التیمم اوالصلاۃ احتمل اربعة:(۱) ان یعطی بعد الصلاۃ فی الوقت مع الاطلاع۔(۲) اوبدونه (۳) اوبعد الوقت (۴) اولا۔وان کان بعد الصلاۃ قبل الاطلاع خرج الاول بعده خرج الثانی لان العطاء لایخالف الوعد فی هذین فان المراد الاطلاع حین تیمم وصلی به لیتوهم اویثبت السکوت اذذاك دلیل المنع۔

(۱۳) وعدہ ابائی کیااور قبل تکمیل نماز دے دیا۔اس کے تین ۳ مواقع ہیں:

(i) قبل تمیم (ii) قبل نماز (iii) اندرونِ نماز

تیں ہوں گی۔تقدیر سوم پر دو ۲ صورتیں ہیں اس لئے کہ نماز میں وعدہ اگر اس کے مانگنے پر ہوا تو اس پر از سرِ نو پڑھنا لازم ہے ورنہ نافذ وتام ہو گئی اس لئے کہ یہ وعدہ تمیم نہیں توڑتا۔تو دوسری صورت میں عطا کی صرف ایک شکل ہو گی وہ یہ کہ قبل تکمیل نماز دے دے اور پہلی صورت میں احتمال ہے کہ از سرِ نو پڑھی جانے والی نماز شروع کرنے سے پہلے دے یا اس نماز کے اندر ہی دے تو سوم جو سُداسی ہے تین شکلوں پر ہو کر اٹھارہ ۱۸ ہو گئی۔یہ تیس ۳۰ کے ساتھ مل کر کُل اڑتالیس ۴۸ ہوئیں۔

حکم: تاثیر وعدہ کی وجہ سے نہیں کیونکہ یہ تو بنظرِ وقت منع ہے بلکہ عطا کی وجہ سے۔

(۱۴) وعدا بائی کیااور قبل تکمیل نماز نہ دیا نماز (۴) کے بعد مطلع ہو کر یا غیر مطلع (۵) رہ کر نہ دینے کی صورت کا اضافہ کرکے اس کے پانچ مواقع ہوں گے اگر تمیم یا نماز سے پہلے ہو تو اس میں چار ۴ احتمال ہوں گے:

(۱) نماز کے بعد،وقت کے اندر اسے اطلاع دینا۔(۲) بغیر اطلاع دینا (۳) بعد وقت دینا (۴) ایسا کُچھ نہ ہو۔

اگر بعد نماز قبل اطلاع ہو تو احتمال اول خارج ہو جائے گا اور اگر بعد اطلاع ہو تو احتمال دوم خارج ہو جائے گا۔اس لئے کہ ان دونوں میں عطا خلاف وعدہ نہیں۔کیونکہ مراد ہے اس وقت اطلاع جب تمیم کیا اور اس سے نماز ادا کی تاکہ یہ وہم یا ثبوت

فاذن کل من الاولین الثلاثین اثناعشر وکل من الأخرین السداسیین ثمانیة عشر فھی ستون وبالتثنیة مائة وعشرون۔

بقی الثالث الوسطانی ان یکون الوعد فی الصّلاۃ فان لم یکن عن سؤاله احتمل ان یعطی بعدھا فی الوقت اوبعدہ اولا وان کان بسؤاله فلاجل الاستئناف احتمل ان یعطی فی الوقت بعد المستأنفة مع الاطلاع اوبغیرہ اوبعد الوقت اولا فھذہ سبعة سداسیات باثنین واربعین والکل مائة واثنان۱۶۲ وستون۔

حکمه تمت وینتقض تیممه الاٰن ان اعطی۔

(۱۵) اعطی ثم منع وملکه والماء باق ھذا العطاء یحتمل انیکون بلاسؤال اوبعدہ عاجلا اوبعد وعدا وصمت اومنع وعلی کل یکون قبل التیمم اوالصلاۃ اوفیھا اوبعدھا بالاطلاع اوبدونه اوبعد الوقت۔

وبالجملة جمیع صور العطاء الاٰتیة فی سائر الاقسام الماضیة ومنھا مؤثرات باحد الاٰثار الثلٰثة وھی کل القسم الاول اربعة وخمسون وثلثة اسباع الثانی ستة وثلثون لان العطاء قبل التیمم اوالصلاۃ اوفیھا وکل فی الوقت

ہو سکے کہ اس وقت سکوت دلیل منع ہے۔

اب پہلی دونوں ثلاثی میں سے ہر ایک بارہ، اور بعد والی دونوں سُداسی میں سے ہر ایک اٹھارہ، تو یہ ساٹھ ۶۰ صورتیں ہُوئیں اور دو ۲ میں ضرب دینے سے ایک سو بیس ۱۲۰ ہوئیں۔

تیسری درمیانی باقی رہ گئی وہ یہ کہ وعدہ نماز میں ہو، تو اگر اس کے سوال پر نہ ہو تو احتمال ہے کہ بناکے بعد وقت کے اندر یا بعد وقت دے دے یا نہ دے اور اگر اس کے سوال پر ہے تو استیناف نماز کی وجہ سے احتمال پیدا ہوا کہ از سرِ نو پڑھی جانے والی نماز کے بعد وقت میں بحالتِ اطلاع یا بلااطلاع دے دے، یا بعد وقت دے یا نہ دے۔ یہ سات ۷ احتمالات ہوئے سب سُداسی ہیں تو بیالیس ۴۲ ہوئے اور کُل ایک سو باسٹھ ۱۶۲ ہوئے۔

حکم: نماز تام ہے اور تیمم اس وقت ٹوٹ جائے گا اگر دے دے۔

(۱۵) دیا پھر منع کیا اور اس کی ملک اور پانی باقی ہے۔ اس عطا میں احتمال ہے کہ بلا سوال ہو یا بعد سوال فوراً ہو یا وعدہ یا خموشی یا انکار کے بعد ہو اور بہر تقدیر یا تو دینا قبل تیمم ہوگا یا قبل نماز یا اندرونِ نماز یا بعد نماز بحالتِ اطلاع یا بلا اطلاع یا بعد الوقت۔

بالجملہ آنے والی عطا کی ساری صورتیں گزشتہ ساری اقسام میں ہے ان میں سے کچھ تینوں اثرات میں سے کوئی ایک اثر بھی رکھتی ہیں اور یہ قسم اول کی سبھی ہیں جن کی تعداد چوّن ۵۴ ہے اور ثانی کی ۳/۷ چھتّیس ۳۶ اس لئے کہ عطا تیمم سے پہلے ہو گی یا نماز سے پہلے یا نماز کے اندر، اور ہر ایک وقت کے اندر

بعد السؤال اوبدونه اوبعد الوقت فهی ثلثة فی کل والاولان ثلاثیان والثالث سداسی ونصف الرابع اربعة وعشرون وکل الخامس خمسة واربعون والسابع سبعة وعشرون والثانی عشر ثمانیة واربعون مجموعها مائتان واربعة وثلثون۔

ومنها مالایؤثر لکونه بعد الوقت وهو ثلث الثالث اثنا عشر وثلث السادس ثمانیة عشرلان فیه وجهین للعطاء ووجها لعدمه

ونصف العطاء بعد الوقت فکان ثلث الکل۔

وربع الثامن ثمانیة عشرلان فیه وجها لعدم العطاء وثلثة وجوه للعطاء منها وجهان لمافی الوقت فکان لعدم الوقت ربع الکل ومن الثالث عشر ثمانیة واربعون مجموعها ستة وتسعون ومع المؤثرات ثلثمائة[۳۳۰] وثلثون فلتخزن فان هذه لایفارق فیها المنع والعطاء فی الموقع اما فی الفریق الثانی فظاهر لان العطاء بعد الوقت فلایکون المنع الابعده۔

واما فی فریق المؤثرات فلان الفرض منعه قبل الاستعمال فان اعطی قبل التیمم لایکون له ان یتیمم حتی یقع المنع بعد التیمم وان اعطاه قبل الصلاۃ لایکون له ان یصلی حتی یقع فی الصلاۃ وقس علیه و

بعد سوال یا بلاسوال[۲] یا بعد وقت تو ہر ایک میں یہ تین ہیں اور پہلی دونوں ثلاثی ہیں تیسری سداسی ہے اور چہارم کی نصف چوبیس[۲۴] اور خامس کی سبھی پینتالیس[۴۵] اور سابع کی ستائیس[۲۷] اور بارھویں کی اڑتالیس[۴۸]۔ کل دوسوچونتیس[۲۳۴]۔

ان میں سے کچھ غیر مؤثر ہیں کیونکہ بعد وقت ہیں، یہ سوم کی تہائی بارہ ہیں اور ششم کی تہائی اٹھارہ اس لئے کہ اس میں عطائی دو شکلیں ہیں اور عدم عطا کی ایک شکل ہے اور نصف عطا بعد وقت تو کل کی تہائی ہوئیں۔

اور ہشتم کی چوتھائی اٹھارہ اس لئے کہ اس میں عدمِ عطا کی ایک صورت، اور عطا کی تین صورتیں ہیں۔ دو صورتیں اس کی ہیں جو وقت کے اندر ہو۔ تو عدم وقت کے لئے کل کی چوتھائی ہوئی اور تیرھویں سے اڑتالیس[۴۸] جن کا مجموعہ چھیانوے[۹۶] ہوگا اور مؤثرات کے ساتھ تین سو تیس[۳۳۰]۔ انہیں جمع کرلیا جائے کہ ان کے اندر منع وعطا میں موقع کا اختلاف نہیں۔ فریق ثانی میں تو ظاہر ہے اس لئے کہ عطا بعد وقت ہے تو منع بھی بعد وقت ہی ہوگا۔

اور فریق مؤثرات میں اس لئے کہ فرض یہ کیا گیا ہے کہ استعمال سے پہلے منع کردیا ہو تو اگر تیمم سے پہلے دے دیا اسے تیمم کرنا روانہ ہوگا یہاں تک کہ تیمم کے بعد منع واقع ہو اور اگر نماز سے پہلے دے دیا تو اس کیلئے نماز ادا کرنا روانہ ہوگا یہاں تک کہ منع اندرونِ نماز واقع ہو اور اسی پر قیاس کرلیا جائے۔

ومنها مافی الوقت ولایؤثر وھی ثلث السادس ثمانیة عشر ونصف الثامن ستة وثلثون ومن الثالث عشر ثمانیة واربعون مجموعها مائة واثنان ففی هذه یمکن الافتراق لانه اذا اعطی فی الوقت ولم یؤثر فله ان لایستعمل لماء الاٰن ویدخره للوقت الاٰتی فیصح المنع قبل استعماله بعد الوقت فهذه تنقسم الی قسمین المنع فی الوقت وبعده فتصیر مائتین[۲۰۴] واربعة ومع المخزونات خسمائة[۵۳۴] واربعة وثلثین هذه وجوه هذا القسم الخامس عشر۔

اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو وقت میں ہوں اور مؤثر نہ ہوں یہ ششم کی تہائی اٹھارہ ہیں اور ہشتم کی نصف چھتیس[۳۶]، اور تیرھویں سے اڑتالیس۔ کل ایک سو دو[۱۰۲] ہیں۔ ان میں افتراق ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ وقت میں دے اور مؤثر نہ ہو تو اسے حق ہے کہ اس وقت پانی استعمال نہ کرے اور وقت آئندہ کیلئے ذخیرہ کر رکھے تو بعد وقت اس کے استعمال سے پہلے منع صحیح ہوگا۔ تو ان کی دو قسمیں ہوں گی منع[۱] اندرون وقت، منع[۲] بعد وقت تو دو سو چار[۲۰۴] ہو جائیں گی اور جمع شدہ کو ملا کر پانچ سو چونتیس[۵۳۴] ہونگی یہ اس پندرھویں قسم کی صورتیں ہیں۔

حکمه اباحة التیمم الاٰن ان کان العطاء منعه ولا اثر له علی مامضی من تیمم اوصلاة بل ان کان فللعطاء السابق مجموع هذه الاقسام الخمسة تسعمائة واربعة وخمسون ومع السابقات الف وثلثمائة وثمانون واللہ تعالٰی اعلم۔

حکم: اس وقت تیمم مباح ہونا ہے اگر عطا اس سے مانع تھی۔ اور گزشتہ تیمم یا نماز پر اس کا کوئی اثر نہیں۔ بلکہ اگر اثر ہوگا تو عطائے سابق کا ہوگا۔ ان پانچوں اقسام کا مجموعہ نو سو چوّن[۹۵۴] ہُوا اور سابقہ قسموں کو ملا کر ایک ہزار تین سو اسّی[۱۳۸۰] ہوا اور خدائے برتر خُوب جاننے والا ہے۔

اضافة اخرٰی

اضافہ دیگر

اقول: وههنا وجوه اُخر فان احوال اربعة: عطا، وعد، سکوت، منع۔ وقد ذکروا العطاء بعد المنع وذکرنا فی وجوه قوانینهم العطاء بعد الوعد وبعد السکوت وزدنا المنع بعد العطاء فمن

اقول: یہاں کچھ اور صورتیں ہیں۔ اس لئے کہ حالتیں چار[۴] ہیں: عطا، وعدہ، سکوت، منع۔

علما نے عطا بعد منع بھی ذکر کیا ہے اور ہم نے ان کے قوانین کی صورتوں کے اندر عطا بعد وعدہ وبعد سکوت بھی ذکر کیا ہے اور منع بعد عطا کا اضافہ کیا ہے۔ تو

وزانها الوعد ثم الاباء والاباء ثم الوعد والسكوت ثم الاباء اوالوعد فهذه اربعة تركيبات أُخر ثنائيات اماما فوق الثنائی فلا امكان لاحصائه جل من احصى كل شيئ عددا والاسترسال فی بيان تقاسيم هذه الاربعة ايضا مخرج عن القصد ومن عرف تصرفنا فی ابانة الاقسام لم يعسر عليه فلنقتصر على بيان الاحكام الكلية بانين على استظهارا تنا السالفة غير قاطعی القول فيما يتعلق بابحاثنا۔	اسی کے مقابلہ میں وعدہ[1] پھر انکار، انکار[2] پھر وعدہ، سکوت[3] پھر انکار، یا وعدہ[4] بھی ہیں۔ تو یہ چار دوسری ثنائی ترکیبیں ہُوئیں لیکن ثنائی سے اوپر تو ان کا شمار ممکن نہیں بزرگ ہے وہ جس نے ہر چیز کا شمار رکھا ہے۔ اب ان چاروں کی تقسیموں کی توضیح میں چلیں تو اعتدال سے باہر ہو جائیں گے۔ توضیح اقسام میں ہمارا تصرف جس نے سمجھ لیا اس کیلئے یہ مشکل نہ ہوگا۔ تو ہم احکام کلیہ کے بیان پر اقتصار کریں بنائے کلام ہمارے سابقہ استظہاروں پر ہوگی مگر جو ہماری ابحاث سے متعلق ہے اس میں ہم قطعی قول نہ کریں گے۔
فاقول: [1] اذا وعدثم ابی فان كان الوعد قبل التيمم واذن لايكون الاباء ايضا الاقبه لان الوعد حاجز عن التيمم فهذا الاباء يبيح التيمم وان كان الوعد بعد التيمم نقضه فلايعيده الاباء بل يجيز تجديده وكذا ان كان فی الصلاة قطعها فلايصلها الاباء بعده وان كان بعدها تمت الصلاة وزال ماكان يخشى عليه من جانب الوعد ان لم يظهر خلفه۔	**فاقول:** [1] جب وعدہ کرے پھر انکار کردے تو اگر وعدہ قبل تیمم ہو اور اِس صورت میں انکار بھی قبل تیمم ہی ہوگا۔ اس لئے کہ وعدہ تیمم میں رکاوٹ ڈالتا ہے تو یہ ۰ انکار تیمم مباح کردے گا اور اگر وعدہ تیمم کے بعد ہو تو اسے توڑ دے گا۔ تو انکار اسے واپس نہ لائے گا بلکہ اس کی تجدید جائز کردے گا اسی طرح اگر وعدہ نماز کے اندر ہو تو نماز کو توڑ دے گا تو اس کے بعد انکار اسے جوڑ نہ دے گا اور اگر وعدہ بعد نماز ہو تو نماز تام ہے اور وہ زائل ہے جس کا وعدہ کی جانب سے خطرہ رہتا ہے کہ اس کے خلاف نہ ظاہر ہو۔
وان[2] ابی ثم وعد فان وقع الوی قبل تمام الصلاة نسخ الاباء ومنع ونقض وقطع وان وقع بعدها	(۲) اور اگر انکار کرے پھر وعدہ کرے تو اگر وعدہ قبل تکمیل نماز واقع ہوا انکار کو منسوخ کردے گا اور مانع، ناقض اور قاطع ہوگا۔ اور اگر بعد نماز ہوا

لم یؤثر لان العطاء بعد الصلاۃ لایضر اذاکان بعد المنع فکیف بالوعد۔ وان[1] سکت ثم ابی فالسکوت کان نفسہ دلیل الاباء والاٰن قداتی الصریح۔وان[2] سکت ثم وعد فان کان السکوت یحتمل ان یکون لاللاباء کماوصفنا فی ابحاثہ فھذا الوعد جعل ذلک المحتمل متعینا فیعمل عملہ من الاٰثار الثلثہ والا لافصح التیمم وتمت الصلاۃ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم* وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم* وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ و صحبہ وابنہ وحزبہ وبارك وسلم* الی ابد الابدین* فی کل اٰن وحین* والحمدللہ رب العٰلمین*	تو مؤثر نہ ہوگا اس لئے کہ بعد نماز عطا مضر نہیں جبکہ بعد منع ہو۔تو وعدہ کا کیا حال ہوگا۔ (۳) اگر خاموش رہا پھر انکار کیا تو سکوت خود ہی دلیل انکار تھا اور اب تو صریح ہوگا۔(۴) اگر خاموش رہا پھر وعدہ کیا تو اگر سکوت میں یہ احتمال ہو کہ انکار کی وجہ سے نہ ہوگا جیسا کہ اس کی بحثوں میں ہم نے بتایا تو یہ وعدہ اس محتمل کو متعین کردے گا۔تو اپنا کام کرے گا کہ تینوں اثرات ڈالے گا۔ورنہ نہیں تو تیمم صحیح اور نماز تام ہوگی۔ اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے اس مجدِ بزرگ والے کا علم زیادہ تام اور محکم ہے،اور خدائے برتر کی طرف سے ہمارے آقا ومولٰی محمد اور ان کی آل،اصحاب،فرزند اور گروہ پر ہمیشہ ہمیشہ،ہر لمحہ وہر آن درود اور برکت وسلام ہو۔اور ساری تعریفیں سارے جہانوں کے مالک خدا کیلئے ہیں۔(ت)